وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

حیاتِ برزخیہ

از افادات:
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مرتبہ:
جناب حافظ عبدالرزاق (ایم اے)

وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ

حیاتِ برزخیہ

از افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ برکاتہ

مرتبہ: حافظ عبدالرزاق ایم اے

ناشر
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا اللہ یار چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۰۴ء ...... وفات: ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء

چکڑالہ ضلع میانوالی کے بزرگ عالم دین، مناظر اسلام، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ تصوف میں اویسی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے شاگرد حافظ عبدالرزاق ایم اے نے آپ کے افادات کو "حیات برزخیہ" کے نام سے شائع کیا۔ جسے ہم نے اس مجموعہ میں شامل کیا۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ وصحبہ واھل بیتہ اجمعین!

علمائے کرام میں سے چند احباب اور کچھ دوسرے عزیزوں نے مطالبہ کیا کہ میں ایک رسالہ لکھوں جس میں "احوال برزخیہ" اور "سماع موتیٰ" کو زیر بحث لایا جائے اور افراط وتفریط سے دامن بچا کر قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی اصل حقیقت کی وضاحت کی جائے۔ میرے خیال میں اس مطالبہ یا مشورہ کا محرک یہی جذبہ ہے کہ "الدین النصیحۃ"

چونکہ آج کل سماع موتیٰ کا مسئلہ ایک گروہ بندی کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام اور علماء میں انتشار اور منافرت کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ باہمی محبت کی جگہ دلوں میں نفرت اور بعد صرف پیدا ہی نہیں ہو رہا بلکہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ایک گروہ کے کسی سربرآوردہ شخص نے انکار کیا تو اس گروہ کے عام افراد محض عقیدت یا اندھی تقلید کی وجہ سے انکار کر بیٹھے۔ عوام تو خیر عوام ٹھہرے، حیرت ان علمائے کرام پر ہوتی ہے جو اپنے علم وفضل کے باوجود گروہ بندی میں بہے جا رہے ہیں اور صرف انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ضد میں آ کر یہ فتویٰ بھی صادر فرما دیتے ہیں کہ سماع موتیٰ کا قائل ہونا ہی شرک اور کفر ہے۔ (العیاذ باللہ) افسوس کہ ان کے اس فتویٰ کی زد میں ایسے ایسے مفسر، محدث، فقیہ اور ائمہ دین آتے ہیں۔ جن کا علم وتقویٰ اور تحقیق امت کے نزدیک مسلّم ہے۔

دوسری طرف قائلین سماع موتیٰ میں ایک جماعت نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اصحاب قبور اولیاء کرام، مشکل کشا، حاجت روا اور مختار مطلق ہیں۔ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے بچائے۔ (آمین)

ہماری نگاہ میں نہ تو منکرین سماع موتیٰ اور اس پر کفر وشرک کا فتویٰ دینے والے حضرات حق بجانب ہیں۔ نہ قائلین سماع موتیٰ کی وہ جماعت جو اصحاب قبور اولیاء کرام کو اپنے خیال کے مطابق حاجت روا اور مشکل کشا گردانتی ہے۔ یہ دونوں فریق افراط وتفریط میں ہیں۔ حتیٰ کہ فریق اوّل سماع کا انکار کرتے ہوئے اس حد کو پہنچا کہ ثواب وعذاب قبر کا بھی انکار کر دیا کہ اس گڑھا محسورہ میں نہ ثواب ہے نہ عذاب بلکہ اس گڑھے کے قبر ہونے سے بھی انکار کر دیا اور ظاہر ہے کہ عذاب وثواب کا انکار کفر ہے۔ یہ افراط وتفریط کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر فریق اپنی تحقیق پر ہی قائم رہتا اور فریق ثانی کو برا بھلا نہ کہتا تو اس قدر انتشار اور بدمزگی پیدا نہ ہوتی۔

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور برزخ کی تفصیلات کا سمجھنا کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اگر اہل کشف صوفیاء کرام اس سلسلے میں کچھ بحث کرتے تو حق بجانب تھے۔ علمائے کرام کا منصب تو یہ ہے کہ ایسے مسائل جو مختلف فیہ چلے آتے ہیں۔ ان میں اپنی تحقیق کے مطابق راجح مذہب تو بیشک اختیار کریں لیکن اپنے خیال کے مطابق مرجوح کو مرجوح رہنے دیں۔ اس کو مردود قرار دینے میں احتیاط برتیں۔ اسی میں ان حضرات کی بہتری اور عوام کی بھلائی ہے ورنہ ایک طرف تو عوام میں انتشار بڑھے گا اور دوسری طرف علماء کرام کا وقار ختم ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو طاقتیں دین کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں وہ علماء کا نام لے کر دین کے انہدام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گی۔

حافظ عبدالرزاق ایم اے عربی لیکچرار گورنمنٹ کالج (جہلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ طبع ثانی

حال ہی میں حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب نے ''تسکین الصدور'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں اہل السنۃ والجماعت کے صحیح عقائد کی وضاحت کی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر جمہور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ تمام متقدمین ومتاخرین علمائے ربانی ان عقائد پر متحد ہیں۔ ان عقائد کی بنیاد دلائل قطعیہ پر ہے۔ لہٰذا ان عقائد کی مخالفت کرنا صرف اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ انسان اہلسنت والجماعت کے مسلک سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگردوں اور سلف صالحین پر اس کا اعتماد نہ ہو اور خود مجتہد بن کر ایک نئی راہ نکال لے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ آدمی ان متفق علیہ عقائد کی مخالفت بھی کرے اور اس بات کا مدعی بھی ہو کہ وہ اہل السنت والجماعت کا مسلک رکھتا ہے اور اسی مسلک کا مبلغ ہے۔

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو ایک مختصر سا گروہ جھنجلا اٹھا اور اس گروہ نے ایک فرد مولوی محمد امیر بندیالوی نے مولوی محمد حسین نیلوی کے تعاون سے ایک کتاب ''ندائے حق'' کے نام سے لکھی۔ جس میں تین امور کا اہتمام کیا گیا۔ اوّل تسکین الصدور میں بیان کردہ متفق علیہ عقائد کی تردید (بزعم خویش) دوم اپنے عقائد فاسدہ کی تبلیغ، سوم اس امر کا دعویٰ کہ وہ ایک عالم اہلسنت والجماعت کی حیثیت سے اس مسلک کی وکالت کر رہے ہیں۔ جہاں تک ''تسکین الصدور'' کے جواب کا تعلق ہے۔ ندائے حق کی حیثیت وہی ہے جو تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں لکھی گئی، کتابوں کی ہے کہ بس وہ کتابیں ہیں کہ لکھ دی گئی ہیں۔ مگر تحفہ کا جواب آج تک نہیں بن پڑا۔ جہاں تک مصنف کے اپنے یا اپنے ایک مختصر سے گروہ کے عقائد کا تعلق ہے۔ اس کی بنیاد صرف اس نظریہ پر ہے کہ بخاری، مسلم، بلکہ صحاح ستہ کا ذخیرہ شرح احادیث مفسرین اور فقہاء متکلمین اور جمہور علمائے اہلسنت والجماعت کے نظریات صرف غلط عقائد کے مجموعے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ دلیل اس لحاظ سے تو وزنی ہے کہ آدمی کہہ دے مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیوں کہ دین نقل ہو کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اگر ان ناقلین دین، محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین اور شارحین حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو دین ہم تک کیسے پہنچا۔ سلف صالحین جو نبوت کے دونوں پہلوؤں یعنی علوم ظاہری اور باطنی کے امین تھے نا قابل اعتماد ٹھہرے تو مجتہد دین کا تیار کردہ دین کیسے قابل اعتماد اور قابل قبول ہوگا اور حدیث کی من مانی تاویل ہی دلیل ٹھہری تو تلعب بالحدیث اور تمسخر بالحدیث کسے کہیں گے؟

چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا علی الصحابة وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدلّ علی ذالک لان الشریعة لا یعرف الّا بالنقل والاستنباط والنقل لا یستقیم الّا بان یأخذ کل طبقة عمن قبلھا بالاتصال ولا بد فی الاستنباط ان یعرف ملھب المتقدمین لئلا یخرج من اقوالھم فیخرق الاجماع وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم۔'' (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ص ۳۴)

تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کریں تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا، تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور یہی صورت ہر زمانہ میں ہر طبقہ میں رہی کہ وہ اپنے زمانہ کے علماء پر اعتماد کریں اور وہ سابقہ علماء پر اعتماد کریں۔ عقل سلیم کا تقاضا بھی ہے۔ کیوں کہ شریعت کی معرفت کا مدار نقل اور استنباط پر ہے اور نقل میں صحت کا ہونا اس بنا پر ہوگا کہ متقدمین پر اعتماد ہو اور ہر طبقہ اپنے متصل سابقہ طبقہ سے شریعت حاصل کرے اور اس حصول میں بھی متقدمین کا مذہب سامنے ہوتا کہ ان کے اقوال سے باہر نہ نکلے ورنہ اجماع سے خارج ہوگا۔ اجماع امت اور تواتر سے خارج ہو تو دین کہاں رہا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ سواد اعظم سے وابستہ رہو۔

اپنے شاندار ماضی سے کٹ کر اور سلف صالحین سے بے نیاز ہو کر جو عقائد تیار ہوں گے وہ خواہ کتنی ہی لفظی موشگافیاں ہوں۔ عقائد صحیح نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ بلکہ ان کی حیثیت تو یہ ہوگی:

"قال النبی ﷺ لحبر لیهو دی الذی یقال له مالک ابن الضیف هل تجد فی التوراة ان الله تعالٰی لیبغض الحبر السمین و کان سمین فغضب فقال ما انزل الله شیئاً علی بشر" (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۶۶)

حضور ﷺ نے یہودی عالم مالک ابن الضیف سے فرمایا کیا تورات میں تم پاتے ہو کہ اللہ تعالٰی لحیم و شحیم عالم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود موٹا تھا۔ غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ خدا نے کسی انسان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی۔

یعنی خدا کی کتاب میں ایک بات اپنی پسند کے خلاف نظر آئی تو کتاب الٰہی کا ہی انکار کر دیا۔ اسی طرح اگر اس امت کا کوئی "حبر سمین" اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی حدیث سے یہی سلوک کرے تو غضب الٰہی کا مستحق کیوں نہ ٹھہرے گا۔

تفسیر مظہری میں دوسرے مقام پر ایک حدیث بیان ہوئی کہ: "ان الله لیبغض الجسد السمین" اللہ تعالٰی موٹے جسم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (ایضاً ج ۳ ص ۲۴۷)

بہر حال دین کی اصل اور اس کے معتمد الیہ ناقلین کو نا قابل اعتماد قرار دینا ایک یہودیانہ حرکت ہے۔

جہاں تک اس کتاب کی تیسری خصوصیت کا تعلق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں۔ ہاں صالحیہ، کرامیہ، معتزلہ اور خوارج کے مسلکوں کی خوشہ چینی ہے اور ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی وہی کوشش ہے جو یہ باطل فرقے اپنے طور پر کرتے رہے۔ ایسی کوششوں کا پہلا نشانہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ ہوتے ہیں کہ کسی طرح سلف صالحین سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ یہ ایسی کامیاب کوشش ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دین کی من مانی تعبیر کرنے اور دین کو اپنی پسند کی شکل و صورت دینے میں صرف آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس راہ سے تمام موانع اٹھ جاتے ہیں۔ اس لئے باطل فرقوں میں ہمیشہ یہ قدر مشترک پائی جاتی رہی ہے کہ وہ ناقلین دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کو اپنی افتراء پردازیوں کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

ان حضرات نے اسی روش پر چل کر سلف صالحین کی دینی کاوشوں کی داد جس انداز میں دی ہے۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱...... شفاء الصدور میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ (ص ۹۰) پر یہ افتراء کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتی کے منکر ہیں اور شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کو کذاب لکھا ہے۔

۲...... شفاء کے (ص ۹۹) پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں لکھا ہے کہ ان کا مذہب ان کی احادیث منقولہ کے خلاف ہوتا ہے۔

۳...... شفاء کے (ص ۱۰۰) پر علامہ علی القاری ترجمان حنفیت کو غلط بیانی کرنے والا اور غیر معتبر لکھا ہے۔

۴...... (ص ۹۴) پر حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ کو مردود لکھا ہے۔ ان کا قول غیر معتبر لکھا ہے۔

۵...... (ص ۱۰۰) پر علامہ محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کے اس قول کو مردود لکھا ہے "ان الصحیح المعوّل علیہ انہ لتقبل وقت السلام عند الدعاء"

۶...... (ص ۹۷) پر اجلہ فقہاء، محدثین ومفسرین متکلمین کو فسادی لکھا ہے اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی کو مردود القول لکھا ہے۔

۷...... علامہ شامی ابن عابدین کے متعلق (ص ۱۰۱) پر لکھا ہے۔

"واما ابن عابدین فقد کان خلافا لمحمد بن عبدالوھاب النجدی ولم یراہ وانما قال ما قال فی شانہ کما سمع من افواہ الناس" اور ابن عابدین یعنی علامہ شامی، محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخالف تھے۔ حالاں کہ انہیں دیکھا نہ تھا۔ بس لوگوں کی زبانی سن کر النجدی کے خلاف کہتے رہے۔

یعنی حنفیوں کے نزدیک جس علامہ شامی کے فتاویٰ قول فیصل کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق ان "حنفیوں" کا کہنا یہ ہے کہ وہ بس افواہوں پر اعتبار کر کے النجدی کے خلاف کہتے رہے جو کہتے رہے۔ خود تحقیق نہیں کی۔ لہٰذا ان کی ثقاہت، دیانت معلوم؟

نبی ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:

"اما محمد بن عبدالوھاب النجدی فانہ کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ولا ینبغی ان یقتحم فی ھذا الوادی الا ان یکون متیقظا متیقناً عارفا بوجوہ الکفر واسبابہ"

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۷۱)

ابن عبدالوہاب نجدی ایک غبی آدمی تھا، معمولی علم رکھتا تھا۔ کفر کا فتویٰ دینے میں بڑی سرعت سے کام لیتا تھا۔ اس وادی میں قدم رکھنا اس کو زیبا ہے جو بڑا بیدار مغز ہو، کفر کے وجوہ واسباب کا حقیقی علم اور پوری معرفت رکھتا ہو اور اس شخص کی ذہانت اور بیدار مغزی کا عالم یہ تھا کہ: "کان یدق الھاون فی المسجد" (فیض الباری ج ۲ ص ۴۸)

اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر ہاون دستہ سے دوا کوٹتا تھا۔ یعنی "لاترفعوا اصواتکم" کی عملی تفسیر کرنے کی یہ صورت اختیار کی تھی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق (ج ۴ ص ۲۶۲) پر لکھا ہے:

"باب مطلب فی اتباع عبدالوھاب، الخوارج فی زماننا ما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحون مذھب الحنابلۃ ولکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اھل السنۃ وعلمائھم"

مطلب عبدالوہاب کے اتباع میں ہمارے زمانے میں خوارج ایسے ہی ہیں جیسے متبعین عبدالوہاب۔ جو نجد سے خارج ہوئے اور مکہ اور مدینہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اپنے آپ کو حنبلی مذہب سے منسوب کرتے تھے۔ لیکن ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اہلسنت مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھا اور علمائے اہلسنت کو قتل کیا۔

اس کے مقابلہ میں "ندائے حق" پارٹی کے ایک ممتاز فرد ملا شیخ حیدری نے اپنی کتاب "کشف الشبہات" کے مقدمہ میں محمد بن عبدالوہاب کے متعلق لکھا ہے:

"واختص الحرمين الشريفين وبلادالعرب الشيخ، القدوه، ناصرالسنة، قامع الشرك والبدعة الامام، الشيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب النجدى" حرمین شریفین اور ممالک عرب کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ کبیر سنت کے حامی، شرک اور بدعت کے قلع قمع کرنے والے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کو مختص فرمایا۔

اس تقابل سے واضح ہے کہ اس پارٹی کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتی ہے، مفتی اعظم احناف علامہ شامی سے کیوں کد ہے۔ ان کے بزعم خویش شیخ الاسلام کو علامہ شامی نے خارجی عقیدہ کا متبع قرار دیا تو انہیں علامہ شامی سے بغض کیوں نہ ہو؟ دیکھئے وہ وقت کب آتا ہے۔ جب ان کے قلم وزبان سے استاد الکل اور استاد الدنیا علامہ انور شاہ کاشمیری کے خلاف گوہر افشانی شروع ہوتی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے ان لوگوں کے شیخ الاسلام کو بلید اور قلیل العلم وغیرہ قرار دیا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کا ذکر ضمناً آ گیا تو ان کے متعلق مفتی حرمین شریفین شیخ الاسلام سید احمد بن زینی دحلانی کے خیالات سنئے۔ فرمایا: "واحرق دلائل الخيرات وغيرها من كتب الصلوٰة على النبى ﷺ وكان يمنع اتباعه من مطالعة كتب الفقه والتفسير والحديث واحرق كثيرمنها واذن لكل واحد من اتبعه ان يفسر القرآن بحسب فهمه وامرهم ان يعلموا ويحكموا بما يفهمونه وجعل ذالك مقدما على كتب العلم ونصوص العلماء ويقول ان الشريعة واحدة فما هؤلاء جعلوها مذاهب اربعة وخلاصة الكلام فكان قانون الحق والعدل عنده ما وافق يهواه وان خالف نصوص الشريعة واجماع الامة وضابطة الباطل عند مالم يوافق هواه وان كان على نص جلى واجتمعت الامة عليه۔ وكان اركان الدين خمسة عندالله وعند رسوله وعند جميع الائمة وجعل النجدى السادس عنده وهو من لم يتبعه فهو ليس بمسلم هذا عنده ركن سادس للاسلام وكان اتباعه يحملون الايات القرآنية التى نزلت فى كفار المشركين وجعلوها على المومنين المؤحدين والم يقبلوا من دين نبينا الاالقرآن يعؤلونه ويفسرونه على حسب مرادهم كما امرهم ابوهم محمدبن عبدالوهاب النجدى"

محمد بن عبدالوہاب نے دلائل الخیرات اور دوسری ایسی کتب جن میں فضائل درود تھے جلا دیں اور وہ اپنے پیروؤں کو فقہ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے منع کرتا تھا اور ایسی اکثر کتابیں اس نے جلا دیں اور اپنے ہر متبع کو حکم دے رکھا تھا کہ قرآن کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کیا کریں اور حکم دے رکھا تھا کہ قرآنی احکام کے متعلق فیصلے اور ان پر عمل اپنی سمجھ کے مطابق کیا کریں اور اس نے اپنی اس فاسد رائے کو علمی کتب اور نصوص علمائے ربانی سے مقدم سمجھ رکھا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت تو ایک ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ چار مذاہب بنا ڈالے۔

مختصر یہ کہ اس کے نزدیک حق وانصاف صرف وہی تھا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو۔ اگر چہ وہ بات شریعت کے خلاف اور اجماع امت کے برعکس ہو اور باطل یا بے انصافی اس کا نام تھا جو اس کی خواہش نفس کے خلاف ہو۔ اگر چہ اس کے لئے نص جلی موجود ہو اور امت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہو اور اللہ اور رسول کے نزدیک ارکان دین پانچ ہیں اور نجدی نے ایک چھٹا رکن بنایا۔ وہ یہ کہ جو شخص اس کی اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس کے متبعین نے قرآن کی ان آیات کو جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ وہ اہل ایمان پر چسپاں

کر دیں۔ دین کے ماخذوں میں سے صرف قرآن کے الفاظ قبول کئے۔ اس کی تاویل وتفسیر اپنی منشا اور اپنے مقصد کے مطابق کرنے لگے جیسا کہ ان کے شیخ محمد بن عبدالوہاب مجدی نے انہیں حکم دیا تھا۔

مفتی حرمین نے محمد بن عبدالوہاب کی شخصیت اور اس کی تعلیمات وعقائد کا جو تجزیہ کیا ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱...... محمد بن عبدالوہاب نے ایسی کتابیں جلا دیں، جن میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے فضائل درج تھے۔ یعنی حضور اکرم ﷺ کی ذات آپ کے مقام ومنصب سے اسے چڑ تھی۔

۲...... فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتا تھا۔

۳...... قرآن مجید کی تفسیر ہر شخص اپنے فہم کے مطابق کرے اور وہی تفسیر مستند ہوگی۔ قرآن فہمی کے لئے قرآن لانے والے یا اس کے شاگردوں سے استفادہ کرنا منع ہے۔

۴...... قرآن کے احکام کی تعمیل کی صورت معین کرنا ہر شخص کا اپنا کام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر ایک زائد کام یا فضل عبث کیا ہے۔

۵...... اپنے قول کو سند سمجھتا تھا کسی اہل علم کا قول اس کے نزدیک درخور اعتنا نہ تھا۔

۶...... حق وباطل کا فیصلہ اللہ ورسول، کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں کرنا چاہئے بلکہ حق وہی ہے جسے وہ حق سمجھے اور باطل وہ ہے جسے وہ باطل قرار دے۔

۷...... مسلمان ہونے کے لئے اقرار شہادتین یا ارکان خمسہ پر ایمان کافی نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ آدمی اس کا اتباع کرے یعنی اپنے آپ کو رسالت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

۸...... قرآن کریم کو اس نے بازیچہ اطفال تو بنا یا ہی تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کیا کہ جو آیات کفار ومشرکین کے متعلق نازل ہوئی تھیں وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے اپنے مخالفین کو بے دریغ کافر قرار دینے کا مشغلہ اختیار کر لیا۔

۹...... حدیث رسول کو ماخذ شریعت اور شارح کتاب الٰہی کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ القرآن پارٹی نے ''شیخ الاسلام'' (مجدی) کو روشنی کا مینار کیوں قرار دیا۔ گزشتہ صفحات میں شیخ القرآن پارٹی کے عقائد اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ اسی چراغ سے یہ چراغ روشن ہوا ہے۔ مثلاً:

۱...... شیخ القرآن پارٹی نے ''حیات النبی'' کے مسئلہ کی آڑ میں حضور اکرم ﷺ کے متعلق جو عقائد پھیلائے وہ شیخ الاسلام کی ذہنیت کی جھلک ہے۔

۲...... کسی مفسر کا قول ان کے نزدیک قابل قبول تو کیا قابل توجہ بھی نہیں، البتہ اپنی تفسیر خواہ تحریف ہی ہو وہی سند ہے۔

۳...... حق وباطل کا معیار بھی وہ شیخ الاسلامی ہے۔ اپنی منشاء اور پسند کے خلاف کوئی آیت نظر آئی تو اس کی تحریف کر دی۔ کوئی حدیث سامنے آئی تو اسے ضعیف کہہ کر رد کر دیا۔

۴...... شیخ القرآن پارٹی نے مذاہب اربعہ کا انکار نہیں کیا بلکہ اہلسنت والجماعت اور حنفی ہونے کا دعویٰ کیا اور لطف یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تک ہر شخص کو نا قابل اعتماد بھی قرار دیا اور ان کی حنفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

۵...... شیخ الاسلام (مہدی) کی تقلید میں قرآن کی وہ آیات جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے انہیں بے دریغ کافر قرار دینے کی مہم شروع کر دی۔

۶...... ان کے اس شغل تکفیر کی زد سے ان کے اساتذہ اور مشائخ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

۷...... ان کے نزدیک مسلمان ہونے کی سند صرف یہ ٹھہری کہ ان کی پارٹی کا رکن ہو تو مسلمان ورنہ مشرک۔

ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ القرآن پارٹی کا دیو بند کے فقہی مکتب فکر سے وابستہ ہونے کا دعویٰ اور حنفی مسلک کا پیرو ہونے کی یقین دہانی خود فریبی یا ابلہ فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔ اصل میں ان کے عقائد اور اعمال شیخ الاسلام کے واسطے سے خوارج سے ماخوذ ہیں۔

دینی عقائد و اعمال کے متعلق خوارج نے جو رویہ اختیار کیا وہ ان کی خصوصیت اور ان کی تحریک کا شعار بن گیا۔ چنانچہ ان کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔

۱...... اس امر کا دعویٰ کرنا کہ دین کا ماخذ صرف قرآن ہے، یعنی حضور اکرم ﷺ کی باقی تینوں حیثیتوں یعنی تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا انکار ہے۔

"عن علیؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یأتی فی آخر الزمان قوم حدیث الاسنان سفھا الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ" حضرت علی ﷜ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ آخری زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان اور احمق ہوں گے اور قرآن پاک پکاریں گے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ باب قتل الخوارج، اور ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۶)

"عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال ینشؤ نشؤ یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیھم کلما خرج قرن قطع قال، ابن عمر سمعت رسول اللہ ﷺ کلما خرج قرن قطع اکثر من عشرین مرۃ حتی یخرج فی اعراضھم الدجال" ابن عمر ﷜ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایک جماعت پیدا ہوگی وہ قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا (یعنی قرآن کے الفاظ کے متعلق موشگافیاں کریں گے۔) مگر عملی لحاظ سے بدکار ہوں گے۔ جب یہ فرقہ سر اٹھائے گا، اس کی جڑ کاٹی جائے گی۔ پھر ابن عمر ﷜ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ بیس مرتبہ سے زیادہ ان کی جڑ کاٹی جائے گی۔ ان سے دجال بھی ہوگا۔

"شیخ الاسلام" نے اپنے پیروؤں کو یہی تلقین کی تھی کہ بس اپنے فہم کے مطابق قرآن کی تفسیر کرو "شیخ القرآن" پارٹی بھی تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے سلسلے میں حدیث سے بے نیاز ہوگئی۔ صاف انکار کرنے کی بجائے فنکاری سے کام لیا گیا کہ جب کوئی حدیث پیش کی گئی۔ اسے ضعیف موضوع نا قابل اعتماد کہہ کے ٹھکرا دیا۔ چوہدری غلام احمد پرویز صاحب نے اس میں ایک آسانی پیدا کر دی کہ حدیث تو عجمی سازش ہے۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے کرو یا چوہدری صاحب کی بصیرت سے رہنمائی حاصل کرو۔

۲...... مشکوۃ میں باب ذکر الیمن میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ نجد کے حق میں بھی کچھ فرمائیں:

"قال و فی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة هناک الزلازل و الفتن و بها یطلع قرن الشیطان" عرض کیا ہمارے مجد کے لئے بھی برکت کی دعا فرمائیں تو روای کہتا ہے میرا خیال ہے کہ تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا مجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، وہاں شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس کی شرح یوں لکھی ہے: "وهی تزلزل القلوب و اضطرب اهلها و الفتن البلیات و المحن الموجب لضعف الدین و قلة الدیانة و لا یناسبه دعوة البرکة و یطلع قرن الشیطان ای حزبه و اهل وقته و زمانه و اعوانه" دلوں کی دنیا متزلزل ہو جائے گی۔ وہاں کے باشندے اضطراب اور بے چینی کا شکار ہوں گے اور فتنے وہ مصائب ہیں جن سے دین میں ضعف آجائے گا۔ دیانت میں کمی آجائے گی۔ اس لئے دعا مناسب نہ تھی اور شیطان کے سینگ سے مراد اس تحریک کے اعوان وانصار ہیں۔

اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ واقعی مجد سے فتنہ اٹھا جس نے دین کو اور کلام الٰہی کو بازیچۂ اطفال بنادیا اور مخلوق کا تو ذکر ہی کیا۔ خالق کے ساتھ پرلے درجے کی بددیانتی کا رویہ اختیار کیا گیا۔

۳...... (بخاری فیض الباری ج ۴ ص ۴۷۵ باب قتل الخوارج والملحدین وزنادقہ) میں کچھ تفصیل دی گئی ہے:

"و کان مالک یفتی بکفر الخوارج و الملحدون هم الذین یؤلون فی ضروریات الدین لاجراء هوائهم" اور امام مالک کا فیصلہ یہ ہے کہ خارجی کافر ہیں اور ملحد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں تاویل کرتے ہیں تاکہ اپنی خواہشات کو رائج کر سکیں۔

اور (ج ۴ ص ۴۷۶) پر ہے: "و الزنادیق: قلت و الزندیق من یحرف فی معانی الالفاظ مع بقاء الالفاظ الاسلام فهذا اللعین فی القادیان یدعی انه یؤمن بختم النبوة ثم یخترع له معنی من عنده یصلح له بعد الختم دلیلاً علی فتح باب النبوة فهذا هو الزندقة حقاً ای التغیر فی المصادیق و تبدیل المعنی علی خلاف ما عرفت عند اهل الشرع و صرفها الی اهوائه مع بقاء اللفظ علی ظاهره"

میں کہتا ہوں زندیق وہ ہے جو الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی میں تحریف کرے۔ پس قادیانی ملعون دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا ختم نبوت پر ایمان ہے۔ پھر اپنے پاس سے اس لفظ کے ایسے معنی اختراع کرتا ہے کہ اجرائے نبوت کا مفہوم نکل سکے اور باب نبوت کے کھلا رہنے کی دلیل بن سکے۔ یہی حقیقی زندقہ ہے۔ یعنی قرآن کے معانی مصداق میں تبدیلی پیدا کر دی جائے۔ ایسی تبدیلی جو شریعت کے مسلمہ حقائق کے بالکل خلاف ہو اور الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی کو اپنی خواہش نفسانی کے مطابق بنانا ہی زندقہ ہے۔

یعنی خوارج کی عادت ہے کہ الفاظ قرآن کو علیٰ حالہا قائم رہنے دیتے ہیں۔ مگر ان کے معانی میں ایسے پیچ ڈالتے ہیں کہ ان کے مختر عہ اور موہومہ عقائد کی تائید ہونے لگے۔ خواہ وہ معانی اہل شرع کے مسلمہ اور متفقہ حقائق کے بالکل برعکس ہوں۔

۴...... (بخاری مع فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۳) "کان ابن عمر یراهم شرار خلق الله و قال انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین و قال ایضاً اعلم ان علامتهم انهم یطبقون الآیات الواردة فی الاصنام علی اولیاء الله کما هو یحملون الآیات التی نزلت فی الکفار علی المؤمنین الموحدین فی زماننا هذا" ابن عمر رضی اللہ عنہ

خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ لوگ ان آیات کو مومنوں پر منطبق کرتے ہیں اور فرمایا ان کی بڑی علامت یہ ہے کہ جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ انھیں اولیاء اللہ پر منطبق کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں کفار کے متعلق نازل شدہ آیات کو ایسے لوگ اہل توحید مومنوں پر کرتے ہیں۔

اور (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۲) "عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج انہ سأل نافعا کیف کان رأی ابن عمر فی الحروریۃ قال کان یراھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین" بکیر بن عبداللہ بن اشج نے حضرت نافع سے پوچھا کہ ابن عمر کا خارجیوں کے متعلق کیا خیال تھا۔ جواب دیا کہ ابن عمر انھیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ کیونکہ جو آیات قرآنی کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان کا مصداق اہل ایمان کو ٹھہراتے ہیں۔

اور (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۹۶) "عن حذیفۃ ان النبی ﷺ قال ان فی امتی قوما یقرؤن القرآن ینشرونہ نثر الدقل یتأولونہ علی غیر تاویلہ" حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم ہوگی جو قرآن کے الفاظ منہ سے یوں پھینکے گی جیسے خستہ خرما پھینکا جاتا ہے اور وہ لوگ قرآن کے الفاظ کو اپنے اصلی معنی سے پھیر دیں گے۔

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب الصارم میں خارجی کی تعریف یوں کرتے ہیں: "ما کان من دینھم ھو وضع القرآن فی غیر موضعہ قال تعالٰی یلوٗون السنتھم بہ ای یحرفون معانیہ وتاویلہ وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ تعالٰی وقال انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین وھو وضع القرآن فی غیر موضعہ والتاویل فی غیر محلہ وقد قال اللہ تعالٰی وانّ منھم لفریق یلوون السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وماھو من الکتاب وقال تعالٰی ان الذین یلحدون فی أیاتنا قال ابن عباس یضعون الکلام فی غیر موضعہ"

خارجیوں کی عادت تھی کہ قرآن کریم کو اپنے اصل معانی سے پھیر دیتے ہیں۔ جس طرح یہودی زبان کو بل دے کر تورات پڑھتے تھے کہ لوگ سمجھیں تورات کے الفاظ ہیں۔ تحریف معنوی بھی کرتے اور غلط تاویل کرتے تھے اور ابن عمر خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق کہا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ قرآن کی ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اہل ایمان پر چسپاں کرتے ہیں اور یہ قرآن کو اپنے معنی سے پھیرنا ہے اور بے محل تاویل ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان یہودیوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو بل دے کر پڑھتے تھے تا کہ لوگ سمجھیں یہ بھی کتاب الٰہی ہے۔ حالانکہ وہ کتاب الٰہی کے الفاظ نہ ہوتے تھے اور فرمایا وہ لوگ جو میری آیات میں کجی پیدا کرتے ہیں اور ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ وہ قرآن کو اپنے محل سے ہٹا رکھتے تھے۔

"قلت دخل دینہ غلاۃ الموحدین والروافض والقادیانی والپرویزی" میں کہتا ہوں اس میں حال کے غالی "موحدین" روافض قادیانی اور پرویزی داخل ہیں۔

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... ملحد وہ ہے جو ضروریات دین میں تاویل کرے اور ایسی تاویل بمنزلہ انکار کے ہے اور ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔

۲...... زندیق وہ ہے جو آیات قرآن کو اپنے محل اور مصداق سے ہٹا کر دوسرے محل میں رکھے۔ جیسے قرآن کی آیات جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ انہیں اولیاء اللہ اور پیشوایان دین پر چسپاں کرنا اور یہ کہنا کہ یہ پیروں کے حق میں ہیں۔ حالانکہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ اولیاء کو کہاں مانتے تھے اور ان کا عقیدہ جب یہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے جس کو مس کرتی ہے اس کو بھی معدوم کر دیتی ہے اور اعادہ معدوم محال ہے۔ لہٰذا قیامت کا انکار کیا۔ اس لئے قبور پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳...... خارجی کی علامت یہ ہے کہ جو آیات قرآنی کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا اور کہنا کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

اب آپ عقائد کا جائزہ لیں جو ندائے حق یا شفاء الصدور وغیرہ کتابوں میں شیخ القرآن پارٹی نے بیان کئے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہیں گے کہ یہ عقائد خوارج سے لئے گئے ہیں اور ان میں الحاد اور زندقہ کی حقیقی روح پائی جاتی ہے اور یہ موحد، حنفی اور دیوبندی ہونے کا دعویٰ خود فریبی اور خدا فریبی کے علاوہ کچھ نہیں۔ عنوان اور اوصاف، صورت اور حقیقت ظاہر اور باطن میں اتنا بڑا تضاد بہت بڑی علمی اور اعتقادی بددیانتی ہے اور کتاب الٰہی کے الفاظ میں اپنے پسند کے معنی داخل کرنا اور اس کی آیات کا محل اور مصداق اپنی خواہش کے مطابق متعین کرنا۔ تحریف قرآن کی مہلک ترین قسم ہے اور لطف یہ کہ اسے تفسیر کے نام سے پیش کر کے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنا بہت بڑی جرأت ہے۔

برزخ کیا ہے؟

"قال اللہ تعالٰی حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلّی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں ہرگز نہیں۔ یہ ایک ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے، قیامت کے دن تک۔ (المومنون:۹۹، ۱۰۰)

لغوی تحقیق

۱...... "البرزخ، الحاجز والحد بین الشیئین۔" برزخ حجاب حاجز اور حد بندی ہے۔ دو چیزوں کے درمیان۔ (مفردات امام راغب ص ۴۲)

۲...... برزخ: بازداشت میان۔ برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے۔

دو چیز: "وتقال ما بین الدنیا والأخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ" برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لے کر حشر تک ہے۔ پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔ (صراح علامہ ابوالفضل محمد بن عمر القرشی)

فائدہ: برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور عقل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

برزخ کا تفصیلی بیان

علامہ سیوطی (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۲۷) میں برزخ کی تشریح یوں فرماتے ہیں: "البرزخ علی ثلاثۃ

انقسام مکان و زمان و حال فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء و من القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء و اما الزمان فھو مدۃ بقاء الخلق فیہ من اوّل من مات او یموت من الجن و الانس الی یوم یبعثون و اما الحال فاما منعمۃ و اما معذبۃ او محبوسۃ حتی فتخلص بالسوال من الملکین الفتانین'' برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے۔ مکان، زمان اور حال۔ پس مکان، قبر سے علیین تک جسے نیک روحیں آباد کرتی ہیں اور قبر سے سجین تک جسے بدکار لوگوں کی روحیں آباد کرتی ہیں اور زمان، اس میں مخلوق کی بقاء کی مدت ہے جو کسی جن یا انسان کے مرنے سے شروع ہو کر اس وقت تک ہے جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور وہاں حال تو یا وہ انعام یافتہ ہوگا یا معذب ہوگا یا محبوس ہوگا حتی کہ سوال و جواب نکیرین سے خلاصی پائے۔

فائدہ: مکان برزخ قبر سے علیین اور قبر سے سجین تک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علیین اور سجین کی ابتداء قبر سے ہوتی ہے اور قبر کا گڑھا علیین یا سجین کی حدود میں داخل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق جب قبر پر جا کر السلام علیکم کہا جاتا ہے تو روح اسے کیسے سنتی ہے جب کہ وہ علیین یا سجین میں ہے اور قبر خالی ہے۔ بلکہ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قبر ہی تو علیین یا سجین کا نقطۂ آغاز ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ روح کے ادراکات بعد موت بہت تیز اور وسیع ہو جاتے ہیں تو مذکورہ بالا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے میت پر انعام یا عذاب برزخ میں ہی شروع ہو جاتا ہے اور وہ اسی وسیع مکان میں ہوتا ہے جو علیین یا سجین کہلاتا ہے اور جو قبر سے شروع ہوتا ہے۔ یہی حقیقت حضرت ابوسعید کی حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ: ''قال رسول اللہ ﷺ انما القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار'' فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ قبر بجز اس کے نہیں کہ یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۸)

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲) ''والحاصل ان شیئاً من العذاب یبداء من القبر ثم یتم العذاب عند دخولہ فی جھنم کما قال تعالٰی و یوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشدّ العذاب و کما قال تعالٰی (۲) اغرقوا فادخلوا ناراً''

قبر سے کیا مراد ہے

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی روشنی میں ہی اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے لغت نے اس کا مفہوم کیا بیان کیا ہے۔ قرآنی آیات میں اس لفظ کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے۔

صراح: قبر، گور و در گور کردن مقبرہ بالفتح والضم گورستان قولہ تعالٰی ''ثم اماتہ فاقبرہ ای جعلہ ممن یقبر ولم یجعلہ مما یلقی للکلاب و کان القبر مما اکرم بہ بنو ادم'' قبر کے معنی گڑھا اور گڑھے میں دفن کرنا ہے اور مقبرہ بہ فتح میم یا بہ ضم میم قبرستان، فرمان باری تعالٰی ہے پھر مار اس کو پھر دفن کیا اس کو یعنی اسے ان لوگوں سے کیا جن کو دفن کیا جاتا ہے اور ان لوگوں میں سے نہ کیا جنھیں کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے اور وہ قبر وہ مکان ہے جس سے بنی آدم کو عزت بخشی گئی۔

مفردات: ''القبر مقر المیت و مصدر، قبرته جعلته فی القبر و اقبرته جعلت له مکانا یقبر فیه نحو استقیته جعلت له ما یسقی منه قال اللہ تعالٰی ثم اماته فاقبرہ قیل معناہ الھم کیف یدفن و المقبرۃ و المقبرۃ موضع القبور و جمعھا مقابر'' قبر میت کے قرار کی جگہ ہے اس کا مصدر ہے اور قبرتہ کے معنی میں نے اسے قبر میں دفن کیا اور اقبرتہ کے معنی میں نے اس کے لئے مکان بنایا۔ جس میں اسے دفن کیا جائے۔ جیسے مقولہ عرب ہے۔ استقیتہٗ میں نے اسے پانی پلایا کے معنی ہیں میں نے اس کے لئے پانی کی جگہ بنائی۔ فرمان باری تعالیٰ ''ثم اماته فاقبرہ'' (عبس: ۲۱) اس کے معنی ہیں میں نے انسان کو الہام کیا کہ کیسے دفن کرے اور مقبرہ قبروں کی جگہ ہے اور اس کی جمع مقابر ہے۔

ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جو کھودا جاتا ہے اور اس میں جسد عنصری کو دفن کیا جاتا ہے۔

مفسرین کے نزدیک قبر کا مفہوم

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں ''ثم اماته فاقبرہ'' کے تحت فرماتے ہیں: ''فلم یقل فقبرہ لان القابر ھو الدافن بیدہ و المقبر ھو اللہ تعالٰی یقال قبر المیت اذا دفنه و اقبر المیت اذا امر غیرہ بان یجعله فی القبر'' اللہ تعالیٰ نے فقبرہ نہیں فرمایا بلکہ فاقبرہ فرمایا کیوں کہ قابر وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور مقبر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہا جاتا ہے، قبر المیت جب میت کو دفن کرے اور اقبر المیت اس وقت کہا جاتا ہے جب دوسرے کو دفن کرنے کا حکم کرے۔

صاحب روح المعانی (ج ۳۰ ص ۴۴) میں فرماتے ہیں: ''قال تعالٰی ثم اماته فاقبرہ ای جعله ذاقبر ہ توارى فیه جیفته تکرمة له ولم یجعله مطروحا علی الارض یستقذر من یراہ وتقسمه السباع و الطیر اذا ظفرت به کسائر الحیوان یقال لقبر المیت اذا دفنه بیدہ وقبرہ اذا امر بدفنه'' فرمان باری تعالیٰ ہے ثم اماتہ فاقبرہ یعنی اس کو صاحب قبر کیا۔ جس میں میت کی نعش کو چھپا دیا جاتا ہے۔ اس کے اکرام کی خاطر اور اسے زمین پر نہیں پھینک دیا گیا کہ جو دیکھے برا محسوس کرے اور پرندے اور درندے جب اسے پائیں تو اسے نوچ نوچ کر کھائیں۔ جیسا کہ دوسرے حیوانوں سے کرتے ہیں۔ قبر المیت اس وقت کہا جاتا ہے جب اسے اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اقبرہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اسے دفن کرنے کا حکم کرے۔

ان مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ بیان فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں ایک میت کسی زندہ انسان کے ہاتھوں دفن کیا جاتا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر عزیزی نے جس انداز سے بحث کی ہے۔ اس سے کئی اور اشکال بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ فافھم و تدبر!

''قال تعالٰی ثم اماته فاقبرہ'' (عبس: ۲۱)

دور دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمام یکجا میباشد علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال می ماند و توجہ روح بزائرین و مستانسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہائے و تلاوت قرآن مجید چوں در آں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع میشود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکن برائے روح ساختن۔ بنا بریں است کہ از اولیائے مدفونین و دیگر صلحا مومنین انتفاع و استفادہ جاری است۔ (تفسیر عزیزی ص ۵۰)

دفن کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب بدن کے اجزاء تمام یکجا ہوں گے تو بدن سے روح کا تعلق کامل ہوگا اور سارے بدن سے ہوگا اور وہ زائرین اور انس رکھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف روح سہولت سے متوجہ ہوگی کیوں کہ بدن کے مقام کے تعین سے روح کا مکان بھی متعین ہوگا اور اس دنیا سے ملاقات، فاتحہ اور تلاوت قرآن کا ثواب بدن کے مدفن میں پہنچے گا تو خوب نافع ہوگا۔ اس لئے بدن کو جلانا گویا روح کو بے گھر کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لئے ایک مسکن بنانا ہے۔ اسی بناء پر ان اولیائے کرام اور صالح مؤمنین سے نفع اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے جو دفن کئے گئے۔

(بخاری باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر ؓ) "قول اللہ عزوجل فاقبرہ اقبرت الرجل اذ جعلت لہ قبراً وقبرتہ دفنتہ کفاتا یکونون فیھا احیاء ویدفنون فیھا امواتا" اور بخاری میں ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے فاقبرہ اقبرت الرجل کے معنی ہیں جب تو نے اس کے لئے قبر بنائی اور قبرتہ کے معنی تو نے اس کو دفن کیا اور کفاتا یعنی زندگی میں اس میں آباد ہوں گے اور بعد موت اسی زمین میں دفن ہوں گے۔ ثم اماتہ فاقبرہ: یعنی انسان کو اس مخلوق سے بنایا جسے دفن کیا جاتا ہے اور ان میں سے نہیں بنایا جنہیں یوں ہی پھینک دیا جاتا ہے کہ اسے کتے کھاتے رہیں اور فرمان باری تعالیٰ الم نجعل الارض کفاتاً احیاء وامواتا یعنی ہم نے زمین کو سمیٹنے والی اس طرح بنایا کہ زندگی میں اس پر رہیں اور بعد موت اسی میں دفن کئے جائیں۔ (المرسلات:۲۵، ۲۶)

فائدہ: ان اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ زمین جس پر انسان زندگی گزارتا ہے بعد موت اسی میں دفن کیا جاتا ہے اور جس گڑھے میں اسے دفن کیا جاتا ہے اسی کو قبر کہتے ہیں اور میت کو درندوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لئے قبر میں ہی چھپا دیا جاتا ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے مسطح، مربع، عمیق اسی قبر کی صفات ہیں۔ سجین وعلیین تو غیر محسوس اور قدرت انسانی سے باہر ہیں۔ وہاں میت کو دفن کرنے کون جاتا ہے۔

"قال تعالٰی ولاتقم علی قبرہ والمراد ولاتقف عند قبرہ للدفن والزیارۃ والقبر فی المشھور مدفن المیت ویکون بمعنی الدفن" فرمان باری تعالیٰ ہے ولاتقم علیٰ قبرہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کی قبر کے پاس دفن کرنے یا زیارت کرنے کے لئے مت کھڑے ہوں۔ قبر کا مفہوم مشہور ہے کہ میت کو دفن کرنے کی جگہ اور دفن کرنے کے معنی بھی ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۳۸)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مخاطب کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس کی قبر کے پاس مت کھڑے ہوں۔ اگر قبر سے مراد زمینی گڑھا نہ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مخاطب کو حکم ہو رہا ہے کہ سجین کے پاس کھڑے نہ ہوں پھر اس حکم کی تعمیل کیونکر ہوئی۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ ان میں خواہ کوئی کتنا ہیر پھیر یا تاویل کرلے بات بنتی نہیں۔ ہاں تحریف قرآن کا مرتکب ضرور ہوگا۔

(۱) "ثم اماتہ فاقبرہ" (عبس:۲۱)، (۲) "ولاتقم علیٰ قبرہ" (توبہ:۸۴)، (۳) "وان اللہ یبعث من فی القبور" (الحج:۷)، (۴) "وما انت بمسمع من فی القبور" (فاطر:۲۲)، (۵) "کما یئس الکفار من اصحاب القبور" (الممتحنۃ:۱۳)، "حتی زرتم المقابر" (التکاثر:۲)، (۷) "افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور" (العدیات:۹)، (۸) "واذا القبور بعثرت" (انفطار:۴)

اس دور کا کوئی مفسر قرآن اگر ان آیات کی تفسیر اس انداز سے کرے کہ قبر کرۂ زمین سے نابود ہو کر علیین یا سجین پر پہنچ جائے تو ان صاحب کی جرأت کی داد دینی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔

فائدہ: جو لوگ بشریت انبیاء کا انکار کرتے ہیں، ان پر فتویٰ لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ جن میں بشریت انبیاء صاف صاف مذکور ہے اچھا ذرا یہ تو بتائیں کہ جو لوگ اس گڑھے کو قبر نہیں کہتے بلکہ قبر علیین سجین کو کہتے ہیں۔ وہ ان مذکورہ آیات قرآنی کے منکر نہیں؟ کیا وہی فتویٰ ان پر عائد نہیں آتا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار (الحشر:۲)!

احادیث نبوی میں قبر کا مفہوم

۱...... "عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ فی مرضه الذی لم یقم منه لعن اللہ الیهود و النصاری اتخذوا قبور انبیاءهم و صالحیهم مساجد" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۵)

ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صلحا کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

۲...... "عن القاسم قال دخلت علی عائشة فقلت یا امة اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ و صاحبیه فکشف لی عن ثلاثة قبور" حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور کہا اماں جان مجھے حضور ﷺ کی قبر اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھائیے تو ام المؤمنین نے مجھے، تین قبریں دکھائیں۔ (ابوداؤد ص ۱۹۲)

ظاہر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سائل کو علیین پر کیوں کر لے گئیں۔

۳...... "نهی (رسول اللہ ﷺ) ان یقعد علی القبر و ان یجصص و یبنی علیه" نبی کریم ﷺ نے قبر پر بیٹھنے اور اسے پختہ کرنے اس پر مقبرہ بنانے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد باب بناء علی القبور)

قبر پر بیٹھنا اسے چونے گچ کرنا یا اس پر قبہ بنانا کوئی علیین کے متعلق تو ہے نہیں کہ حضور ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہو۔

۴...... "ان النبی ﷺ قال یوم احد احفروا و اوسعوا و اعمقوا و احسنوا و ادفنوا الاثنین و ثلاثة فی قبر واحد" حضور اکرم ﷺ نے احد کے دن فرمایا کہ قبریں کھودو کشادہ اور گہری بناؤ اور خوبصورت کھودو اور ایک ایک قبر میں دو دو تین تین میت دفن کرو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

حضور اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی گئی کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ علیین میں گئے، وہاں قبریں کھودیں وسیع اور گہرا کیا اور وہیں جا کر شہداء کو دفن کیا۔

۵...... ''عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا دخل المیت القبر قال بسم اللہ و باللہ و علی ملة رسول اللہ (ﷺ)'' ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب میت کو قبر میں داخل کرتے تو بسم اللہ و باللہ و علی ملة رسول اللہ پڑھ کر داخل کرتے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

۶...... ''ان النبی ﷺ حثی علی المیت ثلاث حثیات بیدیه جمیعا و انه رش علی قبر ابنه ابراهیم و وضع علیه حصباء'' حضور اکرم ﷺ میت کی قبر پر تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے اور حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ (مشکوٰۃ)

۷...... ''عن ابی هریرة ان رسول اللہ ﷺ صلی علی جنازة ثم اتی القبر فحثی علیه قبل راسه ثلاثا'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

۸...... ''عن انس قال شهدنا بنت رسول اللہ ﷺ تدفن و رسول اللہ ﷺ جالس علی القبر فرایت عینیه تدمعان فقال هل فیکم من احد لم یقارف اللیلة فقال ابو طلحة انا، قال فانزل فی قبرها فنزل فی قبرها'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور قبر پر بیٹھے تھے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات اقتراف مع المرأة نہ کیا ہو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں ہوں فرمایا اس کی قبر میں اتر جا۔ پھر وہ بنت رسول ﷺ کی قبر میں اترے۔ (مشکوٰۃ)

۹...... ''عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکئا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر'' عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا تو فرمایا کہ صاحب قبر کو ایذا نہ دو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

ان احادیث کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے اور جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرام حضور ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہوسکتی ہیں۔ علیین میں مٹی ڈالنے کون جاتا ہے اور کون دیکھتا ہے جس قبر میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اترنے کا حکم دیا گیا اور وہ اترے اور صحابہ نے دیکھا۔ بھلا کوئی سمجھے اور باور کرے کہ وہ قبر علیین میں تھی اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ جس قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ اس کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ علیین میں تھی اور عمر بن حزم رحمہ اللہ وہاں جا کر قبر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

۱۰...... ''عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجلسوا علی القبور و لا تقبلوا الیها'' ابومرثد الغنوی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قبر پر نہ بیٹھا کرو اور نہ اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھا کرو۔ (مشکوٰۃ)

حضور ﷺ کا یہ عمومی حکم اگر ان قبروں کے متعلق دیا گیا جو علیین میں ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس دور میں عوام آزادانہ اور بے تکلفی سے علیین میں جاتے قبروں پر بیٹھتے اور ان کے سامنے کو ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

۱۱...... ''وعن ابی سعید فاکثروا ذکر هاذم اللذات الموت فانه لم یأت علی القبر یوم الا تکلم فیقول انا بیت الغربة و انا بیت الوحدة و انا بیت التراب و انا بیت الدود و اذا دفن العبد المؤمن قال القبر مرحبا و اهلا اما ان کنت لاحب من یمشی علی ظهری الیّ فاذا ولیتک الیوم و صرت الیٰ فستری ضیعی بک قال فتسع له مد بصره و یفتح له باب الی الجنة'' فرمایا حضور ﷺ نے کہ لذتوں کو مٹا دینے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی

ایسا دن نہیں گزرتا مگر وہ کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں اور میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں کا گھر ہوں اور جب مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے خوش آمدید، میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا آج جب تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس آچکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہوں۔فرمایا کہ قبر اس کے لئے حد نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۷)

کیا یہ پکار اس قبر کی ہو سکتی ہے جو علیین میں بتائی جاتی ہے کیا وہی علیین والی قبر کہہ رہی ہے میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں کیا علیین میں بھی مٹی اور کیڑے ہوتے ہیں۔عبد مومن کیا اسی قبر کی پیٹھ پر چلتا تھا جو علیین میں بنی ہوئی ہے۔

۱۲...... ’’واذا دفن العبد الفاجر او الکافر قال له القبر لا مرحبا والا اهلاً اما ان کنت لابغض من يمشی علی ظهری الیّ فاذا ولیتک اليوم وصرت الیّ فستری ضیعی قال فیلتئم علیه حتی تختلف اضلاعه الخ‘‘ اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو اسے قبر کہتی ہے تجھ پر پھٹکار ہو میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔آج جو تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس پہنچ چکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔فرمایا پھر قبر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں چور ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۷)

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قبر تو سجین یا علیین میں ہوتی ہے تو کوئی فاجر یا کافر اس دنیوی زندگی میں اس کی پشت پر کیسے چلا کرتا تھا۔مومن ہوں یا کافر چلتے تو زمین پر ہیں اور اسی زمین میں دفن ہوتے ہیں یا زمین میں ہی ان کے اجزا مل جاتے ہیں۔اس لئے قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور زبان رسالت سے قبر کا لفظ اسی گڑھے کے لئے بولا گیا ہے جو اس زمین میں کھودی جاتی ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔

تمام احادیث سے جو فرمان رسول خدا ﷺ ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں اس جسم کو ثواب عذاب ہوتا ہے جو دنیائے عالم میں زمین پر چلتا تھا اور اعمال صالحہ اور غیر صالح کرتا تھا۔جسم مثالی کے عذاب کا قصہ خلاف حدیث رسول ﷺ اور غلط ہے۔جسم مثالی نہ دنیا کی زمین پر چلا۔

ثواب وعذاب قبر اور سوال وجواب نکیرین کا محل

ذخیرہ احادیث نبوی میں عنوان بالا کے متعلق کثرت سے احادیث موجود ہیں۔چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں تا کہ یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے کہ قبر سے زمین میں محفورہ گڑھا مراد ہے یا علیین وسجین ہے؟

۱...... ’’عن عثمان بن عفان قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم واسئلوا له بالتثبیت فانه الان یسأل‘‘ حضرت عثمان ﷛ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کیوں کہ اس وقت اس سے سوال وجواب ہو رہے ہیں۔

حضور ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ بعد دفن میت کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اب اس سے سوال وجواب ہو رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں۔جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

۲...... حضرت جابر ﷛ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ﷛ بن معاذ کی وفات پر ہم لوگ جنازہ کے لئے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ گئے ’’فلما صلی علیه رسول الله ﷺ ووضع فی قبره وسوی علیه سبح رسول الله فسبحنا طویلا ثم

کبر فکبرنا فقیل یارسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ" جب حضور ﷺ نے (حضرت سعد کی) نماز جنازہ پڑھ لی اور انہیں قبر میں اتارا گیا اور مٹی ڈال دی گئی تو حضور ﷺ نے تسبیح پڑھی۔ ہم بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر پڑھی ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ عرض کیا گیا رسول اللہ! آپ نے کیوں تسبیح پڑھی، پھر تکبیر پڑھی۔ فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فراخی پیدا کر دی۔

وضع فی القبر، تسویہ قبر، تنگ ہونا، پھر فراخ ہونا، جس قبر کے متعلق ہے وہ یہی گڑھا ہے۔ علیین میں وضع اور تسویہ وغیرہ کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۳...... "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل الخ" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے لوٹتے ہیں اور وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آجاتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تو اس شخص (حضور اکرم) کے متعلق کیا کہتا تھا۔

۴...... "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر والاخر النکیر فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل الخ" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے سیاہ فام زرد آنکھوں والے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔

۵...... "عن براء بن عاذب عن رسول اللہ ﷺ قال یاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک الخ" حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (قبر میں میت کے پاس) دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ الخ

میت کو قبر میں رکھنا، نکیرین کا آنا، میت کو بٹھانا اور سوالات کرنا یہ سب اس قبر کی صفات ہیں جو زمین میں کھودی جاتی ہے اور اس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے نہ تو علیین میں اسے دفن کیا جاتا ہے اور نہ وہاں اسے پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

۶...... حضرت عمرو بن عاص نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ "فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استأنس لکم واعلم ما اذا ارجع بہ رسل ربی" حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب مجھے دفن کر کے مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔[1] (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

---

[1] عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت اپنے بیٹوں کو کرنی کہ میرے گرداگرد کھڑے ہونا۔ بیٹے جس جسم کے بیٹے تھے اسی جسم کے ساتھ گرداگرد کھڑے ہوئے یا آپ کے جسم مثالی کے ساتھ؟ یہ جسم مثالی کے تو بیٹے نہ تھے بلکہ اس جسم عنصری سے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ سوال و جواب، انس پکڑنا وغیرہ سب جسم عنصری کے ساتھ تھا جو دفن ہوا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ یہی تھا کہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتا ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کا مطلب یہ کون لے سکتا ہے کہ بیٹے کو کہہ رہے ہیں۔ علیین میں آ کر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ میت کو علم ہوتا ہے، وہ سنتا ہے، بولتا ہے اور سوال و جواب روح مع الجسم سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ''وقد ثبت الاحادیث بما ذھب الیه الجمھور کقوله انه یسمع خفق نعالھم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله یسمع صوته اذ ضربه بالمطراق قوله یضرب بین اذنیه وقوله فیقعدانه وکل ذالک من صفات الاجسام'' احادیث سے وہی مذہب ثابت ہوتا ہے جو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً فرمان نبوی ﷺ کہ وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے اور تنگی قبر سے اس کی پسلیاں ٹوٹتی ہیں اور یہ کہ جب میت کو ہتھوڑوں سے مارتے ہیں تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور یہ کہ اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور یہ کہ اسے بٹھاتے ہیں، یہ سب جسم کی صفات میں سے ہیں۔

جمہور کا یہی مذہب ہے کہ سوال و جواب اور عذاب وثواب روح مع الجسم کو ہوتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی مختلف احادیث سے ظاہر ہے یہ سب اوصاف جسم کے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قبر میں قعود وجلوس میت کو قعود وجلوس باطنی پر محمول کیا ہے۔

''لکن المقصود ان ما ذکرہ النبی ﷺ من اقعاد المیت مطلقا ھو تناول لقعودھم بھواطنھم وان کان ظاھر البدن مضطجعاً'' لیکن فرمان نبوی ﷺ جو اقعاد میت سے متعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قعود باطنی کو شامل ہے اگرچہ ظاہر بدن لیٹا ہوا ہے۔

۷...... ''عن زید بن ثابت قال بینا رسول اللہ ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له ونحن معه اذ جاءت به فکادت تلقیه واذا اقبر ستة او خمسة فقال من یعرف اصحاب ھذہ القبر قال رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرک فقال ان ھذہ الامة تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا الدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر اسمع منه'' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ اپنے خچر پر سوار ہو کر بنی نجار کے باغ میں جا رہے تھے ہم آپ کے ساتھ تھے، اچانک خچر بدک گیا۔ قریب تھا کہ حضور ﷺ کو گرا دیتا، وہاں پانچ چھ قبریں تھیں آپ نے فرمایا کوئی ان قبروں کے متعلق جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا کب مرے؟ عرض کیا حالت شرک میں۔ فرمایا یہ لوگ قبروں میں ابتلاء میں پڑے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا جو میں سن رہا ہوں۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قبریں علیین میں نہیں تھیں۔ خچر تو زمین پر چل رہا تھا۔ عذاب قبر سن کر بدک گیا اور حضور اکرم ﷺ ان قبروں کے پاس کھڑے تھے جو زمین میں کھودی گئی تھیں اور حضور ﷺ نے انہیں کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہائم کو عذاب کا شور سنائی دیتا ہے۔ گو اس کے متعلق صریح احادیث بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

۸...... "ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین" (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۶) اور (منافق کو) لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے وہ زور سے چیختا ہے اس کی چیخ جن اور انسان کے بغیر سب سنتے ہیں۔

امام مہلب نے لفظ یلیہ سے قرب وجوار کے ملائکہ مراد لئے ہیں اور ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔

"ولا وجہ لتخصیصہ بالملائکۃ فقد ثبت ان البھائم تسمعہ وفی حدیث البراء یسمعہ من بین المشرق والمغرب وفی حدیث ابی سعید عند احمد یسمع خلق اللہ کلھم غیر الثقلین وھذا یدخل فیہ الحیوان والجماد لکن یمکن ان یخص منہ الجماد ویؤید ان فی حدیث ابی ھریرۃ عند البزار یسمعہ کل دابۃ الا الثقلین" اور ملائکہ سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ یہ محقق ہو چکا ہے کہ معذب میت کی آواز چار پائے بھی سنتے ہیں اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب سنتے ہیں۔ ابو سعید کی حدیث میں ہے کہ اس کی آواز تمام مخلوق سنتی ہے سوائے جن وانس کے اور اس میں تو حیوان اور پتھر بھی داخل ہیں لیکن ممکن ہے پتھر کو مخصوص کیا جائے اور اس کی تائید حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے کہ اس کی آواز کو ہر جانور سن سکتا ہے سوائے جن اور انسان کے۔

ظاہر ہے کہ حیوان زمین پر ہی چلتے پھرتے ہیں اور معذبین قبور کی آواز سنتے ہیں، سجین میں حیوان نہیں جاتے۔

۹...... حضرت ابو ایوب کی روایت ہے کہ: "خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال یھود یعذب فی قبورھا فقال اتسمع ما اسمع قلت اللہ ورسولہ اعلم قال اسمع اصوات الیھود ویعذبون فی قبورھم" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے بعد باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے آواز سنی، پھر فرمایا یہود کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ پھر (ابو ایوب سے) فرمایا کیا تم سنتے ہو جو میں سنتا ہوں۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا کہ میں یہود کی آوازیں سن رہا ہوں، انہیں اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۷)

۱۰...... "عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی قبرین فقال انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما ھذا فکان لا یستتر من بولہ واما ھذا یمشی بالنمیمۃ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں نہیں ایک تو اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، دوسرا چغل خورتھا۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۱)

۱۱...... "ثم قال ان ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃ علی اھلھا وان اللہ ینورھا لھم بصلوتی علیھم" پھر فرمایا یہ قبریں ظلمت سے بھری ہیں اور میرے نماز جنازہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انہیں منور کر دیتا ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۴۵)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان قبروں کے پاس ہوا جو زمین پر موجود تھیں اور انہی کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قبروں میں عذاب ہو رہا ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر معاذ اللہ سجین پر ہوا اور وہاں آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ یہاں ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قبر محفورہ فی الارض میں نکیرین کے سوال وجواب اور اسی میں عذاب وثواب کے متعلق احادیث کثرت سے ہیں۔ ستر سے زائد احادیث متواتر ہیں اور یہ امر مخفی نہیں کہ متواترت کا انکار کفر صریح ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کو قول فیصل سے بیان فرمایا ہے: "وقد اطبق اھل السنة علی اعتبارہ ولم یتخالف فیہ الا المعتزلة فقالوا لا یجوز ان تسمی الملائکة منکر و نکیر و لم یلتفت اھل السنة الی قولھم اعتمادا علی ما جاء فی بعض طرق الحدیث الی غیر ذالک من الزیادات الواقعة فی احادیث السوال علی کثرتھا فانھا اکثر من سبعین حدیثا ما من حدیث فیھا الا و فیہ زیادة لیست فی غیرہ فمن لم یقف الا علی حدیث و احد من سبعین حدیثا حقہ ان یسکت مع الساکتین و لا یقدم علی رد الاحادیث و الغائھا"

اور اہل السنت والجماعت (عذاب وثواب قبر اور سوال و جواب قبر) پر متفق ہیں۔ اس مسئلہ میں ان میں سے کوئی مخالفت نہیں۔ ہاں معتزلہ مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا نام منکر اور نکیر رکھنا جائز نہیں اور اہل السنة نے ان کے اس قول کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بوجہ اعتماد کر لینے کے ان احادیث پر جن میں بعض زیادات واقع ہو چکی ہیں۔ جو سوال کے متعلق کثرت سے وارد ہوئیں۔ وہ احادیث ستر سے زائد ہیں۔ ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں کوئی زیادتی نہ ہو جو دوسری حدیث میں نہیں ہے جو شخص ان ستر احادیث میں سے صرف ایک حدیث سے واقف ہو اس کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور ان احادیث کو رد کرنے اور ان کو لغو ثابت کرنے کا اقدام نہ کرے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۳۹)

ہاں جسے چپ رہنا پسند نہ ہو وہ احادیث رسول ﷺ کے رد میں اور ان کو معاذ اللہ لغو ثابت کرنے میں شوق سے منہمک رہے۔ مگر اتنا ضرور کرے کہ اپنے آپ کو اہلسنت میں شمار کرنے کی غلطی نہ خود کرے نہ دوسروں کو دھوکا دے۔

ان تمام احادیث رسول خدا سے یہ ثابت ہوا کہ جس بدن انسانی کو غسل، کفن کے بعد قبر میں دفن کیا گیا ہے، وہی بدن ہے جس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ اسی بدن عنصری کو ثواب عذاب ہوتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ نسمہ کو جو لوگ عذاب وثواب جسم مثالی اور نسمہ کو دیتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، نہ جسم مثالی کو نہ نسمہ کو غسل دیا گیا، نہ کفن دیا گیا اور نہ دفن کیا گیا نہ ہی عذاب ہوگا۔

علامہ ابن قیم نے بھی اس بارے میں کثیر احادیث کی بنا پر یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

"ونحن نثبت ما ذکرناہ فاما احادیث عذاب القبر ومسألة منکر ونکیر فکثیرة متواترة عن النبی ﷺ" اور ہم ثابت کرتے ہیں اس حکم کو جو ہم نے ذکر کیا ہے، جہاں تک عذاب قبر اور نکیرین کے سوال کا تعلق ہے تو ان کے متعلق نبی کریم ﷺ کی احادیث کثرت سے ہیں اور متواتر ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۴)

فقہائے اہلسنت کے نزدیک قبر کا مفہوم

قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ اب فقہائے کرام کی آراء پیش کی جاتی ہیں:

"یحفر القبر ویلحد ویدخل فیہ مما یلی القبلة ویقول واضعہ بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ ﷺ ویوجہ القبلة ویسوی اللبن والعصب ویسجی قبرھا بثوب ولا قبرہ ویھال علیہ التراب ویسنم القبر ولا یسطح" قبر کھودی جائے، لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے اور قبر میں رکھنے والا کہے۔ بسم اللہ الخ میت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے۔ لحد پر کچی اینٹیں اور سرکنڈا برابر کیا جائے اور عورت کی قبر پر ایک کپڑے سے پردہ کیا جائے مرد کی قبر کو نہیں اور قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان کی طرح بنایا جائے اور مسطح نہ بنایا جائے۔ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۵۷)

حیات پاک رحمت للعالمین ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''التحیات للہ و الصلوٰت و الطیبات السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد و علی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید اما بعد!

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسو لا من انفسھم، صدق اللہ العظیم

تمام زبانی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، اے اللہ تعالیٰ رحمت بھیجئے محمد ﷺ پر، اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے رحمت بھیجی ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر یقیناً آپ تعریف کے لائق اور بزرگی والے ہیں، اے اللہ تعالیٰ برکت نازل فرمایئے محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر، اور ان کی آل پر یقیناً آپ تعریف کے لائق بزرگی والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایمان والوں کو ارشاد مبارک فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں رسول ﷺ انہی میں سے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو تم پر میرا بہت بڑا احسان ہے کہ میں نے تم ہی سے تمہارے پاس اپنا رسول بھیجا ﷺ۔

ہر شئے رحمت للعالمین ﷺ کے لئے بنائی گئی

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک فرمایا ''لو لاک لما خلقت الافلاک'' (خصائص کبریٰ ص ۱۸) اے پیارے محبوب ﷺ اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو کسی چیز کو پیدا نہ کرتا۔ سبحان اللہ، تو معلوم ہوا کہ تمام جہان حضور ﷺ کے لئے پیدا فرمائے تو تمام جہانوں کی ہر شئے رحمت دو عالم ﷺ کی طفیل ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خاطر تمام جہان بنائے گئے۔

نورِ محمدی ﷺ

ہر شئے سے پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز کو پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا۔ ''یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ''

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ﷫ اس حدیث شریف کا یہ ترجمہ فرماتے ہیں۔ اے جابر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (یہ نہیں کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا فرمایا۔ (نشر الطیب ص ٦)

رحمت دو عالم ﷺ کب نبی بنائے گئے

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ بے شک میں حق تعالیٰ

قبر کھودنا، لحد بنانا، میت کو اس میں رکھنا، قبلہ رخ کرنا، قبر پر کچی اینٹیں لگانا، اس پر مٹی ڈالنا اور اس کی شکل اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا ایسے عمل ہیں جو علیین یا سجین میں نہ کوئی کر سکتا ہے اور نہ کسی نے کئے ہیں۔ ہاں کہیں ایسے انسان بستے ہوں جو یہ تمام اعمال علیین میں جا کر کرتے ہوں تو انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس عقیدہ کی اشاعت کرتے پھریں کہ قبر سے مراد علیین اور سجین ہے۔ لیکن زمین پر چلنے پھرنے والے گوشت پوست کے، انسان ایسی ان ہونی باتیں بنانا شروع کر دیں تو ان کی دماغی حالت قابل رحم ہے۔

قبر در حقیقت نام ہے اسی زمین میں کھودے ہوئے گڑھے کا ہاں، جو شخص جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے یا جانور کھا جائے وہ بہر حال زمین میں ہی رہے۔ جہاں اس کا جسم یا اجزائے جسم ورود کر کے قیام کریں گے وہ اس کی قبر ہوگی۔ پانی میں غرق ہوا تو زمین پر ہی رہے گا۔ درندہ کھا گیا تو وہ بھی مر کر زمین میں ہی رہے گا۔ آگ میں جل گیا تو بھی اجزائے بدن زمین پر رہیں گے۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ "الم نجعل الارض کفاتا احیاء و اموا اتا (المرسلات: ۲۶،۲۵) وقال منها خلقنا کم و فیها نعید کم و منها نخرجکم تارۃ اخری" (طٰہٰ: ۵۵)

کتاب و سنت اور فقہائے امت کے صریح فیصلوں کے ہوتے ہوئے اور کثرت سے موجود ہوتے ہوئے نہ جانے کچھ لوگوں کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں جیسے: "صحیح حدیث کی رو سے قدرے بیان پیش احباب کرتا ہوں...... سوال جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف روح سے، نہ بدن سے، اور علیین سجین ہی قبریں ہیں۔" (شفاء الصدور ص ۳۶)

غور کرنے کا مقام ہے کہ کتاب و سنت کے صریح خلاف یہ نئی تحقیق کوئی کیوں کر تسلیم کرے۔ اس انوکھی تحقیق میں بظاہر تین دعوے کئے گئے ہیں۔ اول، علیین سجین ہی قبریں ہیں۔ دوم سوال جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں۔ یہ دعویٰ دراصل پہلے دعویٰ کی فرع ہے۔ جب جناب محقق نے قبر علیین یا سجین میں تسلیم کی تو ظاہر ہے کہ سوال جواب بھی وہیں ہوں گے۔ سوم: سوال و جواب صرف روح سے ہوتے ہیں۔

اور یہ دعویٰ بزعم خویش "صحیح حدیث کی رو سے" بیان فرمائے۔ صحیح احادیث اور آیات قرآنی کے ذریعہ یہ تو واضح کر دیا گیا ہے کہ قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ تیسرے دعویٰ کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ پیش کر دینا ضروری ہے۔ اب ہم ان محقق صاحب سے یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ذرا وہ صحیح حدیث پیش تو کریں جس کی بنیاد پر اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی جسارت آپ نے فرما دی۔ کہیں اس حدیث کا مصداق بننے کا شوق تو نہیں چرایا کہ: "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النّار"

ثواب و عذاب قبر

سوال و جواب اور عذاب و ثواب قبر پر فقہاء کی تصریح

سوال و جواب قبر و عذاب قبر کے سلسلے میں فقہائے کرام نے یہاں تک صراحت فرما دی کہ: "والسؤال فی القبر بان مات و لم یدفن ایاما بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر آخر مالم یدفن لا یسئل" جو

شخص مر گیا اور اسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ تابوت میں ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا گیا تو اس کا سوال قبر کا معاملہ مؤخر کیا جاتا ہے جب تک دفن نہ کیا جائے سوال نہیں ہوتے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ا ص ۲۲۶)

میت سے سوال و جواب اس وقت ہوں گے جب دفن کیا جائے گا یعنی جب تک زمین میں جو اس کا ٹھکانہ ہے قرار نہ پکڑے گا۔ سوال و جواب نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ سوال و جواب کے بعد ہی عذاب قبر شروع ہوگا۔

عذاب قبر کے عقیدہ کے متعلق فقہائے کرام نے جو وضاحت فرمائی اس کا مختصر بیان کردینا ضروری ہے۔

۱...... ''وتکفیر من انکر الرؤیۃ والحوض والشفاعۃ وعذاب القبر'' (احناف نے) رویت باری تعالیٰ حوض کوثر، شفاعت اور عذاب قبر کے منکر کی تکفیر ہے۔ (الفرق بین الفرق ص ۳۲۷)

۲...... ''والمراد بالمبتدع من یعقتد شیئا علی خلاف مایعتقدہ اہل السنۃ والجماعت انما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذا لم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اھل السنۃ اما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلاً کالغلات من الروافض الذین یدعون الالوھیۃ لعلیؓ او ان النبوۃ کانت لہ فغلط جبرائیل فھو ذالک مما ھو کفر وکذا من یقذف الصدیقۃ او ینکر صحبۃ الصدیق او خلافتہ او یسب الشیخین وکالجھمیۃ والقدریۃ والمشبھۃ القائلین بانہ تعالیٰ جسم کالاجسام ومن ینکر الشفاعۃ او الرویۃ او عذاب القبر او الکرام الکاتبین......وان کان ماذھب الیہ عند التحقیق فی حد ذاتہ کفر المنکر الرویۃ وعذاب القبر''

اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلسنت کے خلاف عقیدہ رکھے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اگر اس کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہو اور جب اس کا عقیدہ کفر تک پہنچ جائے تو نماز ہرگز جائز نہ ہوگی۔ مثلاً غالی رافضی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو یا اس بات کا قائل ہو کہ نبوت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا، جبرائیل علیہ السلام نے غلطی کی اور اسی طرح جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو یا ان کی خلافت کا منکر ہو یا شیخین کو گالیاں دے اور فرقہ جہمیہ اور قدریہ اور مشبہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے جیسے دوسرے اجسام ہیں اور وہ شخص جو شفاعت کا انکار کرے یا رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو یا عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو اور یہ محقق ہو چکا ہے کہ انکار رویت باری تعالیٰ اور انکار عذاب قبر کفر ہے۔ (کبیری ص ۴۷۶)

اب منکرین عذاب قبر اپنے متعلق سوچ لیں کہ وہ اپنے آپ کو کس منہ سے اہلسنت والجماعت میں شامل کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

۳...... ''ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کرام الکاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرویۃ لانہ کافر'' اور جو شخص شفاعت رسول ﷺ کا انکار کرے کراماً کاتبین اور عذاب قبر کا انکار کرے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اسی طرح جو رویت کا منکر ہو اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، کیوں کہ وہ کافر ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ا ص ۱۴۹)

۴۔ عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے

(بریقہ محمودیہ ج ا ص ۲۲۹) ''ومن التصریح ان احادیث عذاب القبر بالغۃ الی حد التواتر المعنوی وایضاً قالوا بان عذاب القبر حق بالاجماع مستندا بالکتاب والسنۃ قبل ظہور المخالف فلا یضر وقوع

الخلاف لتقرر الاجماع اذ الاختلاف الاحق لا یضر الاجماع السابق بل نفس الخلاف ساقط لکونہ خرقا للاجماع و خرق الاجماع باطل فالقول و الذی تقتضیہ القاعدۃ ھو کفر انکار عذاب القبر علی انہ لا یبعد ان یکون من قبیل الضروریات الدین"

اور صاف بات یہ ہے کہ عذاب قبر کی احادیث تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں اور کہا کہ عذاب قبر بالاجماع حق ہے۔ یہ مسئلہ مخالفت کے ظہور سے پہلے کتاب و سنت سے مستند ہو چکا ہے اس لئے بعد کا خلاف معتبر نہ ہوگا۔ بوجہ تقرر اجماع کے کیوں کہ اختلاف لاحق، اجماع سابق کو نقصان نہیں دے سکتا بلکہ اختلاف ساقط ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اختلاف خارق اجماع ہے اور خرق اجماع باطل ہے۔ پس قانون کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب قبر کا انکار کفر ہے۔ بعید نہیں کہ عذاب قبر کا مسئلہ ضروریات دین سے ہو۔

۵...... عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کر کے اصل کو ہی مسخ کر دینا نا قابل التفات ہے: "ولا تجوز الصلوٰۃ خلف من انکر بعض ما علم من ضرورۃ للکفر و لا یلتفت الی تاویلہ و اجتھادہ" اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جو بعض ضروریات دین کا انکار کرے اور یہ بوجہ اس کے کفر کے ہے اور اس کی تاویل اور اجتہاد کی طرف مطلق توجہ نہ دی جائے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۷۶)

۶...... علامہ شامی نے منکرین عذاب قبر کو معتزلہ میں شمار کیا ہے: "وجھل المبتدع کالمعتزلۃ مانعی الثبوت الصفات الزائدۃ و عذاب القبر و الشفاعۃ" اور معتزلہ مبتدعین کی جہالت ہے کہ ثبوت زائدہ صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور عذاب قبر اور شفاعت کے منکر ہیں۔ (شامی ج ۱ ص ۵،۴)

۷...... (بریقہ محمودیہ ج ۱ ص ۲۷۴) "ثم انہ ھل یکفر جاحد عذاب القبر و فی بعض الفتاوی کالتتار خانیہ یکفر و فی بعضھا لا یکفر و ھو مشکل مع دعوی للتواتر احادیثھا کما سبق الاشارۃ الیہ قال الدوانی الاحادیث الصحاح ھنا بالغۃ الی التواتر المعنوی" پھر یہ کہ کیا عذاب قبر کا منکر کافر ہے؟ بعض فتاویٰ مثلاً تاتارخانیہ میں ہے کہ کافر ہے اور بعض میں ہے کہ کافر نہ ہوگا مگر یہ عدم کفر کا فیصلہ مشکل ہے۔ جب کہ تواتر احادیث کا دعویٰ بھی کیا جائے جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے اور دوانی نے کہا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث صحیحہ تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں۔

۸...... ابوالشکور السالمی نے تمہید (۱۲۵) پر فرمایا: "فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات و للکافرین من الواجبات و اللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوا و عشیاً یعنی فرعون و قومہ دلّ انہ کان صحیحاً فی ای موضع و علی ای حال و من انکر ھذا فھو بصیر کافر" جہاں تک عذاب قبر کا مسئلہ ہے مومن کے لئے جائز اور کافر کے لئے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "النار یعرضون علیھا الخ" یعنی عذاب نار فرعون اور قوم فرعون کو صبح و شام ہوتا ہے۔ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عذاب ہوتا ہے۔ جہاں ہوں جس حال میں ہوں اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۹...... مولانا عبدالعلی بحرالعلوم فرماتے ہیں: "منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر و الرویۃ و عذاب القبر و منکر کراما الکاتبین کافر" اہل کبائر کے لئے شفاعت کا منکر رویت، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر کافر ہے۔ (رسائل ص ۹۹)

۱۰...... علامہ قرطبی فرماتے ہیں: "فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ و لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن و الانس عن رویۃ عذاب

القبر لحکمۃ الٰھیۃ و من شک فی ذالک فھو ملحد" برادران من اخوب سمجھ لو کہ عذاب قبر اور اس کی نعمتیں حق ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ تصریح کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حکمت الٰہیہ کے تحت مخلوق کی آنکھوں اور کانوں کو عذاب قبر دیکھنے اور سننے سے باز رکھتا ہے جو شخص شک کرے وہ ملحد ہے۔ (تذکرہ ص ۳۹)

۱۱...... صاحب بریقہ فرماتے ہیں کہ منکر عذاب قبر سے توبہ کرائی جائے ورنہ: "والا فھو خارج عندنا من الدین فلا یصلی علیہ ولا تتبع جنازتہ لما فیہ موالستھم ونحن مامورون بمقاطعتھم و معاداتھم" ہمارے نزدیک وہ دین سے خارج ہے اس لئے اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ ایسا کرنے میں انس ثابت ہوتا ہے اور ہمیں ایسے لوگوں سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (بریقہ ج۱ ص ۲۴۳)

۱۲...... رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں: "ولا تجوز الصلوۃ خلف منکر الشفاعۃ والرویۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع علیہ السلام" شفاعت، رویت، عذاب قبر اور کراما کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں کیوں کہ وہ کافر ہے ان امور کا انکار کرتا ہے جو بطور تواتر اور توارث کے شارع علیہ السلام سے ثابت ہیں۔

۱۳...... (کوکب دری ج اوّل ص ۳۲۵) "قال اھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق و سوال منکر و نکیر حق و ضغطۃ القبر حق لکن ان کان کافرا فعذابہ یدوم الی یوم القیامۃ و یرفع عنہ یوم الجمعۃ و شھر رمضان فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتألم الروح مع الجسد وان کان خارجا منہ" اہل السنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق ہے۔ سوال وجواب نکیرین حق ہے اور قبر کی تنگی حق ہے لیکن کافر کو عذاب دائمی ہوتا ہے اور جمعہ کے روز اور ماہ رمضان میں عذاب اٹھ جاتا ہے۔ پس عذاب گوشت کو ہوتا ہے جب کہ روح اس سے متصل ہوتی ہے۔ پس عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ اگرچہ روح بدن سے باہر ہو۔

اہلسنت والجماعت کے فقہائے کرام کا حاصل تحقیق پیش کر دیا گیا۔ اس سے اہلسنت کا عقیدہ واضح ہو گیا۔ ہمارے جدید محققین جو بہ تکلف اپنے آپ کو اہلسنت میں شامل سمجھتے ہیں۔ مگر جمہور کی مخالفت کرنا مقصد زندگی بھی سمجھتے ہیں۔ مگر سادگی و پرکاری ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں کہ "ہم عذاب وثواب قبر کے منکر نہیں۔ مگر عذاب وثواب سجین وعلیین میں ہوتا ہے اور قبر میں میت کو اگر عذاب وثواب بوجہ حیات بسیط کے ہو تو ممکن ہے۔"

یہ اگر اور ممکن آخر کیا معنی رکھتا ہے، جب صحیح اور متواتر احادیث کی رو سے عذاب وثواب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے تو یہ اگر اور ممکن کا تکلف کیوں؟ سجین اور علیین دفتر اعمال ہیں۔ قرآن نے سجین کو سجین اور علیین کو علیین فرمایا ہے۔ قبر کو نہ سجین فرمایا ہے نہ علیین بلکہ قرآن مجید، احادیث نبوی اور فقہائے اہلسنت کی تصریح گزر چکی ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس کا محل زمین ہے تو عذاب وثواب قبر بھی اسی گڑھے سے متعلق ہے۔

مانا! کہ آپ سجین وعلیین میں عذاب وثواب کے قائل ہیں۔ قبر کے عذاب وثواب کے تو منکر ہی ہیں اور اس انکار کو آپ "اگر" اور "ممکن" کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کیوں فرماتے ہیں۔ صاف فرما دیں کہ ہم عذاب وثواب قبر کو نہیں مانتے ہیں۔ آخر معتزلہ، کرامیہ اور صالحیہ بھی تو اتنی جرأت دکھا گئے ہیں۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

عذاب وثواب قبر کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ملاحظہ ہو:

۱...... (تفسیر مظہری ج۸ ص۷۷) ''والعقد الاجماع علی اَن عذاب القبر علی الروح والجسد معاً'' امت برحق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

۲...... (کتاب الروح ص۶۲) ''وقد سئل شیخ الاسلام عن هذه المسئلة ونحن نذکر لفظ جوابه فقال بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا'' اس مسئلہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا اور ہم ان کے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا کہ عذاب اور نعمتیں روح اور بدن، دونوں کے لئے ہیں۔

۳...... (ایضاً ص۶۳) ''ان مذهب سلف الامة والمتها ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذالک یحصل لروحه وبدنه'' سلف صالحین اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ بعد موت میت یا راحت میں ہے یا عذاب میں اور یہ دونوں (عذاب وثواب) روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

۴...... (ایضاً ص۶۶) ''وهذا بین فی اَتاب العذاب علی الروح والبدن مجتمعین'' اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھا ہوتا ہے۔

۵...... (شرح الصدور ص۹۴) ''وفی القبور یشترک الروح والجسد ای فی العذاب'' اور قبروں میں روح اور جسم عذاب میں شریک ہیں۔

۶...... (شرح عقیدۃ الطحاوی ص۳۳۰) ''وکذالک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعاً باتفاق اهل السنة والجماعة'' اسی طرح عذاب قبر روح اور جسم دونوں کے لئے اکٹھا ہے۔ اس پر اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

۷...... (کتاب الروح ص۱۰۸) ''والظاهر والله اعلم کل نبی مع امته کذالک وانهم معذبون فی قبورهم بعد السوال لهم واقامة الحجة علیهم کما یعذبون فی الاخرة بعد السوال واقامة الحجة'' ظاہر تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہر نبی (سوال وجواب) میں اپنی امت کے ہمراہ ہوگا اور سوال کے بعد وہ اپنی قبروں میں معذب ہوں گے۔ جب حجت قائم ہو جائے گی۔ جس طرح آخرت میں بعد سوال اور اقامت حجت معذب ہوں گے۔

۸...... (ایضاً ص۱۴۲) ''والسنة والصریحة المتواترة وقول هؤلاء وهؤلاء وتبین ان العذاب علی الروح الجسد مجتمعین ومنفردین'' اور سنت صریح اور متواتر ان دونوں کے قول کو رد کرتی ہے (جو صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور جو صرف بدن کے عذاب کے قائل ہیں) اور ظاہر ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ خواہ اکٹھے ہوں خواہ منفرد ہوں۔

۹...... (شفاء السقام ص۱۹۴) ''ان عذاب القبر ونعیمه للجسد والروح جمیعا'' عذاب قبر اور قبر کی راحتیں جسم اور روح دونوں کے لئے ہیں۔

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ اجمالی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق فرق باطلہ کے عقائد

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ قبر سے مراد زمین گڑھا ہے۔ سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں اور عذاب وثواب قبر روح مع الجسم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل باطل نے مختلف عقائد کا اعلان اور پرچار کیا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ عقائد اہل باطل کے رکھتے ہیں مگر اپنے آپ کو اہلسنت ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے خود فریبی سے بچ جائیں اور اللہ کے بندوں کو گمراہ نہ کریں۔

۱۔ عذاب وثواب قبر کا مطلق انکار

یہ عقیدہ ضرار بن عمرو بشر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا ہے: "وانکرہ مطلقا ضرار بن عمرو وبشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلۃ" ضرار بن عمرو، بشر مریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔　　　(شرح مواقف ص ۷۱۵)

"وانکر جماعۃ منھم عذاب القبر راساً مثل ضرار ویحیی بن کامل وھو قول المریسی فھذہ اقوال اھل الحیرت والضلال" اور ایک جماعت نے عذاب قبر کا بالکل انکار کر دیا۔ مثلاً ضرار، یحییٰ بن کامل اور بشیر المریسی۔ پس یہ اقوال اہل حیرت اور اہل ضلال کے ہیں۔　　　(کتاب الروح ص ۷۱)

۲۔ عذاب قبر صرف کفار کے لئے ہے

یہ عقیدہ جبائی اس کے بیٹے اور بلخی کا ہے: "والبت الجبائی وابنہ والبلخی عذاب القبر ولکنھم نفوہ عن المؤمنین والبتوہ لاصحاب التخلید من الکفار والفساق علی اصولھم" جبائی اور اس کے بیٹے اور بلخی نے عذاب قبر کا اقرار تو کیا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے نفی کر دی ہے اور عذاب قبر کو کفار یا فساق کے لئے ثابت کیا ہے جو ان کے عقیدہ کے مطابق ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔

۳۔ سوال وجواب اور عذاب وثواب دو نفخوں کے درمیان ہوں گے

یہ عقیدہ ابوالہذیل اور مریسی کا ہے: "واما اقوال اھل البدع والضلال فقال ابو الھذیل والمریسی عن خرج عن سمۃ الایمان فانہ یعذب بین النفختین والمسئلۃ القبر انما تقع فی ذالک الوقت" رہا اہل بدعت اور اہل ضلال کے اقوال کا سوال تو ابوالہذیل اور مریسی نے کہا ہے کہ جو شخص ایمان سے نکل چکا ہے اس کو دو نفخوں کے درمیان عذاب ہوگا اور سوال وجواب قبر بھی اس سے دو نفخوں کے درمیان ہی ہوں گے۔　　　(کتاب الروح ص ۷۰)

اور (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۳) "وذھب الھذیل ومن تبعہ الی ان المیت لا یشعر بالتعذیب ولا بغیرہ الا بین النفختین قالوا حالہ کحال النائم والمغشی علیہ لا یحس بالضرب ولا بغیرہ الا بعد الافاقۃ والاحادیث الثابت فی السوال حالۃ تولی اصحاب المیت منہ ترد علیھم" الہذیل اور اس کے اتباع کا عقیدہ یہ ہے کہ میت کو عذاب وثواب کا شعور صرف دو نفخوں کے درمیان ہوگا وہ کہتے ہیں کہ ان کی حالت ایک محو خواب یا بیہوش آدمی کی سی ہے۔ اسے مار پیٹ کا احساس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ حالت خواب یا بیہوشی سے

نکل آئے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سوال اس وقت ہوتا ہے جب میت کے ساتھی اسے دفن کر کے لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ یہ احادیث اہل ضلال کے اقوال کی تردید کرتی ہیں۔

۴۔ بدن کو عذاب تو ہوتا ہے مگر حیات بسیط سے

جو بغیر اعادہ روح اور بغیر اتصال روح کے ہوتا ہے یعنی بدن انسانی ایک پتھر کی طرح ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ کرامیہ، صالحیہ اور صالح قبہ کا ہے۔

''وقال الصالحی و صالح قبة عذاب القبر یجری علی المؤمن من غیر رد الارواح الی الاجساد والمیت یجوز ان یألم ویحس ویعلم بلا روح وھذا قول جماعة من الکرامیه'' صالحی اور صالح قبہ نے کہا کہ عذاب قبر مومن کو ہوتا ہے مگر روح کو جسم میں لوٹائے بغیر ہوتا ہے اور میت کے لئے جائز ہے کہ روح کے بغیر الم کو محسوس کرے اور یہی قول کرامیہ کی ایک جماعت کا بھی ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

یہاں نئی تحقیق کا ماحصل بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا وہاں بات کرامیہ کی ہے اور اپنا عقیدہ بنا کر وہ حضرات پیش کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو خالص اہلسنت والجماعت کہتے ہیں۔

۱...... ''باقی اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے حیات ترکیبی ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں۔'' (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

۲...... ''ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسد عنصری پر بھی ثواب وعذاب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں بندوں کی عبرت و رغبت کے لئے اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔'' (اقوال مرضیہ ص ۵۵)

کیا ہی اچھا ہوتا کہ صاحب اقوال مرضیہ فرما دیتے کہ وہ کرامیہ اور صالحیہ کے عقائد رکھتے ہیں۔ کیوں کہ ہر شخص کو آزادی ہے جو عقیدہ پسند کرے اپنا لے۔ مگر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینا تو موزوں نہیں۔

۵۔ سوال وجواب اور عذاب وثواب قبر صرف بدن کو ہوتا ہے

یہ عقیدہ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت کا ہے: ''وقد اخذ ابن جریر و جماعة من الکرامیة من ھذہ القصة۔ ان السؤال فی القبر یقع علی البدن فقط'' ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے قلیب بدر کے قصہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے۔ (یہ ابن جریر کرامی ہے امام ابن جریر مفسر نہیں)

علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تردید فرمائی ہے: ''مع سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانکرہ الجمھور'' باوجودیکہ احادیث صحیح متواترہ عود روح الی الجسد پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر ایک جماعت پھر بھی کہتی ہے کہ سوال وجواب بدن بلا روح سے ہوتے ہیں۔ جمہور نے ان کے قول کا انکار کیا ہے۔

۶۔ عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے

یہ عقیدہ ابن ہبیرہ، ابن میسرہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے: ''قول من یقول ان النعیم والعذاب لا یکون

الاعلی الارواح وان البدن لا ینعم ولا یعذب وھذا القولہ الفلاسفۃ۔ المنکرون لمعاد الابدان وھولاء کفار باجماع المسلمین" اور یہ قول کہ عذاب وراحت صرف روح کے لئے ہے بدن کو نہ عذاب ہے نہ راحت اور یہ قول ان فلاسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو کافر قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

"ذھب ابن حزم وابن ھبیرۃ الی ان السوال یقع علی الروح فقط من غیر عود الروح الی الجسد وخالفھم الجمھور۔" ابن حزم اور ابن ھبیرہ کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسد میں لوٹائی نہیں جاتی مگر جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۹۲)

۷۔ عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ روح کو

یہ عقیدہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا ہے یہ وہ عقیدہ ہے جو نمبرا پر ضرار بن عمرو، بشیر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا بیان ہو چکا ہے۔ (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۴)

"فالقول الثابت ان اجزاء البدن من المیت لا سماع لھا ولاشعور ولا فرح ولا سرور فی البرزخ" صحیح قول یہ ہے کہ میت کے اجزائے بدن نہ سنتے ہیں نہ ان میں شعور ہوتا ہے اور نہ عالم برزخ میں فرحت اور سرور ہوتا ہے۔ (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۵)

حضرت مولانا شیخ القرآن کی تحقیق

"شیخ قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت والم اور سرور وعذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ روح ایک ایسی چیز ہے جو احساس الم سے ماوراء ہے اسے تکلیف تو کسی حال میں نہیں ہوتی البتہ اسے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔

۱...... اگر یہ شیخ کی تحقیق ہوتی تو ماخذ ضرور بیان کیا جاتا ہے۔ اس لئے شیخ سے مراد شیخ القرآن خود ہی ہو سکتے ہیں۔

۲...... بیان میں تضاد ظاہر ہے۔ پہلے جملے میں ہے لذت وسرور کا احساس ہرگز نہیں ہوتا۔ دوسرے جملے میں ہے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ عبارت سے تضاد رفع نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان کے عام رویہ سے مطابق پہلا قول راجح ہوگا کہ روح کو عذاب وثواب کا احساس نہیں ہوتا۔

دونوں تحقیقوں کو ملا کہ نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب وثواب برزخ نہ روح کو ہوتا ہے نہ جسم کو۔

علامہ ابن قیم اور ابن حجر کی تحقیق اور وضاحت

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور علامہ ابن حجر نے ان حقائق کی وضاحت فرمائی ہے:

۱...... ابن ہبیرہ اور ابن حزم کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتے ہیں جسم میں عود روح نہیں ہوتا اور جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔

۲...... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے وہ معاد ابدان کے منکر ہیں اور بالاجماع اسلام سے خارج ہیں۔ اب ذرا ان عبارتوں پر غور کیجئے:

۱...... احادیث میں عذاب وثواب کے واقعات اکثر جو آئے ہیں اس سے روح کے عذاب وثواب کو بتایا گیا ہے۔ (شفاء الصدور ص ۳۶)

۲...... جس سے نکیرین سوال بھی کرتے ہیں دراصل وہ روح کی قبر ہے۔ (شفاء الصدور ص ۳۶)

۳...... نکیرین کے سوال و جواب روح سے علیین سجین میں ہوتے ہیں نہ اس قبر میں۔ (اقوال مرضیہ ص ۲۲)

جو عقیدہ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے اسے شفاء الصدور کا نسخہ کہا جائے اور جس قول کو جمہور بالاجماع مردود قرار دیں اسے اقوال مرضیہ میں شمار کیا جائے: اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

علامہ ابن قیم نے ان تمام قبعین ہوئی کے متعلق فرمایا ہے کہ

"فجميع هولاء الطوائف ضلال في امر البرزخ" یہ تمام مذاہب برزخ کے معاملے میں بھٹکے ہوئے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۳)

اس باب میں جن عقیدہ کا بیان ہوا ہے بالاجماع سب باطل ہیں۔

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے:

۱...... قبر وہی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے اس زمین میں کھودتے ہیں اور میت کا بدن جہاں قرار پکڑتا ہے۔

۲...... نکیرین کے سوال اسی زمینی گڑھے میں ہوتے ہیں۔

۳...... عذاب وثواب قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور جسم اور روح دونوں کو، ہوتا ہے۔

۴...... علیین اور سجین کی حدود اسی گڑھے سے شروع ہوتی ہیں۔

سوال: اگر یہ امور تسلیم کیے جائیں تو متعدد حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے مثلاً جانور کھا جائے یا جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے تو ان صورتوں میں میت کے لئے قبر کھودی ہی نہیں گئی تو پھر اس قبر میں عذاب وثواب کیسا؟

الجواب: اس اشکال کا اجمالی جواب تو گزشتہ باب میں دیا جا چکا ہے۔ مگر اب تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

۱...... جانور کے کھا جانے کا واقعہ: "قال الله تعالى: فلولا انه كان من المسبحين للبث في بطنه الى يوم يبعثون" اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک جانور زندہ ہے اس کا بطن ہی قبر ہے اور جانور مرنے کے بعد زمین پر ہی قرار پکڑے گا اور وہی قبر ہوگی جو لازماً زمین پر ہی ہوگی۔ (الصافات: ۱۴۳، ۱۴۴)

۲...... آگ میں جل جانے کا واقعہ: بخاری اور مسلم میں ایک واقعہ موجود ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا جسم جلا دینا۔ نصف راکھ خشکی پر بکھیر دینا اور نصف سمندر میں پھینک دینا۔

"فلما حضره الموت اوصى بنيه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصفه في البر ونصفه في البحر ومن قال فامر الله البحر فجمع ما فيه واما البر فجمع ما فيه ثم قال له لم فعلت هذا قال من خشيتك يارب"

جب اس کی موت کا وقت آیا اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دینا اس کی راکھ آدھی تو خشکی پر اڑا دینا آدھی سمندر میں پھینک دینا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اور اس کی راکھ جمع ہوئی پھر خشکی پر کی راکھ اکٹھی ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔ اس نے کہا اے میرے پروردگار تیرے ڈر سے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ بحر و بر سے راکھ جمع ہوئی بحکم رب العالمین۔ پھر اس بدن سے جو جمع شدہ راکھ سے بنا تھا روح کا تعلق قائم کیا گیا پھر روح مع البدن سے سوال کیا گیا۔ اگر سوال علیین یا سجین میں ہوتا ہے اور صرف

روح سے ہوتا ہے تو راکھ کے ذرات کو جمع کرنے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

۳...... "ما کلم اللہ احدا قط الا من وراء حجاب و احیاء اباک فکلمہ کفاحا فقال یا عبدی تمن علیّ اعطیک قال یا رب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ ای جابر" (اے جابر) اللہ تعالیٰ نے کسی بندے سے بالمشافہ گفتگو نہیں کی۔ اگر کی تو پس پردہ اور تیرے باپ کو اللہ نے زندہ کیا پھر بالمشافہ کلام کیا اور فرمایا اے میرے بندے مانگ جو مانگتا ہے۔ میں تمہیں دوں گا، عرض کیا اے میرے رب مجھے زندہ کرتا کہ پھر تیری راہ میں جان دوں۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵)

احیا اباک سے ظاہر ہے کہ کسے زندہ کیا۔ روح تو زندہ تھی جسم کا تعلق روح سے قائم کیا پھر بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ یعنی اعادہ روح، برزخ میں کلام روح مع الجسم ثابت ہوا گر کلام کرنے کے لئے سماع فہم و ادراک اور حیات شرط ہے تو یہ سب امور ثابت ہیں۔

۴...... پانی میں غرق ہونے کا واقعہ: "قال اللہ تعالیٰ: اغرقوا فادخلوا نارا" (نوح:۲۵)

فادخلوا میں "فا" تعقیب بلا مہلت کے لئے ہے جوں ہی پانی میں غرق ہوئے آگ میں داخل کئے گئے اور ظاہر ہے پانی میں روح غرق نہیں کئے گئے تھے بلکہ جسم غرق کئے گئے تھے تو جو غرق ہوئے وہی آگ میں بھی جھونکے گئے اور یہ سارا معاملہ وہیں ہوا جہاں غرق کئے گئے۔ سجین میں تو غرق نہیں کئے گئے تھے کہ وہاں ان سے یہ معاملہ ہوا اور جسم سجین میں غرق کیوں کر ہوئے یعنی یہی زمین ان کی قبر بنی اسی میں عذاب روح مع الجسم کو دیا گیا۔

۵...... "وقال تعالیٰ وحاق بآل فرعون سوء العذاب" "النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (المؤمن:۴۵،۴۶)

فرعونی بھی اسی بحیرہ قلزم میں غرق ہوئے جو زمین پر موجود تھا اور اب بھی ہے۔ غرق ہونے کے بعد زمین ہی ان کے لئے قبر بنی۔ صبح و شام دوام و استمرار کے لئے ہے۔ مگر صبح شام کا تعلق زمین ہی سے ہے۔ سجین میں صبح و شام نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "وھذہ الایۃ اصل کبیر فی استدلال اھل السنۃ علی عذاب البرزخ فی القبور" یہ آیت قبر میں عذاب برزخ کے بارے میں اہلسنت کے استدلال کی بہت بڑی بنیاد اور اصل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۳۲ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرآن وسنت سے ثابت ہو گیا کہ آدمی خواہ جل جائے، غرق ہو جائے جانور کھا جائے۔ اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جائیں۔ ہر حال میں زمین ہی اس کی قبر ہو گی۔

اور سوال و جواب اسی قبر میں ہوتے ہیں جہاں میت کا جسم یا اس کے اجزاء قرار پکڑتے ہیں اور سوال و جواب روح مع الجسم سے ہوتا ہے۔ یعنی بعد اعادہ روح الی الجسد اور ثواب و عذاب اسی قبر میں ہوتا ہے اور روح مع الجسم کو ہوتا ہے اور سوال و جواب کے لئے حیات علم، فہم، ادراک شرط ہیں۔ اسی لئے سماع موتی بھی ثابت ہے۔

اعادہ روح

نکیرین کے سوال و جواب اور عذاب قبر جب زیر بحث آتے ہیں تو قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ سوال و جواب میت سے کیسے ہوتے ہیں قبر میں تو جسد بلا روح ہے اور اس سے سوال کیوں کر ہوتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ اعادہ روح کے متعلق شریعت حقہ کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔

۱...... حضور اکرم ﷺ نے مؤمن کے متعلق فرمایا: "حتی ینتھی به الی السماء السابعة فیقول الله عز وجل اکتبوا کتاب عندی فی علیین وعیدوه الی الارض فانی منها خلقتهم وفیها اعیدهم ومنها اخرجهم تارة اخری قال فتعاد روحه فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک الخ" یہاں تک کہ مومن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نام اور اعمال علیین میں درج کردو اور اسے زمین کی طرف لوٹادو کیوں کہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی میں سے دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پس اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور اسے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔

پھر کافر کے متعلق فرمایا: "فیقول الله عز وجل اکتبوا کتابه فی سجین فی الارض السفلی فتطرح روحه طرحا ثم قرأ ومن یشرک بالله فکانما خر من السماء الی ان قال فتعاد روحه فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک" پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام اور اعمال سجین میں جو ارض اسفل میں ہے لکھ دو پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے پڑھا کہ ومن یشرک باللہ الخ فرمایا تو اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۴۲، ۲۵، ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۸۷، الروح ص ۱۲۵)

اس طویل حدیث سے ذیل کے امور ثابت ہوئے:

۱...... علیین اور سجین دفتر اعمال ہیں۔

۲...... روح کو جسد میں لوٹایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد زمین پر ہے قبر میں ہے۔

۳...... اس اعادہ کے بعد جسد مع الروح کو بٹھایا جاتا ہے اور فرشتے سوال کرتے ہیں۔

حدیث کی حیثیت

امام بخاری اور مسلم سمیت تمام محدثین (رحمہم اللہ) اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور اس کی سند کے تمام راویوں سے احتجاج کرتے ہیں کسی راوی کو مجروح نہیں کہا اور تمام محدثین نے ثواب وعذاب قبر اور دیگر اہم مسائل قبر کے بارے میں اس حدیث کو اہلسنت والجماعت کی حجت اور دلیل تسلیم کیا ہے۔

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم کی رائے

علامہ ابن قیم نے اس حدیث کے متعلق فرمایا: "وراه ابو عوانة السفرائنی فی صحیحه وذهب الی القول بموجب هذا الحدیث جمیع اهل السنة والحدیث من سائر الطوائف" ابوعوانہ الاسفرائنی نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اہلسنت والجماعت کے تمام فرقے اور اہل حدیث عذاب قبر کے ان احکام کے قائل ہیں جو اس حدیث سے ثابت ہیں۔ (کتاب الروح ص ۵۳)

اس حدیث کے متعلق علماء ومحدثین اور متکلمین کا یہ اقرار موجود ہے کہ براء بن عازب ؓ کی یہ حدیث عود روح پر صریح دال ہے۔ اس صراحت کے بعد تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر اب بھی کوئی جسارت کرے تو وہ تاویل نہیں بلکہ تلعب بالحدیث ہوگا۔

عود روح کے متعلق متقدمین کے اقوال

۱...... امام سبکی (شفاء السقام ص ۱۹۸) "ففیه التصریح بعود الروح الی الجسد" اس میں اعادہ روح الی الجسد کی تصریح ہے۔

۲...... "وقد دل علیه النص الصریح الصحیح وهو قوله ﷺ فتعاد روحه فی جسده" اور عود روح پر نص صریح اور صحیح دال ہے اور وہ ارشاد ہے نبی کریم ﷺ کا کہ پھر اس کی روح اس کے جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔
(کتاب الروح ص ۵۲)

۳...... مولانا عبدالعزیز (نبراس ص ۳۲۲) "وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السؤال" صحیح احادیث صاف اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

۴...... علامہ سیوطی (شرح الصدور ص ۶۰) "ان الاحادیث مصرحة باعادة الروح الی البدن عند السؤال" احادیث صاف صراحت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔

۵...... علامہ سلفی (بشری الکئیب ص ۹۷) "عود الروح الی الجسد فی القبر ثابت علی الصحیح لجمیع الموتی وانما الخلاف فی استمرارها فی البدن" قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جانا صحیح حدیث سے ثابت ہے جو تمام مردوں کے لئے ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ عود کے بعد روح ہمیشہ بدن میں رہتی ہے یا نہیں۔

فائدہ: عود روح کے متعلق احادیث متواترہ صاف اور صریح موجود ہیں اور اس پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔ عود روح کا منکر حدیث کا بھی منکر ہے اور اجماع کا بھی منکر ہے۔ اہلسنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو پھر وہ کیا ہے؟

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق

اس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو (شرح حدیث النزول ص ۸۲) "ان سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن او المسئالة للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره الجمهور وکذالک السؤال للروح بلا بدن قاله ابن میسره وابن حزم ولو کان کذالک لم یکن للقبر بالروح اختصاص" تمام احادیث صحیح متواترہ روح کے بدن میں اعادہ پر دلالت کرتی ہیں کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح ابن میسرہ اور ابن حزم نے کہا ہے کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قبر کا اختصاص روح سے نہ ہوتا۔

عود روح کے انکار کا عقیدہ ابن میسرہ کا ہے اور ابن حزم نے اسی سے لیا ہے اور ان کا اہلسنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے دعویٰ تواتر کی تصدیق اور تائید علامہ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے کی ہے۔

"قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت

السؤال وسوال البدن بلا روح قول قال طائفة من الناس والكره الجمهور وقابلهم الاخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن وهذا قاله ابن مره وابن حزم كلاهما غلط والاحاديث الصحيحة ترده" شیخ الاسلام نے فرمایا کہ احادیث صحیح متواترہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں، کچھ لوگوں نے کہا سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے۔ جمہور نے اس کو رد کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ یہ بات ابن مرہ اور ابن حزم نے کہی۔ مگر دونوں قول غلط ہیں۔ صحیح احادیث اس کی تردید کرتی ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

اور (شرح الصدور ص ۶۰) "قال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السؤال" ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر احادیث متواتر ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے (شرح حدیث النزول ص ۸) پر تصریح فرمائی ہے کہ زاذان جو حدیث بذریعہ براء بن عازب ؓ بیان فرماتے ہیں اس پر تمام امت کا سلف سے خلف تک اتفاق رہا ہے۔ گویا قبر میں عود روح الی البدن کے مسئلہ پر ۴۰۰ سال تک اتفاق رہا اور غالباً اس کی مخالفت کا عام اظہار سب سے پہلے ابن حزم ظاہری نے کیا اور حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کے قلم سے بھلا کون شریف آدمی بچ سکا ہے۔ اس بناء پر جمہور نے ابن حزم کے قول کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی۔ حتیٰ کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ:

"قرون ثلاثہ میں یہ حدیث اسی طرح منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے کسی نے اشراق سے کسی نے حسن تعلق صاحب خانہ بخانہ د عاشق بہ معشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (جواہر القرآن ج ا ص ۱۹۴)

ذرا آگے چل کر مولوی صاحب فرماتے ہیں: "متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔"

اس اقرار سے صاف ظاہر ہے کہ ۴۰۰ سال تک عود روح الی البدن کا عقیدہ متفق علیہ چلا آیا۔ چوتھی صدی کے بعد یہ بحث چھڑی کہ روح کا تعلق بدن سے کس نوعیت کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ بحث پھر بھی نہ چھیڑی گئی کہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ "تعلق کیسے ہوتا ہے۔" پر اظہار خیال کیا جانے لگا۔ گویا سلف صالحین اور خلف صالحین نفس عود روح الی البدن کے مسئلہ کے قائل ہی چلے آئے۔ کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ کوئی مفسر قرآن یا محدث، متکلم یا فقیہ عود روح الی الجسد کا مخالف نہیں پایا گیا اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ کیوں کہ احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہوتے ہوئے بھلا کوئی صاحب ایمان مخالف ہو سکتا تھا۔ یہ جرأت تو موجودہ دور کا ہی خاصہ ہے: چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

جناب قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب کے لئے (تسکین القلوب ص ۶۸ تا ۷۰) تک بڑی خامہ فرسائی ہے کہ جمہور کے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت میں کوئی سند فراہم کر سکیں گے۔ مگر بات نہ بن سکی۔ آخر مجبور ہو کر فرماتے ہیں۔"

"عبارات علماء میں عود روح کے متعلق اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے۔"

حضرت قاضی صاحب اگر اپنے اندر جھانک لیتے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اضطراب علماء کی عبارات میں نہیں بلکہ ہجوم اضطراب آپ کے اندر ہے کہ اس طائفہ نے اسلاف و اخلاف کی راہ سے ہٹ کر ایک نئی پگڈنڈی پر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا ہے۔ مگر سامنے تو جھاڑ جھنکار کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بس یہ ہے وجہ اضطراب۔ مگر اندر کا اضطراب باہر کی کوششوں سے سکون میں تبدیل کیسے ہو۔ کیوں کہ سنت اللہ بھی ہے کہ" ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى "(النساء:۱۱۵) اس سے آگے کا حال اللہ ہی جانے۔

یہاں ایک مخلصانہ مشورہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات کسی بات پر متفق ہو کر کوئی آواز اٹھاتے تو چلو آواز میں کوئی زور تو ہوتا۔ مگر یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے سے فائدہ؟ جناب عنایت اللہ شاہ صاحب اور جناب محمد امیر بندیالوی صاحب تو عود روح اور تعلق روح کے سرے سے منکر ہیں اور صالحیہ کرامیہ معتزلہ کی سر میں سر ملا کر بیکار گلے پھاڑ رہے ہیں اور جناب مولوی غلام اللہ خان صاحب کے قلم سے نہ جانے کیسے نکل گیا کہ ۴۰۰ سال تک اس عقیدہ کو اسی طرح قبول کیا گیا اور بعد میں بھی تعلق روح کی نفی پر بحث کسی نے نہیں چھیڑی۔ ہاں تعلق کی کیفیت یا نوعیت زیر بحث آتی رہی اور حضرت قاضی صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ عذاب قبر حق ہے۔ مگر اپنے باطنی اضطراب کی وجہ سے قبر کو اٹھا کے علیین اور سجین میں رکھ دیا۔ ذرا اتنا تو غور فرما لیتے کہ اللہ کی کتاب نے قبر کا مفہوم کیا پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو آٹھ آیتیں ہم نے پیش کی ہیں۔ ذرا ان پر غور فرمالیں۔ ممکن ہے سارا قرآن پڑھنے کی فرصت نہ ملے۔

اعادہ روح کے متعلق احادیث

لیجئے اعادہ روح کے متعلق چند احادیث اور پیش کی جاتی ہیں: شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

۱...... (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲)" وعن البراء مطولا بينا اخرجه اصحاب السنن وصححه ابو عوانة وغيره وفيه من الزيادة في اوله استعيذوا بالله من عذاب القبر وفيه فترد روحه في جسده وفيه فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك وفيه ان الكافر تعاد روحه في جسده فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك" حضرت براء رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث بیان ہوئی جس کو اصحاب سنن نے بیان کیا اور ابو عوانہ وغیرہ نے اس کو صحیح کہا اور اس میں ابتداء میں یہ الفاظ زائد ہیں استعیذوا باللہ من عذاب القبر اور اس حدیث میں ہے کہ روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس میں ہے کہ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے اور اس میں ہے کہ کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور ظاہر ہے جسد قبر میں ہے اور قبر وہی گڑھا ہے جس میں جسد کو رکھا گیا۔ جسد کو علیین یا سجین میں لے جا کر وہاں عود روح ہونے کا مفہوم یہاں سے تو نکل نہیں سکتا۔

۲...... (الفتاوی الحدیثیہ ج ۱ ص ۲۸)" وقد اخرج ابن ابي الدنيا وابن ابي حاتم وابو نعيم عن جابر بن عبد الله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم الى ان قال فاذا حضره الموت ارتفع ذالك الملكان وجاءه ملك الموت ليقبض روحه فاذا دخل قبره رد الروح اليه في جسده وجاءه ملكان القبر۔ الخ" ابن ابی الدنیا نے اور ابن ابی حاتم نے اور ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو اخراج کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنا۔ جب انسان کے پاس موت آتی ہے تو یہ دو فرشتے چلے جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ آجاتا ہے کہ اس کی روح قبض کرے۔ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور قبر کے دو فرشتے آجاتے ہیں۔

میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے علیین یا سجین میت کے جسد کو رکھنے کے لئے جاتے ہوئے نہ کسی کو دیکھا گیا نہ اس کا امکان ہے۔ میت کے جسد کو اسی قبر میں رکھتے ہیں جو زمین پر ہوتی ہے اور ہاتھوں سے کھودی جاتی ہے۔ آپ حضرات قبر کو زمین سے اٹھا کر علیین یا سجین میں کیونکر لے گئے؟

۳...... مشکوٰۃ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث میں مذکور ہے: "ثم یقیض لہ اعمٰی و اصم معہ مرزبۃ من حدید لو ضرب بھا جبل لصار ترابا فیضربہ بھا ضربۃ یسمعھا ما بین المشرق و المغرب الا الثقلین فیصیر ترابا ثم یعاد فیہ الروح" پھر اس میت کے لئے ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے پاس آہنی ہتھوڑا ہوتا ہے۔ اس سے میت کو مارتا ہے اگر اس سے پہاڑ پر ضرب لگائی جائے تو مٹی ہو جائے، اس کی آواز مشرق و مغرب کی مخلوق سنتی ہے۔ سوائے جن و انس کے پھر وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

ہاں تو یہ روح کو ہتھوڑے لگتے ہیں اور روح مٹی ہو جاتی ہے یا جسد؟ اور یہ حالت تو جسد سے ہی متعلق ہے تو جسد اس قبر میں پڑا ہے۔ جس کے متعلق کسی میں "اضطراب" پایا جاتا ہے۔

مٹی وہی چیز ہوتی ہے جو مٹی سے پیدا ہوئی، بدن مٹی سے پیدا ہوا وہی مٹی ہوا نہ جسم مثالی، جسم مثالی فرضی چیز جو نہ مٹی سے پیدا ہوا نہ مٹی ہوتا ہے۔ اسی طرح روح بھی مٹی نہیں ہوتا ہے۔

۴...... (شرح حدیث النزول ص ۸۱) "عن ابی ھریرۃ قال ان المیت تحضرہ الملائکۃ الی ان قال فترسل بین السماء و الارض فتصیر الی قبرہ فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں اس کی روح آسمان اور زمین کے درمیان روانہ کی جاتی ہے۔ پھر وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو مرد صالح قبر میں بیٹھ جاتا ہے۔

(ص ۸۲) "والمقصود انہ فی حدیث ابی ھریرۃ قولہ: فیصیر الی قبرہ کما فی حدیث البراء بن عاذب و حدیث ابی ھریرۃ روی من طرق تصدق حدیث البراء بن عازب اذا وضعت الجنازۃ فاحتھا الرجال علی اعناقھم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی و ان کانت غیر ذالک قالت لاھلھا یاویلھا ان یذھبون بھا سمع صوتھا کل شیء الا الانسان" حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں فیصیر الی قبرہ سے مقصود وہی ہے جو حدیث براء بن عازب سے ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کئی طریقوں سے بیان ہوئی ہے جو حدیث براء بن عازب کی تصدیق کرتی ہے۔ جب میت کے جنازہ کو آدمی اٹھا کے لے چلتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے۔ مجھے آگے لے چلو اور اگر برا ہو تو کہتا ہے ہائے مجھے کہاں لے چلے ہو۔ انسان کے بغیر سب اس کی آواز کو سنتے ہیں۔

۵...... (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۰، اور فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۰) پر "فی آخر الحدیث یسمع صوتھا کل شیء دال علی ان ذالک بلسان القال لا بلسان الحال" ہر شے اس کی آواز سنتی ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لسان قال سے کہتا ہے زبان حال سے نہیں۔

۶ ...... (فتح الباری ص ۱۹۷) "وتاكيد الكلام بما لا يحتمل المجاز وهو قول يسمع صوتها كل شئ الالانسان ولولا هذا لامكن ان يحمل على القول بلسان الحال لكن بعد هذا لا يسوغ هذا الحمل" اور تاکیدی کلام ایسے الفاظ سے کی گئی ہے کہ مجاز کا احتمال نہیں اور وہ الفاظ "يسمع صوتها كل شئ الا الانسان" اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اسے قول حالی پر محمول کیا جاتا لیکن ان الفاظ کے بعد جائز نہیں کہ مجاز پر محمول کریں۔

اس میت محمولہ کی آواز جن سن لیتا ہے لیکن انسان نہیں سن سکتا۔ عذاب قبر جن اور انسان دونوں نہیں سن سکتے۔ مادی آنکھوں اور کانوں سے جن اور انسان کے بغیر تمام حیوان دیکھا اور سن لیتے ہیں۔ مگر جدید اجتہاد اور جدید ترین تحقیق ملاحظہ ہو۔

"اس کی چیخ و پکار کو برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں۔ مگر ثقلین نہیں سنتے۔" (اقوال مرضیہ ص ۲۳)

معلوم ہوتا ہے کاتب سے سہو ہوگئی غالباً اصل عبارت یوں تھی کہ "برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں مگر برزخ کے ثقلین نہیں سنتے۔" کیوں کہ یہ بے جوڑی بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد صاحب نے حیوانوں کے لئے برزخ تجویز کیا ہو اور ثقلین کے لئے یہ مادی دنیا دونوں کا محل ایک ہی ہونا مناسب ہے۔

اور جناب قاضی شمس الدین صاحب نے (تسکین القلوب ص ۴۲، ۴۳) پر برزخ کے حیوان مراد لئے ہیں۔ لیجئے محقق گردید رائے بوعلی بارائے من۔

ان "صاحبین" سے گزارش ہے کہ یہ مراد لینے کے لئے کوئی ثبوت بھی پیش فرمایا ہوتا عقل کا تو خیر وہاں گزر ہی نہیں۔ مگر کوئی نقلی ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا۔ کس محدث نے کس شارح حدیث نے کس فقیہ نے، کس متکلم نے بلکہ کس پڑھے لکھے آدمی نے آپ سے پہلے برزخ کے حیوان مراد لئے ہیں کوئی ایک قول سہی۔ قول رسول، قول صحابی، قول تابعی، قول مجتہد، کوئی تو دلیل نقلی پیش کیجئے ورنہ یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ یہ ذہن رسا چودہ سو سال میں کسی اللہ کے بندے کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ زہر کو تریاق کا نام دے کر پیش کرنا کوئی معقول رویہ نہیں بلکہ دیانت کے خلاف ہے۔

اعادہ روح کے متعلق فقہائے کرام اور صوفیائے عظام کا عقیدہ

جو شخص اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت میں شمار کرتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مسلک کے ان محقق علمائے متقدمین کی تحقیق کے خلاف نہ جائے۔ جنہوں نے قرآن وسنت کے مطالعہ میں اور استنباط مسائل میں عمریں صرف کر دیں اور ورع، تقویٰ اور اعتصام بالکتاب والسنۃ میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ:

تنگ بر ما رہگذار دیں شدہ ہر لئیمے راز دار دیں شدہ

اس سلسلے میں چند چوٹی کے علماء کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں:

۱ ...... (فقہ اکبر مع شرح ملا علی القاری ص ۱۲۰) "واعادة الروح الى العبد فى قبره حق" اس کی شرح میں فرمایا "واعادة الروح اى ردها وتعلقها الى الجسد اى جسده بجميع اجزاءه او ببعضه مجتمعة او متفرقة فى قبره حق" اور قبر میں بندہ کی طرف روح کو لوٹایا جانا حق ہے اور اعادہ روح کے معنی اس کا لوٹانا اور اس کا تعلق قبر میں بندہ کے ساتھ یعنی اس کے تمام اجزاء کے ساتھ یا بعض اجزاء کے ساتھ کرنا خواہ وہ متفرق ہوں یہ حق ہے۔

اور اسی کتاب کا (ص ۱۲۱) ''واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالٰی یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتألم ویتلذذ ولکن اختلفوا فی انه هل یعاد الروح الیه والمنقول عن ابی حنیفة التوقف الا ان کلامه مما یدل علی اعادة الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح'' خوب سمجھ لو کہ اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر کے اندر میت میں ایک قسم کی حیات پیدا کرتا ہے جس سے اس کو الم اور لذت کا احساس ہو سکے لیکن اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا روح کا اعادہ اس کی طرف قبر میں ہوتا ہے اور امام صاحب سے توقف منقول ہے۔ مگر امام صاحب کا کلام اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ قبر میں سوال وجواب فعل اختیاری ہے اور بغیر روح کے اس کا تصور کرنا محال ہے۔

اس توقف کے بارے ملا علی القاری رحمہ اللہ نے تصریح فرمادی ہے ''ولعل توقف الامام فی ان الاعادة متعلق بجزء البدن او کله'' اور شائد امام صاحب کا توقف اس امر میں ہو کہ اعادہ روح سارے بدن کی طرف ہوتا ہے یا جزو بدن کی طرف۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۸)

۲...... (کتاب الصلوٰۃ امام احمد بن حنبل ص ۲۱۵) ''والایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم الرد فی الاجساد فی القبور فیسئالون عن الایمان والتوحید'' حوض کوثر، شفاعت، منکر نکیر، عذاب قبر ملک الموت کے روح قبض کرنے۔ پھر قبر میں روح الی الجسد لوٹائے جانے اور ایمان اور توحید کے متعلق سوال ہونے پر ایمان لانا۔

اعادہ روح کا مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ صریح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے اس لئے امام صاحب اسے ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں۔ جب اعادہ روح کا عقیدہ ایمان سے ہے تو عدم اعادہ روح کا عقیدہ کیا ہونا چاہئے؟

۳...... امام محی الدین النووی (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶) ''ثم العذاب عن اهل السنة الجسد بعینه او بعضه بعد اعادة الروح الیه او الی جزا منه وخالف فیه محمد بن جریر عبدالله کرام وطائفة فقالوا لا یشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحی'' اہلسنت کے نزدیک عذاب بعینہ جسد عنصری یا اس کے جزو کو ہوتا ہے جو بعد اعادہ روح کے ہوتا ہے۔ مگر محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لئے اعادہ روح شرط نہیں۔ ہمارے علماء کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ درد اور احساس صرف زندہ کو ہو سکتا ہے۔

نوٹ: محمد بن جریر سے مراد امام ابن جریر مفسر اور محدث نہیں بلکہ کرامیہ فرقہ کا پیشوا محمد بن جریر مراد ہے۔ اس کے متعلق مولانا عبدالحکیم نے حاشیہ خیالی میں تصریح فرمادی ہے۔

''ذهب الصالحی من المعتزلة وابن جریر الطبری من الکرامیة الی جواز تعذیب غیر الحی وهو سفسطة ظاهرة لان الجماد لا حس له فکیف یتصور تعذیبه'' معتزلہ میں سے صالحی اور کرامیہ سے ابن جریر حیات کے بغیر عذاب کے قائل ہیں۔ لیکن یہ جہالت محض ہے کیوں کہ پتھر میں احساس نہیں تو اس کو عذاب دینے کا تصور کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔ (ص ۱۱۸)

اہلسنت والجماعت کے ان شارحین حدیث اور مجتہدین کرام کے مقابلہ میں جو۔ تحقیق ملاحظہ ہو: "جس عذاب ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آتا ہے۔ دراصل اس کا محل روح ہی ہے...... اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے۔ حیات ترکیبی کے ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔" (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

امام نووی ؒ فرمائیں کہ اہلسنت کے نزدیک معذب جسد اعادہ روح کے بعد ہوتا ہے۔ ملا علی قاری ؒ فرمائیں کہ جسد کے جمیع اجزاء یا بعض اجزاء میں اعادہ روح ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ اعادہ روح اور عذاب قبر کو ایمانیات میں شمار فرمائیں۔ مگر ہمارے بندیالوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اعادہ وغیرہ تکلف محض ہے۔ بس روح ہی محل ہے اور لطف یہ کہ احادیث وآثار کا فہم اور نصوص کے مفہوم کی سمجھ آئی تو بندیالوی صاحب کو اور یہ "اگر" کی بیخ لگا کے جو حیات بسیط کا ذکر فرمایا تو ذرا اس کے لئے کوئی دلیل تو پیش فرمائیں۔ آپ تو خیر کسی دلیل کے محتاج نہیں کیوں کہ آپ کا مسلک ہے: مستند ہے میرا فرمایا ہوا

مگر "برعکس نام زنگی نہند کافور" اقوال مرضیہ کا مطالعہ کرنے والوں کا حق ہے کہ آپ سے دلیل نقلی کا مطالبہ کریں۔

پھر حضرت بندیالوی فرماتے ہیں: (اقوال مرضیہ ص ۲۶) "ان المیت جماد لا حیات له ولا ادراک له فتعذیبه محال" "میت تو پتھر ہے اس میں نہ زندگی ہے نہ ادراک اس لئے اس کو عذاب ہونا محال ہے۔

اہلسنت والجماعت کے مستند محققین فرمائیں کہ "قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحیی" اور آپ کے نزدیک جماد محض ہے۔ لہٰذا تعذیب محال ہے۔ ذرا اپنے مسلک کا سلسلہ نسب متقدمین اہلسنت والجماعت میں سے کسی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش بھی فرمائیں۔

۴...... علامہ شعرانی (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۹) "فترد روح المعذب الی جسده کله او ما بقی منه فان لا یمتنع احیاء بعض الجسد" پھر معذب کی روح اس کے سارے جسم یا جو حصہ باقی ہو اس میں لوٹائی جاتی ہے۔ کیوں کہ جز وبدن میں حیات ہونا ممتنع نہیں۔

پھر اسی کے (ص ۱۴۰) پر معتزلہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وهذا لیس بشیئ لما صح فی ابو داؤد وغیره مرفوعا ان الروح تعود الی الجسد" اور معتزلہ کا یہ قول کوئی چیز نہیں کیوں کہ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح مرفوع حدیث کی رو سے اعادہ روح الی الجسد ثابت ہے۔

پھر فرماتے ہیں: "فیسئلا ان العبد بعد رد روحه الیه کله او ما بقی منه" پھر دونوں فرشتے بندے سے سوال کرتے ہیں۔ جب روح اس کے سارے جسم میں یا جز وبدن میں لوٹا دی جاتی ہے۔

۵...... امام قرطبی (تذکرہ ص ۳۶) "حتی اذا جاءه ملک الموت یقبض روحه کان معه حتی یدخل حضرته وترد الروح الی جسده" جب مرنے والے کے پاس موت کا فرشتہ روح قبض کرنے آجاتا ہے تو اس کے ساتھ رہتا ہے حتی کہ قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے اور اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔

اسی کتاب کے (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں: "فاذا وصل المصلی وصلی علیه ودفن ردت فیه الروح وقعد ذا روح وجسد ودخل علیه الملکان الفتانان فلیسئلانه" جب میت کی نماز جنازہ پڑھ لی جاتی ہے اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے تو اس میں روح لوٹائی جاتی ہے اور روح اور بدن سمیت بیٹھتا ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اور اسے سوال کرتے ہیں۔

اسی طرح امام سیوطی نے (بشریٰ الکئیب اور شرح الصدور) میں کوئی دس مقامات پر تعادالروح الی جسدہ لکھا ہے۔

۲...... علامہ عبدالعزیز فرہاروی (نبراس ص ۳۲۲) "وعندی فی هذاالجواب بعث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعادفی الجسد عند السؤال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه" میرے نزدیک اس جواب پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صحیح احادیث اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ اس لئے اعادہ روح کے انکار کا حاصل جواب دینا درست نہیں۔

"وحاصل الجواب ان الحیاة للمیت لیست کحیوة غیره باعادة الروح فی الجسد اعادة کاملة" حاصل جواب یہ ہے کہ میت میں حیات وہ نہیں ہوتی جو دوسروں میں ہوتی ہے۔

یہ اس جواب کا ذکر ہے جو علامہ تفتازانی نے معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا ہے۔ جس میں ایک قسم کی حیات قبر میں تسلیم کی ہے۔ مگر یہ قول صحیح حدیث کے مخالف تھا۔ اس لئے اس کی تردید فرمائی ہے۔

تعلق روح

گزشتہ باب میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ روح کا تعلق جسد عنصری مدفونہ فی القبر کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اسی تعلق سے بدن کو تلذذ وسرور اور درد والم کا احساس ہوتا ہے۔ اسی تعلق سے بدن میں نوع حیات پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ حیات کے بغیر نہ تألم نہ تلذذ، جماد محض کو عذاب وثواب کا کیا مطلب۔

تعلق کلی مشکک ہے یہ باعتبار زمان، اشخاص اور اوقات متفاوت ہوتا ہے۔ جیسا (روح المعانی ج ۲۳ ص ۴۸، ۴۹) "وعندی ان التعلق ایضا لیتفاوت قوة وضعفا بحسب الاشخاص بل ویجب الازمان" اور میرے نزدیک تعلق روح متفاوت ہے بلحاظ قوت وضعف باعتبار اشخاص اور باعتبار زمانہ۔ یعنی یہ تعلق انبیاء، صدیقین، صالحین، عوام مومنین اور کفار میں متفاوت ہوگا۔

۱...... اور (کتاب الروح ص ۱۲۵) "بل لها اشراف واتصال بالقبر وفنائه وذالک القدر منها یعرض علیه مقعده فان للروح شانا اخر تکون فی الرفیق الاعلی فی اعلی علیین ولها اتصال بالبدن بحیث اذا سلّم المسلّم علی المیت رد الله علیه روحه فیرد علیه السلام وهی فی ملاء الاعلی" بلکہ روح کے لئے قبر اور صحن قبر کے ساتھ اشراف واتصال ہے اور اسی اتصال کی بناء پر اسے عذاب وثواب ہوتا ہے۔ روح کے لئے ایک شان ہے اور وہ علیین میں ہو تو بھی بدن کے ساتھ اتصال ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی میت کو سلام کہے تو اللہ تعالیٰ روح کو میت کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے اور روح اس وقت ملاء اعلیٰ میں بھی ہوتا ہے۔ یعنی روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی بناء پر بدن کو ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے۔

۲...... اور (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) "ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تتفرق اجزائه لان الله قادر ان یعید الحیاة الی جزء من الجسد ویقع علیه السؤال کما هو قادر علی ان یجمع اجزائه" اور اس میں کوئی چیز مانع نہیں کہ میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں (تو حیات پیدا ہو جائے) کیوں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جزو بدن میں حیات لوٹا دے اور اس سے سوال ہو جیسا کہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

۳...... (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۹۳) "ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلة مشرقة علی سائر اجزائه وان تفرقت وکان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب" پھر خوب سمجھ لو کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال ایک جزو کا چھوڑ کے دوسرے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ یہ اتصال، متصل ہے اور تمام اجزائے بدن میں روح پہنچ جاتی ہے۔ خواہ ایک جزو مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں۔

یعنی اجزائے بدن خواہ کتنے باریک ہوں بکھرے ہوئے ہوں روح کا تعلق و اتصال ان اجزاء سے تا ہے۔

۴...... اور امام نووی (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵) "قال اصحابنا ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزائه کما نشاھدہ فی العادۃ او اکلہ السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما ان اللہ تعالٰی یعیدہ للحشر وسبحانه وتعالٰی قادر علی ذالک فکذا یعید الحیاۃ الی جزء منه وان اکله السباع والحیتان" ہمارے اہلسنت والجماعت کے بزرگوں نے فرمایا کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ اگر میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں جیسا کہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے یا اسے درندے کھا جائیں یا مچھلیاں نگل جائیں یا ایسی ہی کوئی اور صورت پیش آئے تو جس طرح اللہ تعالٰی حشر میں روح کو لوٹائے گا اور اس پر قادر ہے اسی طرح وہ اس بات پر قادر ہے کہ بدن کے کسی حصہ میں حیات پیدا کر دے اگرچہ اسے درندے کھا گئے ہوں یا مچھلیاں نگل گئی ہوں۔ یعنی ہر جزء میں حیات ہوتی ہے۔

۵...... (شفاء السقام ص ۱۹۷) "واما الادراک فیدل له مع ذالک الاحادیث الواردۃ فی عذاب القبر وھی احادیث صحیحة متفق علیھا رواھا البخاری ومسلم وغیرھما واجمع علیھا ومدلولھا اھل السنة والاحادیث فی ذالک متواترۃ" اور جہاں تک ادراک کا تعلق ہے تو یہ اس پر (حیات) دلالت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ احادیث جو عذاب قبر کے متعلق آئی ہیں اور جو صحیح اور متفق علیہ ہیں اور ان کو بخاری اور مسلم اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے ان پر اور ان کے مدلول پر اہلسنت کا اجماع ہے اور اس امر میں یہ حدیثیں متواتر ہیں۔

۶...... (ایضاً ص ۲۰۵) "وقد عرف بھذا ان حیاۃ جمیع الموتٰی بارواحھم واجسامھم فی قبورھم لاشک فیھا" اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حیات قبر تمام مردوں کے لئے جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

۷...... (ایضاً ص ۲۰۲) "مع دلالة بقیة الاحادیث المتفق علیھا علی السماع والکلام والقعود وغیرھا مما یستلزم الحیاۃ وعود الروح۔ وقد اجمع اھل السنة علی اثبات الحیاۃ فی القبور" باقی احادیث جو متفق علیہ ہیں سماع، کلام، قعود وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں جو حیات اور عود روح کو مستلزم ہے اور حیات فی القبر پر اہلسنت کا اجماع ہے۔

۸...... "قال امام الحرمین فی الشامل اتفق سلف الامة علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتٰی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم" امام الحرمین نے شامل میں کہا ہے کہ سلف صالحین کا اجماع ہے۔ عذاب قبر وحیات قبر اور جسم میں روح کے اعادہ پر۔

۹...... "وقال الفقیه ابوبکر بن العربی فی الامد الاقصٰی فی تفسیر اسماء الحسنٰی ان احیاء المکلفین فی القبر وسوالھم جمیعاً لاخلاف فیه بین اھل السنة" فقیہ ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب تفسیر اسماء الحسنٰی میں کہا ہے کہ تمام مکلفین کے قبروں میں زندہ کرنے اور ان سے سوال کے بارے میں اہلسنت میں کوئی اختلاف نہیں۔

۱۰...... "وقال سیف الدین الآمدی فی کتاب "الابکار الافکار" اتفق سلف الامۃ قبل ظہور المخالف واکثرھم بعد ظہورہ علی اثبات احیاء الموتی فی قبورھم ومسئالۃ المکفلین لھم واثبات عذاب القبر للمجرمین والکافرین وقولہ تعالی امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین ای حیاۃ المسئالۃ فی القبر وحیاۃ الحشر لانھا احیاتان عرفوا اللہ بھا الحیاۃ الاول فی الدنیا لم یعرفوا اللہ بھا" سیف الدین آمدی نے اپنی کتاب الابکار الافکار میں کہا ظہور اختلاف سے پہلے تمام علماء امت نے اور اس کے بعد اکثر نے ان امور پر اتفاق کیا، حیات، قبر، مکلفین سے سوال، عذاب قبر کا اثبات مجرموں اور کافروں کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب، سوال کے لئے حیات قبر اور حیات حشر ہے۔ کیوں کہ دونوں زندگیاں ہیں۔ جن سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ پہلی زندگی تو دنیوی زندگی ہے جس میں انہیں خدا کی معرفت حاصل نہ ہوئی۔

۱۱...... "وقال القرطبی ان الایمان بہ مذھب اھل السنۃ والذی علیہ الجماعۃ من اھل الملۃ ولم یفھم الصحابۃ الذین نزل القرآن بلسانھم ولغتھم من نبیھم ﷺ غیر ذالک وکذالک التابعون بعدھم" قرطبی نے کہا کہ اس پر ایمان لانا اہلسنت کا مذہب ہے! اور اسی پر اہل حق کی، جماعت قائم رہی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی زبان اور محاورے پر قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم ﷺ سے اس کے بغیر دوسرا مطلب نہ سمجھا۔ اسی طرح تابعین نے بھی صحابہ سے یہی سمجھا۔

۱۲...... (ایضاً ۴۵۴) "واما من تفرقت اجزائہ خبیر واللہ الروح الی کل جزء یسئال الملکان" جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس کے اجزائے بدن بکھر گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہر جزو بدن میں روح کو لوٹا تا ہے اور ملائکہ ان سے سوال کرتے ہیں۔

۱۳...... (شرح مواقف ص ۵۱۷) "احیاء الموتی فی قبورھم ومسئلۃ منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عندنا واتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظہور الخلاف واتفق علیہ الاکثرون بعدہ" قبروں میں مردوں کو زندہ کرنا، سوال نکیرین عذاب قبر کافر اور فاسق کے لئے ہمارے نزدیک سب حق ہے اور ظہور اختلاف سے پہلے ساری امت کا اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد اکثر کا اتفاق رہا۔

سلف صالحین کا عقیدہ، جو مذکرہ بالا اقوال میں پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... عود روح الی البدن حق ہے۔ سوال نکیرین اور عذاب قبر حق ہے۔

۲...... روح کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تمام اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب اجزاء بکھر جائیں۔

۳...... صحابہ کرام، تابعین اور سلف امت کا اس پر اتفاق ہے۔

۴...... اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر میں مدفونہ جسد میں عود روح ہوتا ہے اور عذاب وثواب قبر حق ہے۔

دور جدید کے اہلسنت کا عقیدہ

اب دور جدید کے مدعیان اہلسنت کا عقیدہ ملاحظہ ہو:

(شفاء الصدور ص ۱۰) "بل الارواح کلھم فی مستقراتھم ومقاماتھم اما معذبون واما منعمون لھم اجساد مثالیہ فی عالم البرزخ لا تعلق لھم بھذا الاجساد الترابیۃ الارضیۃ العنصریۃ للمدفونۃ فی

حفر الارضیۃ'' بلکہ تمام ارواح اپنے اپنے مقام پر یا عذاب میں ہیں یا راحت میں عالم برزخ میں ان کے لئے جسم مثالی ہیں ان مٹی کے جسموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں جو ارضی ہیں۔ عنصری ہیں اور زمین کے گڑھوں میں دفن ہیں۔

یعنی روح کا تعلق اس جسد سے مطلق نہیں ہوتا جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تمام اسلاف و اخلاف اہلسنت کے اجماعی عقیدہ اور متواتر احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بالکل الٹ ایک عقیدہ پیش کیا جا رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

۱...... متواتر احادیث کا انکار (۲) اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کی مخالفت کیا خوب کہا ایک عارف نے:

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پر دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

۲...... (جواہر القرآن مولوی غلام اللہ خان ج ۱ ص ۱۹۴) '' بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت اور کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس لئے عالم برزخ میں تعلق بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے۔ کیوں کہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں ہے کیوں کہ متقدمین کی ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' انداز بیان بڑا محتاط ہے۔ مگر چند امور قابل غور ہیں۔

۱...... قرون ثلاثہ میں اعادہ روح کی احادیث سب کے سامنے تھیں اور عود روح الی الجسد پر سب متفق تھے تو بحث کیوں چھیڑی۔

۲...... متقدمین کی ایک کثیر تعداد جب اس تعلق کی قائل رہی تو قلیل تعداد میں شامل ہونا آخر کیوں ضروری ٹھہرا۔

۳...... ''عالم برزخ میں تعلق روح بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت احوط مسلک ہے'' کیا اسی احتیاط کا اظہار (شفاء الصدور ص ۱۰) پر کیا گیا ہے کیا ''لا تعلق لهم بهذه الاجساد الترابية الارضية العنصرية المدفونة في حفر الارض '' مسلک سکوت کی ترجمانی ہے۔

۴...... کیا قرون ثلاثہ متقدمین سے خارج ہیں؟ اگر متقدمین کا لفظ قرون ثلاثہ کے لئے بولا جاتا ہے تو ان کی کثیر تعداد اس کی قائل رہی تو پھر کیسے درست ہوا کہ قرون ثلاثہ میں اس کا ذکر نہیں تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس کا کوئی ذکر نہیں تھا کثیر تعداد اس کی قائل تھی: کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

۳...... (مسالک العلماء قاضی شمس الدین صاحب ص ۹۶، ۹۷) '' یہ سارے حضرات اس اتصال اور اشراق خصوصی کا ذکر کہیں نہیں کرتے جو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ مختص ہے اور جو اجسام پر حیات کا اثر ڈالے۔ وہی عمومی اتصال ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک روح کا خواہ وہ علیین میں ہو یا سجین میں جسم سے ہے جو حیات کا اثر ڈالنے کے لئے نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف تألم اور تلذذ تک اور وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عام جس کو علماء علم الکلام نے بیان کیا ہے۔''

جناب قاضی صاحب نے عذاب و ثواب برزخ کا صاف انکار کرنے کی جرأت نہیں فرمائی۔ وضعداری کا تقاضا یہی ہے کچھ تو رکھ رکھاؤ ہونا چاہئے۔ مگر اس اقرار نما انکار کے کئی پہلو قابل غور ہیں:

۱...... جناب کے نزدیک نبی کے تعلق روح اور کافر کے تعلق روح میں کوئی فرق نہیں۔ کیا آپ کو خیال نہ آیا کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کی صریح توہین ہے؟ روح المعانی کا حوالہ گزر چکا کہ ''وعندي ان التعلق ايضا مما يتفاوت قوة وضعفا بحسب الاشخاص بل وبحسب الازمان ايضاً'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۴۸، ۴۹)

مگر آپ نے سب تفاوت مٹا کے رکھ دیئے۔

۲...... جناب نے تعلق روح بالبدن کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تعلق تألم وتلذذ کے لئے ایک حیات کے لئے مگر اس کے لئے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔

۳...... جب یہ تعلق حیات کے لئے تو نہیں فرمایئے حیات کے بغیر تألم وتلذذ کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیا پتھر کے لئے بھی تألم وتلذذ کہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح صاف انکار کر دیتے تو اس (ملمع سازی) کی ضرورت نہ ہوتی۔ تألم وتلذذ کے لئے احساس ادراک اور فہم ضروری ہے اور یہ حیات کے بغیر محال ہے۔ علم فہم اور احساس کے لئے شرط ہے۔ یہی اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

(شوکانی: ارشاد الفحول ص ۱۵۳) ''فالعقلی کالحیاۃ للعلم فان العقل ھو الذی یحکم بان العلم لا یوجد الا بحیاۃ فقد توقف وجودہ علی وجودھا عقلا'' پس دلیل عقلی یہ ہے کہ حیات علم کے لئے شرط ہے۔ عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ حیات کے بغیر علم نہیں پایا جاتا۔ اس لئے علم کا وجود حیات کے وجود پر موقوف ہے۔

اور علامہ عبدالقاہر بغدادی (الفرق بین الفرق ص ۳۴۷) ''واجمعوا علی ان الحیاۃ شرط فی العلم والقدرۃ والارادۃ والرویۃ والسمع وان من لیس بحیی لا یصح ان یکون عالما قادرا مریدا مبصرا وھذا خلاف الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرویۃ والارادۃ فی المیت'' تمام اہلسنت کا اجماع ہے کہ علم، قدرت، ارادہ، رویت اور سمع کے لئے حیات شرط ہے اور جو زندہ نہیں اس کا عالم قادر، مرید اور مبصر ہونا صحیح نہیں۔ یہ قول صالحیہ اور قدریہ کے مخالف ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ علم، قدرت، رویت اور ارادہ حیات کے بغیر بھی میت میں ہونا جائز ہے۔

جناب قاضی صاحب نے تألم وتلذذ کے لئے حیات کو شرط قرار نہیں دیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں کیوں کہ فرقہ صالحیہ اور ان کے متبعین قدریہ بھی بات مدت ہوئی کہہ چکے ہیں۔ مگر یہ بات اہلسنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے اور قاضی صاحب اپنے آپ کو اہلسنت میں شمار بھی کرتے ہیں اب کون اس تضاد کو رفع کرے۔

صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ محفوظ ہونا شرط نہیں

اہلسنت کی تحقیق کے مطابق علم، سماع، کلام، تلذذ وتألم وغیرہ کے لئے وجود کا پورا ڈھانچہ ہونا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ذرات سے روح کا تعلق قائم کر کے سنا سکتا ہے۔ لیکن معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امور کے لئے وجود کا صحیح ہونا شرط ہے۔

اہلسنت کے دلائل

۱...... ''قال تعالیٰ رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھم جزأ الخ'' اے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کہ تم یقین نہیں لاتے کہا کیوں نہیں۔ لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے

فرمایا تو چار پرندے پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے۔(البقرۃ:۲۶۰)

علامہ رازی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''وقد احتج اصحابنا بھذا الایة علی ان البنیة لیست شرط فی صحة الحیاة وذالک لانہ تعالی جعل کل واحد من تلک الاجزاء والابعاض احیاء فاھما للنداء قادرا علی السعی والعدد فدل ذالک علی ان البنیة لیست شرط فی صحة الحیاة۔ ولما دلت الایة علی حصول فھم النداء والقدرة علی السعی لتلک الاجزاء حال تفرقھا کان دلیلا قاطعا علی ان البنیة لیس شرطا للحیاة'' ہمارے اہلسنت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزاء اور حصوں کو زندہ کیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی۔ دوڑنے پر قدرت حاصل ہوئی۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حیات کے لئے پورے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں......اور جب یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان اجزاء میں ندا کا فہم اور دوڑنے کی قدرت حاصل ہوئی جب کہ وہ بکھرے ہوئے تھے تو یہ قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۲۰)

۲...... (شرح مواقف ص ۲۱۰) اس امر کی بحث کرتے ہوئے کہ عذاب وثواب کے لئے انسان کی صورت نوعیہ کی بقا شرط نہیں۔ ''واما الصورة الاخری......فان ذالک ای التمسک بھا مبنی علی اشتراط البنیة فی الحیاة وھو ممنوع عندنا'' رہی دوسری صورت...... یہ تمسک اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لئے ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط ہے اور اہلسنت کے ہاں یہ شرط ممنوع ہے۔

۳...... (فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹) ''ولذا کان الحق ان المیت للمعذب فی قبرہ توضع الحیاة بقدر ما یحس بہ الالم والبنیة لیست بشرط عند اھل السنة والجماعة حق لو کان تفرق الاجزاء بحیث لا تتمیز الاجزاء بل ھی مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحیاة فی تلک الاجزاء التی لا یاخذھا البصر وان اللہ تعالی علی ذالک لقدیر'' حق یہ ہے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ اسے الم کا احساس ہو جائے اور اہلسنت والجماعت کے نزدیک جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں حتیٰ کہ جسم کے اجزاء بکھر جائیں مٹی میں مل جائیں اور ان کو عذاب دیا جائے تو ان اجزاء میں اور ذرات میں بھی حیات رکھی جاتی ہے۔ جنہیں انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری طرح قادر ہے۔

۴...... (مسامرہ ج ۲ ص ۱۱۸) ''فان ذالک الامر الذی فتکلم فیہ من سوال الملکین وعذاب القبر ونعیمہ ممکن اذلا شرط فی الحیاة البنیة کما قدمناہ'' تو جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں مثلاً فرشتوں کا سوال، عذاب قبر اور اس کی راحتیں یہ ممکن ہے۔ کیوں کہ حیات کے لئے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۵...... (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۷۷) ''قال تبارک وتعالی واستمع یوم ینادی المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحة بالحق قال یقف اسرافیل علی صخرة بیت المقدس ویقول یا ایتھا العظام النخرة والجلود المتفرقة والاشعار المنقطعة ان اللہ یامرکم ان تجمعین بفصل الخطاب''

اور تو جہ سے سنئے جس دن پکارنے والا پاس سے پکارے گا جس دن وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے فرمایا کہا اسرائیل بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑے ہو کر کہیں گے۔ اے بوسیدہ ہڈیو اور چورہ چورہ کھالو اور بکھرے ہوئے کٹے ہوئے بالو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے اکٹھے ہو جاؤ۔

اس پر دو سوال ہوئے (۱) کہ منادی ارواح کے لئے ہو (۲) منادی کا تعلق امر تکوینی سے ہو تو فرمایا:

''قلت ما ذکر من کلام اسرافیل خطاب للعظام والجلود لاللارواح فلا فائدة فی سماع الارواح یوم یسمعون صریح فی اثبات السماع'' میں کہتا ہوں کہ کلام اسرافیل کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ ہڈیوں اور چمڑوں کو خطاب ہے، ارواح کو نہیں۔ روحوں کے سننے کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ یوم یسمعون سماع موتی پر صریح دلیل ہے۔

۲...... (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱ص ۲۰۳) ''ویقدر علی تعلیق الروح بالجزء الاصلی منها حالة الانفراد وتعلیقة به حال الاجتماع فان البنیة عندنا لیست شرطا للحیاة'' اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ روح کا تعلق بدن کے اصلی اجزاء سے قائم کردے جب کہ وہ بکھرے ہوئے ہوں اور اس حالت میں بھی جب وہ مجتمع ہوں کیوں کہ ہمارے نزدیک جسم کا محفوظ ہونا حیات کے لئے شرط نہیں ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اہلسنت کے نزدیک سماع وغیرہ کے لئے میت کے بدن کا سالم ہونا شرط نہیں۔

اعادہ روح کے بعد جسم اور روح کا تعلق قائم رہتا ہے

اعادہ روح کے متعلق نصوص اور اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ سوال وجواب کے لئے قبر میں جو اعادہ روح ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ تعلق قائم رہتا ہے یا منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اتصال صرف سوال وجواب کے لئے ہے تو منقطع ہو جانا بعید نہیں اور اگر سوال وجواب کے بعد برزخ کے عذاب وثواب کے لئے بھی ہو تو اس تعلق کا قائم رہنا عقلاً بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ تألم وتلذذ کے احساس کے لئے حیات شرط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (جذب القلوب ص۱۸۶): بدانکہ تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصاً انبیاء علیہم السلام وقطع می کنم بعود حیات مر ہر میت را در قبر چنانکہ در احادیث ورود یافتہ است وورود نہ شدہ کہ بعد از عود حیات در بدن بار دیگر موت عود میکند۔ بلکہ نعیم قبر وعذاب قبر آنرا تا قیام قیامت ادراک می کند وشک نیست کہ ادراک مشروط بحیات است۔

تمام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ادراکات مثلاً علم اور سمع تمام اموات کے لئے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ قبر میں ہر میت کے لئے حیات ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ قبر میں عود حیات کے بعد موت آتی ہے بلکہ قبر کی نعمتیں اور عذاب قبر کا ادراک قیامت تک رہے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ادراک کے لئے حیات شرط ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تشریح فرما دی کہ اعادہ روح کے بعد قبر میں موت کا حدیثوں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح علامہ سبکی نے بھی وضاحت فرمائی ہے کہ احادیث میں میت کے لئے قبر میں حیات ثابت ہے۔ مگر دوبارہ موت قبر میں حدیثوں سے ثابت نہیں جن علماء نے اجتہاداً قبر میں موت ثانی کا اقرار کیا ہے وہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ اتنی حیات یہ تعلق روح ضرور ہوتی ہے کہ بدن بھی تالم وتلذذ کا احساس کر سکے۔ بہرحال محدثین کے عود وروح کا مسلک احادیث صحیحہ غیر مؤول پر مبنی ہے اور اتصال روح یا تعلق روح یا تاثیر روح کا مسلک اجتہادی ہے۔ اسی طرح عود روح منصوص اور متواتر ہے اور دوبارہ انقطاع غیر منصوص اور غیر ثابت ہے۔

(شفاء السقام ص ۲۰۳) "وقد وردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها ويقع بان الحياة تعود الى الميت واما انه هل يموت بعد ذالك موتة ثانية لم يرو فى الاحاديث تصريح بذالك" اس امر میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہیں، جن کی تصدیق کرنا واجب ہے اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ میت کے لئے قبر میں حیات ثابت ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے بعد میت پر آیا دوبارہ موت آتی ہے؟ تو احادیث میں اس دوسری موت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

سماع موتی

انسان روح اور بدن سے مرکب ہے۔ انسان کے قیام وقرار کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین زمانے مقرر فرمائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دارالقرار۔ ان تینوں زمانوں کے احکام جدا ہیں۔ ایک محل اور زمانے کے احکام کا اطلاق دوسرے محل اور زمانہ پر نہیں ہوتا۔

(کتاب الروح ص ۷۸) "وجعل لكل دار احكاما تختص بها مركب هذا الانسان من بدن ونفس وجعل احكام دار الدنيا على الابدان والارواح بتعالها فكما تبعت الارواح الابدان فى احكام الدنيا فاذا كان يوم حشر الاجساد وقيام الناس من قبورهم صار الحكم والنعيم والعذاب على الارواح والاجساد ظاهرا باديا اصلا" اور اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے احکام جدا بنائے ہیں جو اسی دور سے مختص ہیں اور انسان کو روح اور جسم سے مرکب بنایا اور احکام دنیا کا اجراء بدن پر کیا اور ارواح اس کے تابع ہیں اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری کئے جسم ان کے تابع ہیں۔ جیسا کہ احکام دنیا میں ارواح تابع اجسام ہیں اور جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو حکم اور نعمتیں اور عذاب ارواح اور اجسام دونوں کے لئے ظاہر و باہر ہوں گے۔

تابع ومتبوع کی مثال یوں سمجھئے کہ زید ایک محفوظ مقام پر سو رہا ہے خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ہوں، سامنے سے شیر آرہا ہے۔ زید ڈر کے مارے بھاگتا ہے۔ بیدار ہونے پر محسوس کرتا ہے کہ اس کا جسم خوف کے مارے کانپ رہا ہے اور پسینے میں شرابور ہے۔ اس تکلیف کا اثر بالذات تو روح پر ہوا۔ مگر بالتبع جسم کو احساس ہوا جو لرزہ اور پسینے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی صورت تلذذ کی ہے۔ محتلم کو خواب میں جو تلذذ ہوتا ہے وہ بالذات تو روح کو ہوتا ہے۔ مگر بالتبع جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں احکام شرعی کا مکلف بالذات بدن ہے اور بالتبع روح اور برزخ میں بالذات روح پر عذاب وثواب کا اثر ہوتا ہے اور بالتبع بدن پر۔ خواہ بدن کے ذرات منتشر ہو جائیں۔ حیات بالذات روح کی صفت ہے بالتبع بدن کی اور عذاب وثواب کے لئے حیات شرط ہے۔ اس لئے روح اور بدن دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ روح بالذات اور بدن بالتبع۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے روح اور بدن کے لئے جزا وسزا کے دو محل مقرر فرمائے ہیں گویا دو معاد ہیں اور دو بعثتیں ہیں: (کتاب الروح ص ۹۱) "فان الله تعالى جعل لابن آدم معادين وبعثين يجزى فيهما الذين اساؤا بما عملوا ويجزى الذين احسنوا بالحسنى فالبعث الاوّل مفارقة الروح البدن ومصيرها الى دار الجزاء الاوّل والثانى يوم يبعثهم الله من القبور الى الجنة او النار فان البعث الاوّل لا ينكره احد وان انكر كثير من الناس الجزاء فيه" تو اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لئے دو معاد اور دو بعثتیں مقرر فرمائی ہیں تا کہ ان میں بروں کو اپنے

کرتوتوں کی سزا اور نیکوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ پہلی بعثت روح کا جسم سے الگ ہونا اور پہلی دارالجزا میں جانا ہے اور دوسری بعثت وہ ہے جب اللہ تعالیٰ ان کو قبروں سے اٹھا کر جنت یا دوزخ میں بھیج دے گا۔ پس بعثت اوّل کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ البتہ اکثر لوگوں نے اس میں جزا کا انکار کیا ہے۔

مادی دنیا میں انسان کے لئے احکام ظاہر ہیں جو مادی آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ مگر عالم برزخ کے احکام مادی حواس سے محسوس نہیں ہوتے جو حکم روح کے لئے تسلیم کیا جائے وہ عالم برزخ میں بالذات روح کے لئے ہوگا اور بالتبع بدن کے لئے جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہے۔

روح اور بدن کے احکام کی حقیقت کی وضاحت کے بعد اب سماع موتی کے دلائل ایک خاص ترتیب سے پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے سماع موتی کے دلائل

''واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتٰی......ثم اجعل علٰی کل جبل منھن جزأ ثم ادعھن یاتینک سعیا'' اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا...... پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ (البقرۃ:۲۶۰)

اس آیت کے تحت امام رازی فرماتے ہیں: ''لانہ تعالٰی جعل کل واحد من تلک الاجزأ والابعاض احیاء فاھما للنداء قادرا علی السعی والعدد'' کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر جزو میں حیات پیدا کی آواز کی سمجھ پیدا کی اور دوڑ کر آنے کی قدرت پیدا کی۔ (کبیر ج ۲ ص ۳۲۹)

ان پرندوں کے اجزاء نے جو متفرق تھے ندا کو سنا سمجھا اور دوڑ کر حاضر ہوئے۔ اگر سننے اور سمجھنے کی نفی کریں گے تو دوڑ کر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اجزاء کا حاضر ہو جانا تسلیم کریں گے تو سننا تسلیم کرنا پڑے گا۔

قاضی صاحب کا ایک سوال

اس پر ایک سوال جناب قاضی شمس الدین صاحب نے وارد کیا ہے کہ حضرت عزیر کو ''جب اپنے حالات کا علم نہیں جو حضوری ہے تو غیروں کے اقوال کا علم کیسے ہو جو حصولی ہے۔'' (تسکین القلوب ص ۵۶) قاضی صاحب کا سوال عوام کو گمراہ کرنے کے لئے بظاہر بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے مگر اس کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ اب پوری آیت اور اس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

''او کالذی مرّ علٰی قریۃ وھی خاویۃ علٰی عروشھا قال انّی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الٰی طعامک وشرابک لم یتسنہ'' یا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا، جو ایک شہر پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گرا ہوا تھا کہا اے اللہ مرنے کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا پھر اللہ نے اسے سو برس تک مار ڈالا پھر اسے اٹھایا کہا کہ تو یہاں کتنی دیر رہا۔ کہا ایک دن یا اس سے کم۔ فرمایا بلکہ تو سو برس رہا ہے اب تو اپنا کھانا اور پینا دیکھ وہ تو سڑا نہیں۔ (البقرۃ:۲۵۹)

اس کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثم بعثه يدل انه عاد كما كان اولا حيا عاقلا فاهما مستعدا للنظر والاستدلال في المعارف الالٰهية ولو قال ثم احياه لم تحصل هذه الفوائد (کبیر ج ۲ ص ۳۲۹) لبثت يوما او بعض يوم يدل على عدم تغير ماله في بدنه وشعره ولباسه" ثم بعثہ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام جب اٹھے تو پہلے کی طرح عقل فہم استدلال اور معرفت الٰہیہ کی استعداد موجود تھی۔ اگر اس کی جگہ لفظ ثم احیاہ ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔ "لبثت یوما او بعض یوم" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے بدن، بال اور لباس میں کوئی تغیر نہ آیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا جواب ہے کہ "لبثت یوما او بعض یوم" یعنی آپ کو نفس لبث کا علم تھا، وقت کی تعیین درست نہ ہو سکی۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے قاضی صاحب نے عدم علم کہاں سے اخذ کر لیا؟ یہ کوئی پوچھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے یہ الفاظ نفس واقعہ کا علم ہونا ظاہر کرتے ہیں یا عدم علم؟ انہی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ امام رازی نے فرمایا کہ حضرت کے حال میں کوئی تغیر نہ آیا۔ نہ بدن میں نہ لباس میں نہ بالوں میں) کہ انبیاء کے جسم موت کے بعد بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

"بل لبثت مائة عام" اس امر پر دال ہے کہ یہ موت للتیسیر اجلہ ہے۔ لاجلہ نہیں۔ کیوں کہ موت لاجلہ ملائکہ عام کی قید سے مقید نہیں ہو سکتی اور موت للتیسیر اجلہ میں میت پر امور برزخیہ پیش نہیں کئے جاتے۔ جیسے سوال نکیرین، جنت دوزخ وغیرہ۔ کیوں کہ امور برزخیہ پیش کئے جانے کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا۔ مگر حضرت عزیر علیہ السلام اس کے بعد تورات کی تبلیغ کرتے رہے۔ پڑھتے پڑھاتے رہے اور ظاہر ہے کہ یہ موت للتیسیر اجلہ ہے۔ اس کے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان يقال انهم عاينوا الاحوال والاحوال التي معها صارت معارفهم ضرورية واما ما شاهدوا اشيئا من تلك الاحوال بل الله اماتهم بغتة كالنوم الحادث من غير مشاهدة الاهوال البتة الى ان قال واما ان يقال انهم بقوا بعد الاحياء غير مكلفين وليس في الاية ما يمنع منه او يقال ان الله تعالٰى حين اماتهم ما اراهم شيئا من الايات العظيمة تصير معارفهم عندها ضرورية وما ذالك الموت كموت سائر المكلفين الذين يعاينوا الاحوال عند قرب الموت" یہ کہا جائے کہ انہوں نے سختیوں اور حالات کا مشاہدہ کیا تھا جن سے علم بدیہی ضروری ہو جاتا ہے یا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اچانک انہیں مار دیا تھا۔ جیسے نیند آ جاتی ہے۔ بغیر مشاہدہ احوال کے یا کہا جائے کہ بعد موت زندہ ہو کر غیر مکلف رہے اور آیت میں اس سے کوئی مانع نہیں یا کہا جائے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے امور عظیمہ سے کوئی چیز نہیں دکھائی جس کی وجہ سے علم ضروری ہو جاتا اور یہ موت دوسرے مکلفین کی موت کی طرح نہ ہو گی جو قرب موت کے وقت امور برزخیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۴)

یعنی حضرت عزیر علیہ السلام کی موت لاجلہ تو تھی نہیں اس لئے اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ بصورت غشی تھی یا بصورت امتحان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آیات عظیمہ کا مشاہدہ نہیں کروایا۔ بہرحال یہ موت ایسی نہ تھی۔ جیسی مکلفین کی موت ہوتی ہے کہ قرب موت کے وقت احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

لبثت یوما سے یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو برزخ میں ٹھہرنے کا علم تو تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران وہ کس حالت میں تھے۔ (۱) درد وغم میں (۲) یا لذت وسرور میں۔ سو شق اوّل کے متعلق تو کوئی مومن تصور

بھی نہیں کرسکتا۔ اس لئے لازماً دوسری شق ہی تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو خوشی اور لذت کا علم تھا یا نہیں؟ اگر یہ کہیں کہ علم نہ تھا تو پھر نہ سرور سرور ہے نہ لذت لذت رہی اور اگر کہیں کہ انہیں اپنے احوال کا علم تھا اور اس کے بغیر اور کیا کہا جاسکتا ہے تو کسی ''بزرگ'' کا یہ فرمانا کہ ان کو اپنے احوال کا علم ہی نہ تھا۔ معقولیت سے بعید ہے۔ اب رہا تعین وقت کا مسئلہ کو یوما اور بعض یوم جو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمادی تو اس کی حقیقت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ دن رات کا تصور زمین اور سورج کے باہمی تعلق کے ذریعے ہے۔ برزخ میں اس کا وجود نہیں اس لئے حضرت عزیر علیہ السلام کو وقت کی طوالت کا اندازہ نہ ہوسکا اور عنداللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔ جیسے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا مگر مومن کو اتنا معلوم ہوگا جیسے نماز کے وقت کے برابر ہے۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے تو واقعی یوم یا بعض یوم ہی ہو جیسا کہ طعام و شراب اور ان کے لباس اور بدنی حالات سے معلوم ہوتا تھا۔ مگر عنداللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔

صاحب تسکین القلوب نے بھی اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ خوشی اور سرور کی حالت میں طویل زمانہ بھی بالکل چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آپ نے اس آیت سے دلالت النص کے طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اپنے حالات کا علم نہیں جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات اور اقوال کا علم کیسے ہو۔ جو حصولی ہے۔ نیز فرمایا کہ اس طرز استدلال کو سب سلف جانتے اور مانتے ہیں۔

اس کے متعلق دو امور غور قابل ہیں:

اوّل: اس آیت سے دلالت النص کے طور پر سلف میں سے کسی صاحب نے عدم حیات انبیاء علیہم السلام اور عدم سماع کا عقیدہ سمجھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ان علمائے سلف کے نام بیان فرمائیں اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ تو سلف پر بہتان تراشی ہے یا عوام کو گمراہ کیا گیا ہے۔

دوم: دلالت النص کے طریق استدلال کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے علم اصول پڑھا ہو، مگر دلالت النص کے نام سے غلط استدلال کرنا کم ہی جانتے ہیں۔

نص یہ ہے کہ کم لبثت یعنی سوال تعین وقت کا ہے۔ جواب سے ظاہر ہے کہ وقت کا علم تھا البتہ تعین وقت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے دلالت النص کے طور پر استدلال صحیح یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنے قیام برزخ کے زمانہ کا علم نہیں تو غیروں کے قیام برزخ کے زمانہ کی تعیین کیسے کرسکتے ہیں۔ جب نص میں اقوال و احوال کا ذکر تک نہیں تو دلالت النص سے احوال و اقوال کا استدلال کیوں کر درست ہوگا۔ تعین وقت کے علم کی نفی سے سماع کی نفی نکالنا بھلا دلالت النص کی کون سی قسم ہے۔ انسان سینکڑوں چیزوں کا علم نہیں رکھتا تو کیا اس عدم علم سے عدم سماع بھی ثابت ہوگا۔

عدم سماع اس صورت میں ثابت ہوسکتا تھا جب کوئی شخص حضرت عزیر کو آواز دیتا۔ بعد احیاء ان سے کہتا کہ میں نے آواز دی تھی اور آپ سماع کا انکار کرتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت قرآن سے نہیں ملتی۔ پھر اس آیت سے عدم سماع کا استدلال کرنا تاویل کی بدترین قسم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں پرندوں کے متفرق اجزاء کو آواز دی گئی انہوں نے آواز سنی اور تعمیل حکم کی۔ اگر حضرت عزیر علیہ السلام کو اس سو سال کے دوران کسی نے آواز دی اور انہوں نے نہیں سنی تو اس کی دلیل لائیے۔ جب کوئی آواز دینے والا ہی نہیں اور کسی نے آواز دی ہی نہیں تو عدم سماع کہاں سے اخذ کرلیا گیا۔

اگر یہاں یہ سوال کیا جائے کہ بعد موت ان کو سو سال تک دنیا سے اوجھل کر دیا گیا۔ اگر یہ صورت مان لی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ وہ دنیا سے غائب کر دیئے گئے اور دنیا اس سے اوجھل کر دی گئی۔ کیوں کہ سو سال میں بارشیں بھی ہوئیں۔ آندھیاں بھی چلیں، موسم بدلے اور طوفان آئے ہوں گے۔ مگر ان تمام چیزوں نے نہ تو حضرت عزیر علیہ السلام کے وجود پر کوئی اثر کیا نہ لباس پر نہ کھانے پینے کی چیزوں پر نہ عقل وفہم پر نہ بدن پر۔ اسی لئے یہ کہنا درست ہوگا یہ غائب کرنے کا معاملہ جانبین سے ہوا۔ اس صورت میں یہ اعتراض ہی بے جا ہوگا کہ ان کو علم نہ ہوا۔ جب سب اشیاء غائب کر دی گئیں تو علم کیسے ہو سکتا تھا مگر عدم علم سے پھر بھی عدم سماع ثابت نہیں ہوگا۔

۲...... ''فتولی عنهم وقال يقوم لقد ابلغتكم رسالة ربی ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين'' پھر صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمایا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (اعراف: ۷۹)

''ابن کثیر: قال لهم صالح ذالک بعد هلاکهم تقريعا وتوبيخا وهم يسمعون ذالک'' حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے یہ خطاب بطور توبیخ کیا اور وہ یہ بات سن رہے تھے۔

اگر قوم حضرت صالح علیہ السلام کی یہ توبیخ نہیں سن رہی تھی تو آخر اس کہنے سے غرض کیا تھی۔ اگر وہ مر کر پتھر ہو گئے تھے تو پتھر کو یہ خطاب کرنے کا فائدہ کیا تھا؟

۳...... حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب اسی قسم کا ہے: ''قال يقوم لقد ابلغتكم رسلت ربی ونصحت لكم فكيف اسى على قوم كافرين'' فرمایا اے میری قوم تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے احکام پہنچا دیئے اور میں نے تمہارے لئے خیر خواہی کی پھر کافروں کی قوم پر میں کیوں کر غم کھاؤں۔ (اعراف: ۹۳)

تفسیر مظہری: ''فان قيل كيف خاطبهم بقوله ابلغتكم بعد ما اهلكوا بالرجفة قيل كما خاطب النبی ﷺ قتلی بدر بعد ما القوا في القليب۔ رواه الشيخان في الصحيحين'' تو اگر یہ کہا جائے کہ ہلاکت کے بعد یہ خطاب کیسے کیا۔ کہا جائے گا کہ جیسے حضور اکرم ﷺ نے مقتولین بدر سے خطاب کیا تھا۔ جب وہ قلیب میں پھینکے جا چکے تھے۔ اس کو شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اور صاحب تفسیر مظہری جس نکتے کو نہ سمجھ سکے وہ زمانہ حال کے ایک محقق نے پا لیا۔ چنانچہ یہ صاحب (اقول مرضیہ ص ۹۴، ۱۰۰) پر فرماتے ہیں:

''غرض خطاب لفظ کم سے یا لفظ یا سے سماع پر استدلال کرنا سفسطہ ہے کیوں کہ خطاب تو ہوا چاند، سورج، پتھروں کو خیال اور در و دیوار سے بھی کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ وہاں سنوانا مقصود نہیں ہوتا۔

الجواب: تحقیق تو آپ نے خوب فرمائی مگر خطاب پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ مخاطب ذوالعقول ہیں یا غیر ذوالعقول۔ جب خطاب ذوالعقول کو کیا جائے تو اس کو منادی حقیقی کہتے ہیں اور اس سے مقصود سنانا اور متوجہ کرنا ہی ہوتا ہے اور جب مخاطب غیر ذوالعقول ہوں تو اس سے سنانا یا متوجہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اس کو منادی حکمی کہتے ہیں۔ یہ ملحق بالمنادیٰ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو خطاب کرنا منادی حکمی ہے اور اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو خطاب کرنا واضح نا کم منادی حقیقی ہے۔ کیوں کہ حاضرین ذوالعقول تھے اور اپنے آباؤ اجداد کے افعال پر راضی تھے۔ اس لئے ان افعال کی نسبت حاضرین کی طرف کی گئی اور یا ھامان ابن لی صرحا یہ حکایت ہے حال ماضیہ کی۔ ہامان کو سنوانا مقصود نہیں۔

خطاب کے اس فرق کو اگر آپ خود نہیں سمجھے تو آپ کی حالت قابل افسوس ہے اور اگر سمجھتے ہوئے اپنی بات کی لاج رکھنے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لئے یہ حرکت فرمائی تو آپ کی حالت قابل رحم ہے۔

۴...... "قالو ایویلنا من بعثنا من مرقدنا (شفاء السقام ص ۲۰۴) فھو یشعر بالحیاۃ لان الرقاد للحی" کہیں گے کہ ہائے افسوس کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھایا۔ یہ قول میت کی حیات ظاہر کرتا ہے کیوں کہ نیند تو زندہ کے لئے ہے۔ جب حیات ہے تو مدرکات حیات فہم سماع کلام ثابت ہوئے۔

۵...... "قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین" کہا گیا جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا اے کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے، بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں کر دیا۔ (یٰسین:۲۶،۲۷)

اس آیت سے (۱) حیات برزخ ثابت ہوئی (۲) کلام کرنا ثابت ہوا (۳) دنیوی زندگی کے حالات کا محفوظ ہونا ثابت ہوا۔ جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات جن میں سماع بھی ہے لازماً ثابت ہوئے۔

۶...... "اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق" جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔ (الانفال:۵۰)

۷...... "فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم" (محمد:۲۷) پھر کیا حال ہوگا جب ان کی روحیں فرشتے قبض کریں گے ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے۔

۸...... "ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون الخ" اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھانے والے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو نکالو آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا۔ (انعام:۹۳)

ان تینوں آیتوں میں فرشتوں کا خطاب کرنا محض خطاب برائے خطاب نہیں بلکہ سنانے کے لئے ہے۔ چہروں اور پیٹھوں پر مارنا عذاب کی ایک شکل ہے اور یہ صفات بدن کی ہیں اور عذاب کے احساس کے لئے حیات لازم ہے جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات ثابت ہوئے۔

۹...... "حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں۔ ہرگز نہیں ایک بات ہی بات ہے جسے یہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ (المومنون:۹۹،۱۰۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد برزخ میں:

۱...... اپنی دنیوی زندگی کی بداعمالیوں کا علم ان کے حافظے میں محفوظ ہے۔

۲...... ملائکہ سے کلام کر رہے ہیں۔ ان کا کلام سن کر جواب دے رہے ہیں۔

۳...... علم سماع کلام ثابت ہوئے اور ان کے لئے حیات شرط ہے۔

اس لئے حیات بھی ثابت ہوئی۔

اگر کہا جائے کہ ملائکہ لطیف مخلوق کا کلام تو سن لیتے ہیں مگر غیر لطیف مخلوق انسان کا کلام نہیں سن سکتے تو اس کے لئے کوئی دلیل پیش کیجئے۔

۱۰...... ''ان الذین توفهم الملائکة ظالمی انفسهم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض'' بے شک جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک میں بے بس تھے۔ (النساء:۹۷)

۱۱...... ''حتی اذا جاءتھم رسلنا یتوفونھم قالوا این ما کنتم تدعون من دون اللہ قالوا ضلوا عنا'' یہاں تک کہ جب ان کے ہاں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔ کہیں گے ہم سے سب غائب ہوگئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔ (اعراف:۳۷)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد ملائکہ کا کلام سنتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں گزشتہ زندگی کے اعمال یاد ہوتے ہیں۔ فہم، حافظہ، کلام اور سماع ثابت ہوئے۔

۱۲...... ''ولقد اٰتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائه وفی الکشاف قیل من لقائک موسی علیہ السلام لیلة الاسراء کان قتادة یفسرها ان النبی ﷺ قد لقی موسی علیہ السلام ووافقه علیه جماعة منهم المجاهد والکلبی والسدی ومعناه فلا تکن فی شک من لقائک موسی'' اور البتہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی پھر آپ اس سے ملنے میں شک نہ کریں اور کشاف میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیکھنا شب معراج میں مراد ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضور ﷺ سے ہوئی۔ یہی بات ایک جماعت نے کہی جن میں مجاہد، کلبی اور سدی ہیں اور اس کے معنی ہیں کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)

اور (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۳) ''فلا تکن فی مریة من لقائه انه قد ای موسی ولقی موسی لیلة اسری به'' فلا تکن سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور شب معراج میں ملاقات کی۔

اور (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵) ''کان قتادة یفسرها ان نبی اللہ قد لقی موسی علیہ السلام'' حضرت قتادہ اس کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کی۔

۱...... ''واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن اٰلهة یعبدون'' اور آپ ان پیغمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے رحمن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا لیے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔ (زخرف:۴۵)

(اتقان ج ۱ ص ۲۰) ''قال ابن حبیب نزلت ببیت المقدس لیلة الاسراء'' ابن حبیب نے کہا کہ یہ آیت بیت المقدس میں شب معراج میں نازل ہوئی۔

(خازن ص ۱۳۷، اور معالم التنزیل ص ۱۶۳) ''نزلت هذه الاٰیة ببیت المقدس لیلة اسری بالنبی ﷺ'' یہ آیت بیت المقدس میں اتری جس رات حضور ﷺ معراج پر گئے۔

آیت کے متعلق (مسالک العلماء ص ۱۰۳) پر ایک تفسیر پیش کی گئی ہے کہ من لقائہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اس تفسیر کے متعلق دو امور قابل غور ہیں اوّل یہ کہ ضمیر کا مرجع قرآن۔ کیا نبی کریم ﷺ نے بتایا۔ کیا کسی مفسر نے لکھا کسی محدث نے بیان کیا؟ متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟ اگر ایسا ہے تو نشاندہی کی جائے اور اگر ایسا نہیں تو کیا یہ تکلف اس لئے کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ثابت ہوگئی تو بار بار ملنا بھی ثابت ہو جائے گا۔ پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کا واقعہ بھی ثابت ہو جائے گا اور سماع موتیٰ بھی ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے یہ جھگڑا اسی طرح مٹتا ہے کہ قرآن کی تفسیر ہی نئے انداز سے کی جائے۔ یہ کوشش اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تو ممکن ہے مفید ہو مگر آدمی قرآن کی تحریف کا مجرم تو بن ہی جائے گا۔ ممکن ہے کسی ایسے ہی واقعہ سے متاثر ہو کر کہا گیا ہو:

زمن بر صوفی وملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شان در حیرت انداخت خدا وجبرئیل ومصطفیٰ را

اور آیت (ص ۱۳) کے متعلق (شفاء السقام ص ۱۸۶): ''ان النبی ﷺ سألھم لیلۃ الاسراء'' کہ نبی کریم ﷺ نے ان رسل سے شب معراج میں سوال کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور ﷺ نے یہ سوال ارواح انبیاء سے کیا یا ارواح مع اجساد سے؟ یہ دونوں احتمال دلائل السلوک میں بیان کئے گئے تھے مگر مرتب کی غلطی یا کاتب کی سہو سے دوسرا احتمال ساقط ہو گیا ہے۔ اب اس کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲): ''ان النبی ﷺ قال لیلۃ اسری بی مررت علی موسیٰ وھو یصلی فی قبرہ'' فرمایا حضور ﷺ نے جس رات مجھے معراج کرایا گیا میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوا وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(القول البدیع علامہ سخاوی ص ۱۶۸): ''ثم اجتمعوا (الانبیاء) فی بیت المقدس فحضرت الصلوٰۃ فامھم نبینا ﷺ'' پھر انبیاء اکٹھے ہوئے نماز کا وقت ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کی امامت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ کا گزر اس حالت میں کہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، ہوا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملاقات روح مع الجسد ہوئی اور امامت انبیاء کے سلسلے میں دونوں احتمال ہیں۔

انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنا

پھر آسمانوں پر انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنے کی تفصیل یہ ہے: (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۲۴۳) زیر حدیث موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ۔ ''ھذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسیٰ فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم یصلی فی قبرہ ومثل ذالک لا یوصف بہ الروح انما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحج لتخصیصہ وقال الشیخ تقی الدین السبکی فی ھذا الحدیث ان الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا'' یہ حدیث قبر میں حیات موسیٰ کے ثبوت میں صریح ہے۔ کیوں کہ ان کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور یہ وصف روح کے متعلق بیان نہیں ہوتا بلکہ یہ تو جسم کا وصف ہے اور قبر کی تخصیص اس کی دلیل ہے۔ اگر یہ وصف روح کا ہوتا تو قبر کی تخصیص کی ضرورت نہ تھی۔ شیخ تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔

اور (شفاء السقام ص ۱۹۱) "وقد ذکرناہ عن جماعة من العلماء وشھد لہ صلٰوة موسٰی فی قبرہ فان الصلٰوة تستدعی جسدا حیاو کذالک الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة کلھا صفات الاجسام" اور ہم نے علماء کی ایک جماعت سے ذکر کر دیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس امر کا شاہد ہے کیوں کہ نماز پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے اور اسی طرح صفات مذکورہ انبیاء کے متعلق تمام کی تمام اجسام کی صفات ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور انبیاء کا نماز با جماعت پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے۔ رہا احتمال یہ کہ ارواح نے متشکل ہو کر پڑھی تھی تو ملاحظہ ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۶) "فیحتمل الارواح خاصة ویحتمل الاجساد بارواحھا وقد استشکل رویة الانبیاء فی السمٰوات مع ان اجسادھم مستقرة فی قبورھم بالارض واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیلة تشریفا لہ وتکریما ویؤیدہ حدیث عبدالرحمن بن ھاشم عن انس ففیہ وبعث لہ اٰدم ومن دونہ من الانبیاء"

اس بات کا احتمال ہے کہ صرف ارواح ہوں اور اس کا احتمال بھی ہے کہ ارواح معہ اجساد ہوں اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آسمانوں پر حضور ﷺ کا انبیاء کو دیکھنا کیسے ہو جب کہ ان کے اجسام زمین میں اپنی اپنی قبروں میں تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یا ان کے ارواح کو اجسام کی شکل دی گئی یا اجسام کو ہی حضور ﷺ کے استقبال کے لئے حاضر کیا گیا۔ اس دوسری شق کی تائید عبدالرحمن بن ہاشم کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو حاضر کیا گیا تھا۔

ان تمام عبارات سے یہی ثابت ہوا کہ جس جسم سے نمازیں پڑھیں وہ جسم عنصری تھا جو دفن ہوا نہ جسم مثالی جیسا صاف الفاظ حدیث کے موجود ہیں۔ بعث لہ اٰدم ومن دونہ من الانبیاء چوں کہ مبعوث جسم عنصری سے ہوئے تھے نہ کہ جسم مثالی سے جس جسم کو نبوت ملی تھی اس جسم سے حاضر ہوئے۔ جسم عنصری نبوت کا موصوف تھا نہ کہ جسم مثالی۔

پھر (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۹) "اختلف فی حال الانبیاء عنہ لقی النبی ﷺ ایاھم لیلة الاسرٰی ھل اسری باجسادھم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیة وان ارواحھم مستقرة فی الاماکن التی لقیھم النبی ﷺ وارواحھم متشکلة بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابو الوفاء بن عقیل واختار الاوّل بعض شیوخنا" انبیاء سے شب معراج میں حضور ﷺ کی ملاقات کے متعلق اختلاف کیا گیا۔ کیا یہ ملاقات ان کے اجسام کے ساتھ ہوئی اور ان کے ارواح اپنے اپنے مقامات پر قیام کئے ہوئے تھے یا ان کے ارواح اجسام کی شکل میں متشکل کئے گئے جیسا کہ ابو الوفاء نے کہا ہے۔ ہمارے بعض شیوخ نے پہلی شق کو اختیار کیا ہے۔

۱...... راجح قول یہ ہوا کہ انبیاء روح مع الجسد حاضر ہوئے۔

۲...... ملاقات کے لئے انبیاء حاضر ہوئے اور النبی کا لفظ روح مع الجسم کے لئے بولا جاتا ہے صرف روح کے لئے نہیں۔

۳...... بعض شیوخنا کے نزدیک بھی قول راجح یہی ہے۔

۴...... جب حدیث صریح میں آ چکا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کو حضور ﷺ کے استقبال کے لئے بھیجا گیا اور احتمال اوّل کسی دلیل سے ناشی نہیں ہے۔

۵...... محدثین کا اقرار ہے کہ نماز جسم کو چاہتی ہے۔ثابت ہوا کہ قبر میں اور بیت المقدس میں انبیاء مع جسم حاضر ہوئے۔

آسمانوں میں ملاقات

آسمانوں میں ملاقات کے متعلق (قول البدیع ص ۱۶۸) ملاحظہ ہو: "فقد یری موسی قائما یصلی فی قبرہ ثم یری بموسی وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری لنبینا فیراھم فیہ ثم یعرج بھم الی السموات کما عرج نبینا فیراھم فیھا کما اخبر قال حلولھم فی اوقات مختلفۃ جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذالک دلالۃ علی حیاتھم" حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پھر حضور ﷺ کو معہ دوسرے انبیاء کے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی اور حضور ﷺ نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔پھر سب کو آسمان کا معراج کرایا گیا۔پس حضور ﷺ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا جیسے حضور ﷺ نے خبر دی۔صاحب قول البدیع نے فرمایا کہ مختلف اوقات میں ان کا حلول کرنا عقلاً جائز ہے۔جیسا کہ حضور ﷺ نے خبر دی اور ان سب واقعات میں حیات انبیاء پر دلالت پائی جاتی ہے۔

اور (فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲) "وفی حدیث ابی ذر ومالک بن صعصۃ فی قصۃ الاسرای انہ لقیھم بالسموات وطرق ذالک صحیحۃ فیحمل علی انہ رای موسی قائما یصلی فی قبرہ ثم عرج بہ ھو ومن ذکر من الانبیاء الی السموات فلقیھم النبی ﷺ" پھر فرمایا "وصلوتھم فی اوقات مختلفۃ وفی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذالک علی حیاتھم" اور حدیث ابی ذر اور مالک بن صعصعہ میں قصہ اسریٰ میں ہے کہ حضور ﷺ نے انبیاء کی ملاقات آسمانوں میں کی اور اس حدیث کے تمام طرق صحیح ہیں۔پھر یہ حدیث اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔پھر ان کو اور تمام انبیاء کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی ملاقات کی اور ان کا نماز پڑھنا مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں عقل کے خلاف نہیں اور نقل سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ ان کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔

اور (فتاویٰ الحدیثیہ ج ۲ ص ۲۵۶) "وسائر الانبیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی" اور تمام انبیاء کی ارواح بعد وفات ان کی طرف لوٹائی گئیں اور انہیں اپنی قبروں سے نکلنے اور عالم علوی اور سفلی میں تصرف کی اجازت دی گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن حجر مکی، محدث سخاوی اور علامہ سیوطی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کو اسی طرح معراج کرایا گیا جس طرح رسول اکرم ﷺ کو معراج ہوا اور وہ روح مع الجسم تھا۔ہاں ابن حجر مکی سے صاحب روح المعانی نے اس قدر اختلاف کیا کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ انبیاء اپنی قبور سے نکل کر عالم علوی میں تصرف کرتے ہیں۔مگر یہ نہیں فرمایا کہ ابن حجر کا نظریہ غلط ہے یا یہ کہ میں حیات انبیاء روح معہ جسم کا قائل نہیں ہوں بلکہ اس کی تصریح کر دی کہ:

"فحصل من مجموعۃ ھذاالکلام والاحادیث النبی ﷺ حیئ بجسدہ وروحہ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۳۴)" اس ساری کلام سے یہ حاصل ہوا اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ مع جسم اور روح کے زندہ ہیں۔

محدثین اور مفسرین کی ان تصریحات کے برعکس حضرت قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب میں محض ذاتی اجتہاد کی بناء پر فتویٰ صادر فرما دیا کہ قیامت سے قبل جسموں میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ محدثین تو فرمائیں کہ نماز پڑھنا جسم کا وصف ہے اور روح مع الجسم نے بھی حرکت کی اور قاضی صاحب فرمائیں جسم میں حرکت ہوتی ہی نہیں۔ سوچنا پڑتا ہے کہ کس کی بات مانی جائے۔ عقل تو یہی کہتی ہے کہ ان مقدس حضرات کے مقابلے میں قاضی صاحب کا فرمان ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ کوئی وزن نہیں رکھتا۔

برزخ اور قیامت میں دنیا کا علم محفوظ رہنے کا ثبوت

گزشتہ ابواب میں بحث ہو چکی ہے کہ برزخ میں علم، سماع اور کلام کے لئے انسان وجود کا بتمامہا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ اب اس امر کی تفصیل پیش کرنا مقصود ہے کہ میت کا علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا وہ معلومات جو اسے دنیوی زندگی میں حاصل ہوئیں اور وہ احوال جو اس پر گزرے یا اس کے مشاہدہ میں آئے بعد موت اس کے پاس محفوظ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی شہادت

۱...... ”وبرزوا اللہ جمیعا فقال الضعفاء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعا فھل انتم مغنون عنا من عذاب اللہ من شیء قالوا لو ھدانا اللہ لھدینا کم“ اور سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں تب کمزور متکبروں سے کہیں گے ہم تو تمہارے تابع تھے سو ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ گے وہ کہیں گے اگر ہمیں اللہ ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے۔ (ابراہیم:۲۱)

اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہیں، اوّل ضعفاء کو یاد ہے کہ دنیا میں ہماری گمراہی کا سبب امراء تھے۔ دوم امراء کو یاد ہے کہ وہ دنیا میں گمراہی کی زندگی گزارتے رہے۔

۲...... ”یقول الذین استضعفوا للذین استکبروا لولا انتم لکنا مؤمنین“ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان سے کہیں گے جو بڑے بنتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہوتے۔ (سبا:۳۱)

وہ جواب دیں گے ”انحن صددنا کم عن الھدٰی بعد اذ جاء کم بل کنتم مجرمین“ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی۔ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ (سبا:۳۲)

پھر ضعفاء کہیں گے ”اذ تامروننا ان نکفر باللہ ونجعل لہ اندادا“ جب تم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کر دیں اور اس کے لئے شریک ٹھہرائیں۔ (سبا:۳۳)

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ مستضعفین اور مستکبرین اپنے دنیوی حالات کے محفوظ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو جواب دیں گے۔

۳...... ”قال قائل منھم انی کان لی قرین یقول ءانک لمن المصدقین ءاذا متنا وکنا ترابا وعظاما ءانا لمدینون“ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔ (الصافات:۵۱ تا ۵۳)

یہ بات یاد ہوگی کہ دنیا میں میرا ایک دوست تھا وہ دوست جو تبلیغ کرتا تھا وہ بھی محفوظ ہوگی۔

۴...... ''قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل'' وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور تو نے ہمیں دو بار زندہ کیا۔ پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا۔ پس کیا نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ (المؤمن:۱۱)

دنیوی اعمال یاد ہونے کی وجہ سے اعتراف گناہ کریں گے۔

''ونادی اصحاب الجنۃ اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم'' اور بہشت والے دوزخیوں کو پکاریں گے کہ ہم نے وعدہ سچا پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا آیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا کہیں گے ہاں۔ (اعراف:۴۴)

انبیاء علیہم السلام نے جو وعدے فرمائے تھے دونوں فریقوں کو یاد ہوں گے۔

۶...... ''کلما القی فیھا فوج سألھم خزنتھا الم یأتکم نذیر قالوا بلی قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر'' جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کے داروغہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے ہاں بیشک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پر ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا یا سمجھا ہوتا تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ (ملک:۸ تا ۱۰)

انبیاء کا آنا ان کا تبلیغ کرنا یاد ہوگا، پھر ان کی تعلیمات کی تکذیب کرنا یاد ہوگا اور تکذیب کرتے ہوئے جو کچھ کہتے رہے وہ بھی یاد ہوگا۔

(اربعین رازی ص ۳۸۸) ''لان من خاض فی علم التفسیر علم ان ورد ھذہ المسئلۃ فی القرآن لیس بحیث یقبل التاویل'' جس نے علم تفسیر کا مطالعہ کیا وہ جان لے گا کہ قرآن میں یہ مسئلہ (علم الموتی) اس حیثیت سے وارد ہوا ہے، جو قابل تاویل نہیں۔

حدیث نبوی کی شہادت

(مشکوٰۃ ص ۲۶) قبر میں میت سے سوال وجواب ہو چکنے کے بعد ایک مومن کہے گا ''دعونی اصلی'' پھر اس سے کہا جائے گا کہ نم (سوجا) پھر وہ کہے گا ''ارجع الی اھلی فاخبرھم'' میں اپنے گھر والوں کی طرف جا کر انہیں اطلاع دیتا ہوں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دنیا میں نماز کا پابند تھا۔ چنانچہ قبر میں بھی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرے گا۔ پھر اسے اپنے اہل وعیال یاد ہوں گے ان کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوگا۔ چنانچہ اہل وعیال میں لوٹ جانے کی آرزو کرے گا کہ انہیں آگاہ کرے کہ اللہ کی اطاعت کا یہ ثمرہ ملتا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۱) نیز شک نیست در حصول علم مرموتی را در آخرت وبرزخ وبتخفیف دین اسلام چنانچہ عائشہ گفتہ ومتفق علیہ است در مراد بحدیث پس ممکن است علم باحوال دنیا واہل دنیا وچیست دلیل بر زوال ایں علم؟ ونسیان آں یاد بود بقاء روح وآمدہ است کہ کافراں تمنی خواہند کرد عود بدنیا وآمدہ است کہ چوں میت از سوال منکر ونکیر جواب بخیر دہد وراحت یابد آرزو می کند ومی گوید اے کاش کسے کہ خبر کند باہل من کہ من درراحتم وبالجملہ کتاب وسنت مملو

وشنوند کہ دلالت می کند بر وجود علم موتی رابدنیا واہل آں پس منکر انشود آنرا مگر جاہل باخبار و منکر دین۔

اموات کے لئے برزخ اور آخرت میں علم کے حاصل ہونے میں شک نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اور مراد حدیث متفق علیہ ہے پس دنیا اور اہل دنیا کے احوال کا علم ممکن ہے اور اس علم کے زوال پر دلیل کون سی ہے؟ باوجود یکہ روح کے لئے بقا ہے اور قرآن میں آچکا۔ ہے کہ کافر دنیا میں لوٹ کر آنے کی تمنا کریں گے اور یہ بھی آچکا ہے کہ میت جب نکیرین کے سوال کے جواب ٹھیک دیتا ہے، راحت پاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ کاش میرے پسماندگان کو کوئی بتائے کہ میں راحت میں ہوں۔

حاصل کلام یہ کتاب وسنت ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ میت کو دنیا اور اہل دنیا کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا منکر صرف جاہل یا بے دین ہی ہو سکتا ہے۔

لیجئے! حضرت شاہ صاحب نے وہ بات کہہ دی جو انہی کے پایہ کا کوئی بزرگ ہی کہہ سکتا ہے کہ اس حقیقت کا انکار کرنے والا یا تو جاہل ہے یا منکر دین۔ کاش اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کا سامان دینے والے حضرات غور فرماتے۔

احادیث نبوی اور سماع موتی

۱...... (م ت ا ج ۴ ص ۱۱۶) "عن ابی هريرة قال قال ابو رزين يا رسول الله ان طريقی علی الموتی فهل من كلام اتكلم به اذ مررت عليهم قال قل السلام عليكم يا اهل القبور من المسلمين و المؤمنين انتم لنا سلف ونحن لكم تبع وانا ان شاء الله بكم لاحقون قال ابو رزين يسمعون؟ قال يسمعون و لكن لا يستطيعون ان يجيبوا اى جوابا يسمعه الحيى والافهم يروون حيث لا نسمع" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے ابورزین نے پوچھا کہ میرا گزر مردوں کے پاس سے ہوتا ہے کیا کوئی کلام ہے کہ وہاں سے گزرتے وقت پڑھ لوں فرمایا السلام علیکم الخ کہا کرو۔ ابورزین نے پوچھا کیا وہ سنتے ہیں۔ فرمایا وہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ یعنی ایسا جواب جسے زندہ آدمی سن سکے ورنہ وہ جواب دیتے ہیں۔ مگر ہم سن نہیں سکتے۔

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے سماع موتی کی جو تصریح فرمادی اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، مگر فن کار حضرات کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ (شفاء الصدور ص ۸۵) پر اس حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے:

"قلنا فيه محمد ابن الاشعث لا يعرف وقال العقيلی حديثه غير محفوظ" ہم کہتے ہیں کہ اس میں محمد بن الاشعث ہے جو غیر معروف ہے اور عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔

الجواب: یہ جرح مبہم ہے جب تک جرح مفصل نہ ہو لا یعرف کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ محدثین کی عادت ہے کہ جس شخص کے حق میں اس کے معاصر یا تلمیذ معاصر نے کلمات تعدیل نہیں کہے اس کے حق میں یہ "لا یعرف حال" کہہ دیتے ہیں جو مقصود کو مضر نہیں ہوتے۔

۲...... عقیلی کی جرح قابل اعتبار ہی نہیں۔ دیکھئے (السعی المشکور ص ۸۳، ص ۲۷۲، ۲۷۳)

۳...... لفظ غیر محفوظ خود مبہم ہے۔ عقیلی نے غیر محفوظ کا سبب کیا بیان کیا ہے؟

۴...... خود عقیلی نے اس حدیث کا استخراج کیا ہے۔ اگر یہ غیر محفوظ تھی تو عقیلی نے ایسا کیوں کیا؟ چنانچہ (شرح الصدور ص ۸۴) پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ "واخرج العقيلی عن ابی هريرة قال قال ابو رزين يا رسول الله ان طريقی علی الموتی

فھل من کلام التکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم "اس لیے یہ غلط ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اور (تسکین القلوب ص ۱۴۱ و کتاب القول الجلی ص ۷۹) پر یہ ارشاد ہوا ہے: "اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ حکم پہنچنا تو بلحاظ اثر اور ثمرے اور نتیجے کے ہے۔ جیسے "اذا قال السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین اصحاب کل عبد صالح فی الارض او فی السماء"

اور (شفاء الصدور ص ۱۱۴) پر "ثم اعلم ان المراد ببلوغ الصلوٰۃ و السلام انما ھو بلوغ ثواب و ھو یعم لکل متوفی عندنا اھل السنۃ"

اور (اقوال مرضیہ ص ۱۰۳) پر سلام زائرین کو سلام دعا و نداء میں داخل کیا اور بلا حوالہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ذمہ لگا دیا۔

لیجئے شفاء الصدور، اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کی مثلث میں حدیث رسول گھر گئی اور "عندنا اھل السنۃ" کا نعرہ بلند کر کے نا قابل تاویل حدیث میں بھی فنکارانہ مہارت کا اظہار فرما دیا۔

الجواب: قرآن کریم نے سلام دو قسم بیان کیا ہے سلام تحیۃ اور سلام دعا۔

پہلی قسم کے متعلق فرمایا "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا" (النساء: ۸۶) اس سلام کا جواب دینا ضروری ہے کہ موجب رد ہے۔ اس کی تصریح حدیث نے کر دی کہ وہ سنتے ہیں جواب دیتے ہیں۔ دوسری قسم سلام دعا موجب رد نہیں۔ اس کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے جیسے ارشاد ہے؟ "سلام علی المرسلین (الصافات: ۱۸۱)، سلام علی ابراھیم (الصافات: ۱۰۹)، سلام علی نوح فی العالمین (الصافات: ۷۹)، سلام علی موسیٰ وھارون (الصافات: ۱۲۰)"

حافظ ابن کثیر نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے:

"وقد شرح السلام علی الموتی و السلام علی من لم یشعر و لا یعلم بالمسلّم محال و قد علّم النبی ﷺ امتہ اذا راؤ القبور ان یقولوا دار قوم مومنین الخ۔ فھذا السلام و الخطاب و النداء لموجود یسمع و یخاطب و یعقل و لولا ھذا الخطاب لکانوا بمنزلۃ الخطاب المعدوم و الجماد و السلف مجموعون علی ھذا و قد تواترت الاثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ الحیی لہ و یستبشرہ" (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

اور موتی کو سلام کہنا مشروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو نہ شعور رکھتا ہو نہ سلام کہنے والے کو جانتا ہو محال ہے اور حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبریں دیکھو تو سلام کہو۔ یہ سلام خطاب اور ندا ہے۔ موجود کے لئے جو سنے سمجھے اور اسے خطاب کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوم اور پتھر کو ہوگا اور سلف کا اس پر اجماع ہے۔ متواتر روایات میں آ چکا ہے کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

لیجئے ابن کثیر تو کہتے ہیں کہ سلف کا اجماع اس پر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل قبور کو جو سلام کہنے کی تعلیم دی وہ موجود کے لئے ہے جو سنتا اور سمجھتا ہے اور یہ بزرگ جو عندنا اہل السنۃ کہہ رہے ہیں۔ وہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اب کون فیصلہ کرے کہ یہ اہل سنت کا نیا ایڈیشن درست ہے یا سلف صالحین کا اجماع قابل قبول ہے۔

اور "عندنا اهل السنة" فرمانے والے حضرات نے حضور اکرم ﷺ کو بھی سلام کا ثواب ہی پہنچنے کا فیصلہ دے دیا۔ حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس جو درود سلام پڑھا جائے حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

چلئے اگر آپ بضد ہیں کہ ثواب ہی پہنچتا ہے تو دلیل پیش کیجئے۔ سلام کے الفاظ سننے اور اس کا جواب دینے کے متعلق تو صریح احادیث موجود ہیں آپ کوئی دلیل پیش کریں کہ بس ثواب ہی پہنچتا ہے۔

آپ کے عقیدہ کی تاریخ یہ ہے کہ اس عقیدہ کا اعلان ابن کرامی متوفی ۴۴۵ھ نے کیا کہ رسول خدا ﷺ روضہ اطہر میں بے حس، بے شعور پتھر کی طرح پڑے ہیں (معاذ اللہ) اس کی کما حقہ تردید علامہ قشیری اور علامہ بیہقی نے فرمائی۔ پھر یہی عقیدہ مولوی محمد بشیر سہسوانی (غیر مقلد) نے اختیار کیا تو مولانا عبدالحئی نے السعی المشکور میں اس کی خوب خبر لی۔ اب یہ عقیدہ اقوال مرضیہ، شفاء الصدور، تسکین القلوب وغیرہ میں یادرفتگان کے طور پر تازہ کیا گیا۔

خلاصہ بحث: ۱...... حدیث رسول اللہ ﷺ سے میت کا سننا صاف الفاظ میں ثابت ہے۔ عدم سماع پر حدیث رسول پیش کی جائے حدیث کے مقابل میں غیر کا قول حجت نہیں۔

۲...... اصول حدیث کے مطابق مثبت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔

۳...... اہل قبور کو جو سلام دیا جاتا ہے وہ سلام تحیۃ ہے جو موجب رد ہے۔

۴...... رسول کریم ﷺ نے جو تعلیم دی اگر اس کا انکار کیا جائے تو سلام دینا ایسا ہوگا جو معدوم یا پتھر کو ہے جو محال ہے۔

حدیث نمبر ۲: (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۶، اور اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷) "واخرج ابن عبد البر في الاستذكار والتمهيد عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ما من احد يمر بقبر اخيه المؤمن كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام۔ صححه عبدالحق" اور اقتضاء کی عبارت "وقد روى حديث صححه ابن عبدالبر" علامہ ابن عبدالبر نے استذکار اور تمہید میں اخراج کیا ہے۔ ابن عباس ؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا ہو اور وہ اسے سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبدالحق نے بھی صحیح کہا اور ابن عبدالبر نے بھی صحیح کہا۔

۳...... (السعی المشکور فی رد المذہب الماثور ص ۲۴۷) "قال الحافظ ابو محمد عبدالحق الاشبيلي في كتاب العاقبة ذكر ابو عمرو بن عبدالله من حديث ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ما من احد يمر بقبر اخيه المؤمن يعرف في الدنيا الا عرفه ورد عليه السلام وهو صحيح الاسناد" حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب العاقبۃ میں ذکر کیا کہ حافظ ابن عبدالبر نے ابن عباس ؓ سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو میت اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۴...... (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۶) "اخرج ابن ابی الدنيا والبيهقي في الشعب عن ابی هريرة قال اذا مر الرجل بقبر يعرفه فسلم رد عليه السلام وعرفه واذا القبر لا يعرفه فسلم رد عليه السلام ولم يعرفه" ابن ابی الدنیا نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ ؓ سے بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص ایسی قبر سے گزرے کہ صاحب قبر اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ سلام کہے تو میت اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر ایسی قبر سے گزرے کہ وہ اسے نہ پہچانتا ہو اور سلام کہے تو میت سلام کا جواب دیتا ہے اور پہچانتا نہیں۔

۵ ...... (السعی المشکور ص ۳۴۸)" اخرج ابن ابی الدنیا فی القبور و الصابونی فی المائتین عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ مامن عبد مرّ علی قبر رجل یعرفہ فی الدنیا فسلّم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام " ابن ابی الدنیا اور الصابونی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے واقف کی قبر سے گزرے اور سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

۶ ...... (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)" عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ حتی یقوم " حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جائے اس کے پاس بیٹھے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔

۷ ...... (شرح الصدور ص ۸۴)" اخرج الحاکم وصححہ والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ انہ وقف علی مصعب بن عمیر حین رجع من احد فوقف علیہ وعلی اصحابہ فقال اشھد انکم احیاء عند اللہ فزوروھم وسلّموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلّم علیہ احد الا ردوا علیہ الی یوم القیامۃ " جب حضور ﷺ احد سے لوٹے تو مصعب بن عمیر اور دوسرے ساتھیوں کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے ہاں۔ پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کہا کرو اور قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جو شخص انہیں سلام کہے گا یہ جواب دیں گے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۸ ...... (وفی الاربعین الطائیہ وشرح الصدور ص ۸۵)" روی عن النبی ﷺ انہ قال انس مایکون المیت فی قبرہ اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا " فرمایا حضور ﷺ نے کہ قبر میں میت اس شخص سے انس پکڑتا ہے۔ جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا جب وہ میت کی قبر کی زیارت کرے۔

۹ ...... (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)" عن عائشۃ قالت کنت ادخل البیت فاضع ثوبی و اقول انما ھو ابی وزوجی فلما دفن عمر معھما ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علیّ ثیابی حیاء من عمر۔ حاشیہ مشکوٰۃ حیاء من عمر اوضح دلیل علی حیات المیت۔ (مرقات ج ۴ ص ۱۱۷) قال الطیبی فیہ ان احترام المیت کاحترام المیت حیاً "
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حجرہ میں پردہ کے بغیر داخل ہوا کرتی تھی اور کہتی کہ ایک میرے شوہر ہیں دوسرے والد، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو میں عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی داخل نہیں ہوئی۔ حیاء من عمر میت کی زندگی پر واضح ترین دلیل ہے۔ طیبی نے کہا اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ میت کا احترام اسی طرح کیا جائے جیسا زندگی میں کیا جاتا تھا۔

اور (لمعات ج ۱ ص ۷۶۷) ودریں حدیث دلیلے واضح است بر حیات میت وعلم وے وآنکہ واجب است احترام میت نزد زیارت وے خصوصاً صالحاں۔ اس حدیث میں واضح دلیل ہے میت کی حیات اور میت کے علم پر اور اس امر کی دلیل ہے کہ زیارت میت کے وقت اس کا احترام کیا جائے بالخصوص صلحاء کا۔

اس حدیث پر اقوال مرضیہ کے مصنف نے جاہلانہ سوال کئے ہیں:

۱ ...... حیاء عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا تھا جیسا بول و براز کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہیں کیا جاتا واسطے حیاء بیت اللہ کے۔ کیا بیت اللہ دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے۔

(فتح الملہم ج ۱ ص ۴۸۱): ستر عورت کا حکم خدا نے دیا ہے۔ اس حکم کے پابند کو خدا تعالیٰ حالت حیاء میں دیکھتا ہے۔ غیر ستر عورت کی حالت بے حیائی کی ہے۔ اس کو بے حیائی کی حالت میں دیکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ دونوں حالتوں میں دیکھتا ہے۔ مگر ایک کو حیاداری میں دوسرے کو بے حیائی میں اور بیت اللہ کے لئے یہ حکم نہیں ہے" وان كان الله يرى المستور كما يرى المكشوف لكنه يرى المكشوف تاركاللادب والمستور وهذاالادب واجب مراعاته عندالقدرة عليه"

الجواب: بیت اللہ سے تشبیہ ملاحظہ ہو: کوئی پوچھے کون سا وصف مشترک ہے جسے وجہ شبہ قرار دیا۔ بیت اللہ ایک عمارت ہے جو پتھروں سے تیار کی گئی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عظیم الشان انسان ہیں جو شہید ہوئے اور شہید از روئے نص قرآنی زندہ ہیں۔ کیا بیت اللہ کوئی جاندار چیز ہے جسے زندہ کہا جا سکتے؟ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز میں قبلہ بنایا جاتا ہے؟ بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے جو عبادت ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طواف کیا جاتا ہے؟ اس بیچارے کو کون سمجھائے کہ قضائے حاجت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہ کرنا شعار اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے جو عبادت ہے اس کو حیا قرار دینا صرف اقوال مرضیہ کے مصنف ہی کا کام ہے۔

۲...... دوسرا سوال کیا کہ جب مٹی سے نظر پار چلی جاتی ہے تو کپڑا کس طرح پردہ بن سکتا ہے؟

الجواب: اس سوال میں تو مصنف کا باطن اور اس میں چھپا ہوا چور صاف نمایاں ہیں۔

اوّل: مصنف کے نزدیک یہ حدیث غلط ہے۔

دوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ جب مٹی پردہ نہیں بن سکتی تو کپڑا کیسے پردہ بن سکتا ہے۔ یہ لال بجھکو اپنے آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں۔

سوم: مصنف کو مرقاۃ یا لمعات دیکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ میت کا احترام اسی طرح کرنا چاہئے جیسے زندگی میں اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ زندگی میں کپڑے کو پردہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح میت سے پردہ کرنے کے لئے بھی کپڑے سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل

۱...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے کئی امور ثابت ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ تھا کہ اہل برزخ کے لئے مٹی بمنزلہ شیشہ کے ہے۔ جس طرح شیشے سے نظر پار چلی جاتی ہے اسی طرح مٹی سے پار چلی جاتی ہے۔

۳...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کرنے کے لئے کپڑے کا استعمال امتثال امر کے طور پر کیا۔ "قال تعالی وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن او آبائهن" (النور: ۳۱)

۴...... قلیب بدر کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو غلط معنی پہنا کر انہیں عدم سماع کا قائل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر اس قول کے وہی معنی لئے جائیں جو منکرین سماع موتی لیتے ہیں تو اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ قلیب بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عدم سماع کا عقیدہ جو شخص ثابت کرنا چاہے وہ اس کے بعد کا قول پیش کرے۔
"فمن ادعا فعلیہ البیان بالبرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

۱۰...... (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۹) "ان شابا کان یتعبد فی المسجد فھو تیہ امرأۃ فدعتہ الی نفسھا فما زالت بہ حتی کاد یدخل معھا المنزل فذکر ھذہ الایۃ انّ الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون فخر مغشیاً علیہ ثم افاق فاعلوھا فمات فجاء عمر فعزی فیہ اباہ و کان قد دفن لیلا فذھب علی قبرہ بمن معہ ثم ناداہ عمر فقال یا فتی و لمن خاف مقام ربہ جنتان فاجابہ الفتی من داخل القبر یا عمر! قد اعطانیھا ربی عزوجل فی الجنۃ مرتین"

ایک جوان مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا ایک عورت اس پر مائل ہوگئی اور اس نوجوان کو برائی کی دعوت دی یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ قریب تھا کہ اس کے گھر میں داخل ہوتا۔ پس اس جوان کو یہ آیت یاد آئی ان الذین اتقوا الخ تو غش کھا کے گر پڑا۔ پھر کچھ افاقہ ہوا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور مر گیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے باپ کے پاس تعزیت کے لئے آئے اور انہیں رات کو دفن کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی قبر پر گئے اور اپنے ساتھیوں سمیت دعا کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی اے جوان جو شخص اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنت ہیں تو قبر سے اس نے جواب دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! یہ دونوں چیزیں میرے رب نے جنت میں دو دفعہ دی ہیں۔

۱۱...... (مرقاۃ ج ۴ ص ۴۲، اور الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۰۵) "عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت یعرف من یغسلہ و من یحملہ و من یکفنہ و من یدلیہ فی حفرتہ" فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت پہچانتا ہے، غسل دینے والے کو اور جو اسے اٹھاتا ہے جو کفن دیتا ہے اور جو اسے قبر میں اتارتا ہے۔

۱۲...... (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹۶) "عن ابی ھریرۃ ان امرأۃ سوداء کانت تقم المسجد ففقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عنھا بعد ایام فقیل لھا انھا ماتت" ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پایا۔ چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا۔ عرض کیا گیا کہ مر گئی ہے۔

دوسری روایت ابن مرزوق سے (الترغیب ج ۱ ص ۱۹۷) "فمرّ علی قبرھا فقال ماھذا القبر فقالوا ام محجن قال التی تقم المسجد قالوا نعم وصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل؟ قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتسمع؟ فقال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ تقم المسجد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی قبر پر گزر ہوا پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ام محجن کی فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرض کیا جی ہاں۔ پھر صف باندھی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام محجن سے سوال کیا تم نے کون سا عمل افضل پایا۔ صحابہ نے عرض کیا رسول اللہ! کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہی ہے۔ فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جواب دے رہی ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو افضل عمل پایا۔

۱۳...... (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیٹے کو وصیت فرمائی: "ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور و یقسم لحمھا حتی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی" پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر رکنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔ (اور مسلم ج ۱ ص ۷۶)

۱۴...... (طحطاوی شرح مراقی الفلاح ص ۳۵۵) ”عن ابی امامة قال قال رسول اللهﷺ اذا مات احد کم فسویتم علیه التراب فلیقم احد کم علی رأس القبر ثم لیقل یا فلان بن فلانة فانه یسمع ولا یجیب ثم لیقل یا فلان ابن فلانة فانه یقول ارشدنا یرحمک الله تعالی ولکنکم لا تسمعون۔ رواه الطبرانی فی الکبیر روی مرفوعا“ فرمایا حضورﷺ نے کہ جب تم میں سے کوئی مرجائے جب اس پر مٹی ڈال چکو تو کوئی شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے اے فلاں بن فلاں وہ کلام سن لے گا مگر جواب نہ دے گا۔ پھر کہے اے فلان بن فلاں اب وہ کہے گا اللہ تجھ پر رحم کرے ہماری رہنمائی کر۔ لیکن تم نہیں سنتے۔

اور (تذکرہ قرطبی ص ۳۴) پر ہے کہ اس پر علامہ طحطاوی نے لکھا ہے: ”اذا فرغوا من دفنه یستحب الجلوس عند قبره بقدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمه یتلون القرآن ویدعوا للمیت فقد ورد انه یستأنس بهم وینتفع به“ دفن سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس اتنا بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اتنی دیر قرآن کی تلاوت کریں۔ میت کے لئے دعا کریں اور حدیث میں آیا ہے کہ میت ان سے مانوس ہوتا ہے اور اسے فائدہ ہوتا ہے۔

پھر اسی میں (ص ۳۶۲) پر فرماتے ہیں: ”وقال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر حتی جاء علم به المزور وسمع سلامه وانس به ورد علیه السلام وهذا عام فی حق الشهداء وغیرهم“ ابن قیم کہتے ہیں حدیث اور آثار دلالت کرتی ہیں کہ جب زائر میت کی زیارت کو آتا ہے، میت کو علم ہو جاتا ہے اس کا سلام سنتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء کے لئے عام ہے۔

جدید محققین کی تحقیق

اسی حدیث پر ”جدید محققین“ (شفاء القلوب ص ۹۵) پر فرماتے ہیں:

”قلت الاستیناس غیر السماع وکذا القرأة القرآن علی ما روی عن ابی یوسف ومحمد کما یستأنس المیت بتسبیح الحشیش والنباتات الرطبة فی المقبرة الخ“ میں کہتا ہوں کہ ”استیناس تو سماع کا غیر ہے“ اسی طرح قرآن کی تلاوت جیسا کہ ابو یوسف و محمد سے مروی ہے جس طرح میت نباتات اور سبز گھاس کی تسبیح سے مانوس ہوتا ہے جو قبرستان میں اگ رہی ہوتی ہے۔

یہ حضرت کتنے سادہ و پرکار ہیں خود اپنی بات کی تردید کئے جارہے ہیں اور سمجھتے نہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو دھوکہ بھی دے رہے ہیں۔ اوّل تو آپ فرماتے ہیں کہ استیناس غیر السماع ہے اور پھر جو حوالہ دیتے ہیں وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ جیسے سبزہ کی تسبیح سے میت انس پکڑتا ہے، سبزہ کی تسبیح سن کر ہی تو مانوس ہوتا ہے پھر استیناس غیر السماع کیوں کر ہوا۔ اگر نباتات خدا کی تسبیح سن کر میت مانوس ہوتا ہے تو اشرف المخلوقات کی قرأت سننے کے لئے راستے میں کون سا ہمالیہ حائل ہوتا ہے۔

اب اس استیناس غیر السماع کی حقیقت سنئے:

”المنجد: آنسة وانس الساضد توحش انس الشیء ابصره وعلمه الله یؤنسه ایناسا بمعنی انسه“ انس ضد ہے توحش کی۔ کسی چیز سے انس پکڑا یعنی دیکھا اور معلوم کیا۔

"آنس الصوت سمعہ واحس بہ الشئ ابصرہ ومنہ آنس من جانب الطور نارا ای البصرہ مفردات راغب: فان الستم منھم رشدا ای ابصرتم ولا مستأنسین لحدیث۔ الی انست نارا لعلی اتیکم منھا" انس الصوت یعنی آواز کو سنا، محسوس کیا اور شئی کو دیکھا اور اسی سے ہے طور کی جانب سے آگ دیکھی اور ان نابالغوں میں جب تم بلوغت کے آثار دیکھ لو اور مت بیٹھیں باتوں میں جی لگا کر۔ میں نے آگ دیکھی۔

ان اہل لغت کے نزدیک انس کے لئے دیکھنا سننا اور محسوس کرنا ثابت ہے۔ مگر "جدید امام لغت"، "قلت" کہہ کر صاحب منجد اور صاحب مفردات کی زبان دانی پر پانی پھیر گئے۔ قلت سے ان کی مراد یہ ہے کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

اب ایک اور حضرت کی تحقیق ملاحظہ ہو: (تسکین القلوب ص ۱۵) "یہ کون کہتا ہے کہ حیات ہو اور ادراک وشعور نہ ہو۔ ادراک وشعور تو سب کے نزدیک ہے۔ مناوصدقنا نزاع اس میں ہے کہ اس ادراک وشعور کے مدرکات کیا ہیں؟"

اس سلسلے میں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ جو لوگ جاہل اور گنوار کہلائے جاتے ہیں۔ وہ بھی جب کوئی جھوٹی کہانی بناتے ہیں تو گواہوں کو بیانات رٹا لیتے ہیں تاکہ بیانات میں تضاد کی وجہ سے کہیں کہانی جھوٹی ثابت نہ ہو جائے۔ مگر "جو" حضرات نہ جاہل ہیں نہ گنوار ہیں اتنی احتیاط بھی نہیں فرماتے۔ ہر ایک کا بیان جدا، ایک ہیں کہ حیات کے منکر، دوسرے سماع کے منکر اور ایک ہیں کہ ایک ادارک وشعور کے متعلق مناوصدقنا فرمار ہے ہیں۔

رہا ادراک وشعور کے ادراکات کا معاملہ تو پلٹ کر قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا مطالعہ فرمالیجئے جو گزشتہ ابواب میں پیش کی گئی ہیں اور اس باب میں پیش کی جارہی ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ادراک وشعور کے مدرکات جس طرح اخروی ہیں۔ اسی طرح دنیا کی چیزیں بھی ہیں۔

۱۵...... "وعن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لا یزال المیت یسمع الاذان ما لم یطین قبرہ" فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ میت اذان کی آواز سنتا ہے جب تک کہ اس کی قبر کی لپائی نہ کی جائے۔

اس حدیث میں بعد تطیین قبر جو شرعاً ایک کراہ فعل ہے اس کی وجہ سے اذان نہ سننے کا نہ کہ مطلق سننے کا بھی نہیں۔ حدیث نفی سماع اذان کی ہے نہ مطلق سماع کی۔

اس حدیث پر "جدید محققین" نے اعتراض فرمایا کہ یہ خلاف عقل ہے جب لپائی کی وجہ سے اذان نہیں سن سکتا تو قبر پر جو مٹی پڑی ہے اس کے ہوتے ہوئے کس طرح سن سکتا ہے۔ (شفاء الصدور ص ۹۵)

الجواب: دیکھنے اور سننے میں مٹی کیوں حائل نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو: (شرح الصدور ص ۹۵)

"قال ما رأیت الماء اذا کان فی الذجاج ما یتبین قلت بلٰی قال فکذلک نحن نری من یزورنا"

(میت نے) کہا کیا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے میں نے کہا ہاں! میت نے کہا اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے۔

لپائی سے کیوں نہیں سن سکتا

لپائی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اسی حدیث کی رو سے قبر کی لپائی مکروہ ہے اور اذان جو دینی نقارہ ہے۔ اس مکروہ فعل کی وجہ سے میت اس کے سننے سے محروم ہو جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ خلاف عقل ہے تو سوچنے کی بات ہے کہ کس کی عقل معیار ہے؟ ایک فن سے ناواقف آدمی تو اسے بھی خلاف عقل کہہ سکتا ہے کہ بجلی کی رو ایک تناور درخت کی چوٹی سے گزر رہی جائے تو وہ شاخوں اور تنوں سے گزر کر زمین میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر کاغذ برابر موٹے ربڑ کی تہ سے پار نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح امور آخرت کا ماہر اللہ کا رسول ایک بات کہہ دے اور کوئی اناڑی اسے خلاف عقل قرار دے تو اس کی عقل کو قول رسول پر ترجیح دینا ایمان اور عقل کے منافی ہے۔

۱۶ ...... ''عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی القبر و تولّٰی عنه اصحابه انه یسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فیقعدانه فیقولان'' (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۹۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ گھر کو لوٹتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس وقت دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔

''و فیه دلالة علی حیاة المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاة ممتنع عادة'' اور اس حدیث میں قبر میں میت کی حیات کی دلیل ہے۔ کیوں کہ احساس بغیر حیات کے عادتاً محال ہے۔

۱۷ ...... (شرح حدیث النزول ص ۸۳) ''عن ابی هریرة عن النبی ﷺ رواه ابو حاکم فی صحیحه و قد رواه ایضاً الائمة قال ابن المسیب لیسمع خفق نعالهم حین یولون عنه'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں بیان اور اسے ائمہ حدیث نے بیان کیا۔ ابن المسیب کہتے ہیں کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے جو لوٹ کر جا رہے ہوتے ہیں۔

۱۸ ...... (ایضاً) ''عن ابی هریرة الطبرانی فی الاوسط و ابن حبان فی الصحیح روایة ابی هریرة مفصلة اکثروا ولها عن النبی ﷺ قال ان المیت اذا وضع فی قبره انه یسمع خفق نعالهم حین یولون مدبرین'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے اوسط میں اور ابن حبان نے صحیح میں بیان کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل ہے۔ جس کا اوّل حصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے جو گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں۔

ان حدیثوں پر ایک آسان اعتراض تو وہی ہے جو گزر چکا کہ یہ خلاف عقل ہے۔ مگر ایک اور اعتراض منکرین سماع کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سماع مقید ہے اوّل وضع کے ساتھ جس وقت سوال و جواب نکیرین ہوتے ہیں کیوں کہ اس وقت روح کا اعادہ کیا جاتا ہے مگر بعد کو نہیں سنتا۔

اس سادہ اعتراض کا جواب تو اس دوسرے اعتراض میں موجود ہے کہ اس وقت ڈھیروں مٹی کے نیچے خفق نعال کیسے سن لیتا ہے۔ کیا یہ خلاف عقل نہیں۔ دوسرے حصے کا جواب ملا علی القاری نے دیا ہے۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۱) ''ان ما ورد من السلام علی الموتٰی یرد علی التخصیص باوّل احوال الدفن'' میت کو سلام کہنے کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو اول دفن کے ساتھ مختص کرنا مردود قرار دیا گیا ہے۔

اور (کتاب الروح ص ۱۲۴) ''و قد استدل به من ذهب الی ان الارواح علی افنیة القبور و هو اصح ما ذهب الیه فی ذالک من طریق الاثر الا تری ان الاحادیث الدالة علی ذالک ثابتة متواترة و کذالک احادیث السلام علی القبور'' جس نے کہا کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتے ہیں۔ اس نے اسی حدیث سے استدلال

کیا اور یہی مذہب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ بوجہ آثار کے کیا تم نہیں دیکھتے کہ متواتر احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں اور اسی طرح قبور پر سلام کہنے کی احادیث بھی متواتر ہیں۔

یعنی (۱) اہل قبور زندوں کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ متواترات سے ہے۔

(۲) مقر ارواح افنیہ قبور ہے، یہ بھی متواترات سے ہے۔

(اور لمعات ج ۳ ص ۴۰۰) وجواب دادہ اند جماعہ از حدیث مسلم کہ ناطق است بسماع میت قرع نعالہم مردما نرا بانکہ ایں مخصوص است بروقت نہادن میت در قبر از برائے مقدمہ سوال ایں تخصیص خلاف ظاہر است دلیل نیست برآں وظاہر حدیث آنست کہ ایں حالت حاصل است میت را در قبر۔ حدیث مسلم جو اس امر میں ناطق ہے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اس کو جن لوگوں نے اوّل وضع کے ساتھ مختص کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے اور اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں اور ظاہر اس حدیث سے یہ ہے کہ قبر میں میت کو یہ حالت ہر وقت حاصل ہے۔

۱۹...... (فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۵) "ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایتہ ذالک بل وافقهما ابو طلحہ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ وفیہ قالوا یا رسول اللہ وھل یسمعون قال یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون" اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے اس حکایت میں منفرد نہیں بلکہ ابو طلحہ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا گزر چکا ہے اور طبرانی میں ابن مسعود کی حدیث اسناد صحیح سے وارد ہے اور اسی طرح حدیث عبداللہ بن سیدان کی حدیث بھی اور اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا وہ سنتے ہیں۔ فرمایا حضور ﷺ نے کہ سنتے ہیں جیسا تم سنتے ہو۔ لیکن جواب نہیں دیتے۔

اور (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) و بہ تحقیق ذکر کردہ است در مواہب لدنیہ کہ در مغازی محمد بن اسحاق باسناد جید و امام احمد بن حنبل نیز باسناد حسن واز عائشہ رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابن عمر آوردہ پس گویا عائشہ رجوع کردہ از انکار بہ سبب آنچہ ثابت شد نزد وے از روایت ایں صحابہ کبار زیرا کہ وی رضی اللہ عنہا حاضر نبود در آں قضیہ و در شرح صحیح بخاری نیز مثل ایں کلام مذکور شد۔

مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مغازی محمد بن اسحاق میں اسناد جید اور امام احمد بن حنبل نے بھی سند حسن کے ساتھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث ابن عمر کی طرح وارد ہے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع کے انکار سے رجوع کیا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک ان کبار صحابہ کی روایت سے سماع موتی ثابت ہو چکا تھا اور اس واقعہ میں ام المومنین موجود نہ تھیں اور صحیح بخاری کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

۲۰...... (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۵) "وفی حدیث ابن مسعود ولکنهم الیوم لا یجیبون ومن الغریب ان فی مغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر باسناد حسن فان کان محفوظا فکانها رجعت عن الانکار لما ثبت عندها من روایۃ هولاء الصحابۃ لکونها لم تشهد القصۃ" اور حدیث ابن مسعود میں ہے کہ وہ "آج جواب نہیں دیتے۔" اور عجیب بات یہ ہے کہ مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت اسناد حسن سے مذکور ہے۔ پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع سے رجوع کر لیا ہے جب کہ جلیل القدر صحابہ کی روایت (سماع موتی) کے بارے میں ان کے ہاں ثابت ہو چکی تھی۔ کیوں کہ آپ خود واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

۲۱...... ''عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ ذکر فتان القبر فقال اترو علینا عقولنا یا رسول اللہ فقال نعم کھیئتک الیوم فقال عمر بفیہ الحجر (الترغیب والترھیب ج۴ ص ۳۶۲) بفیہ الحجر ای یلقم الفتان الحجر'' حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قبر کے فرشتوں کا ذکر فرمایا تو حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہماری عقلیں ہمیں لوٹائی جائیں گی فرمایا ہاں جس طرح آج ہیں تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان کے منہ میں پتھر، یعنی ان کے منہ میں ہم پتھر ڈال دیں گے یعنی جواب مسکت دیں گے۔

۲۲...... (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۴۱) ''فقال لہ عمر وانا کما انا الان قال نعم فقال اذن واللہ اخاصمھما فرأہ ابنہ عبداللہ بعد موتہ فقال لہ ما کان منک فقال لہ اتانی الملکان فقالا لی من ربک ومن نبیک فقلت ربی اللہ ونبی محمد وانتما من ربکما فنظر احدھما الی الاخر فقال انہ عمر فولیا عنی'' اور حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیا میں اسی طرح ہوں گا جیسا کہ اب ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! حضرت عمرؓ کہنے لگے تو اللہ کی قسم میں اس وقت ان سے جھگڑوں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے حضرت عمرؓ کو بعد وفات دیکھا اور پوچھا ابا جان آپ پر کیا گزری۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا میرے پاس دو فرشتے آئے مجھے کہا تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد میرا نبی ہے اور بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ تو ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ عمر ہے۔ چنانچہ وہ لوٹ گئے۔

۲۳...... (الترغیب ج ۴ ص ۳۶۵) براء بن عازب سے مروی ہے ''قال ان المیت یسمع خفق نعالھم اذا ولوا مدبرین حین یقال لہ یا ھذا من ربک وما دینک ومن نبیک'' فرمایا حضور ﷺ نے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے جب وہ لوٹ کر جاتے ہیں۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے فلاں تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟

۲۴...... (بخاری مع فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۳) اور مسلم میں قلیب بدر کے بارے میں ''فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء آبائھم یا فلان بن فلان یا فلان بن فلان ایسر کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم'' حضور ﷺ ان کے نام لے کر پکارنے لگے کہ اے فلاں بن فلاں کیا تمہارے لئے اچھا نہ ہوتا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے تو اسے حق پایا کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ! آپ ان بے روح لاشوں سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔

جس حدیث پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہو اس پر امت کا اتفاق سمجھا جائے گا بوجہ ان کی قبولیت کے۔ (تدریب الراوی ص ۷۰) ''قال ابن الصلاح لکن یلزم من اتفاقھما اتفاق الامۃ تلقیھم لہ بالقبول'' ابن الصلاح نے کہا کہ بخاری اور مسلم کے اتفاق سے امت کا اتفاق لازم آتا ہے۔ کیوں کہ امت نے ان کو قبول کیا ہے۔

ان احادیث میں من مانی تاویل شروع کر دینا ایک بیکار مشغلہ ہے۔ مگر منچلے لوگ بھلا کیسے باز آ سکتے ہیں۔ چنانچہ (شفاء الصدور ص ۴۳) اور (اقوال مرضیہ ص ۹۱) پر قرع نعال والی حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔

۱...... "ان ذالک کنایۃ عن سرعۃ اتیانھا بعد الدفن لا حقیقۃ" یہ منکر نکیر کے جلدی آنے کا کنایہ ہے حقیقت نہیں۔

۲...... "قالوا ان معنی الحدیث انہ یکون فی بعد یسمع قرع النعال فی ذالک الموضع اذا اتاہ ملکان" حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اتنا دور ہو کہ جہاں سے جوتوں کی آہٹ سنی جاتی ہے تو فرشتے آجاتے ہیں۔

۳...... "اجاب امامنا ابو حنیفۃ عن حدیث یسمع قرع نعالھم ان المعنی فی مقدار ان یذھبوا حتی لو کان حیا ھناک یسمع قرع نعالھم" ہمارے امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اتنی دور چلے جائیں کہ اگر کوئی زندہ ہو تو جوتوں کی آواز اتنے فاصلے سے سن لے۔

چلئے قرع نعالھم تو کنایہ سرعت اتیان سے ہوا۔ مگر سوال و جواب کس سے کنایہ ہوا۔ رہی یہ بات کہ اجاب امامنا تو صاحب یہ آپ نے اپنے لئے ایک محفوظ مورچہ کے طور پر استعمال کیا ہے ورنہ امام صاحب نے نہ کوئی جواب دیا نہ اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔ امام صاحب پر بہتان ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے۔ ایسے مسائل کے لئے اصول یہ ہے کہ: (السعی المشکور ص ۲۰۴) "انہ لا یلزم تصریح کل من الفروع والجزئیات عن الائمۃ فالعلوم تتزاید یوما فیوما بحسب اختلاف حوادث الامۃ وقواعدھم تقتضی الجواز فما لم یظھر تصریحھم علی خلافہ یحکم بالجواز" ائمہ کرام سے ہر مسئلہ کی جزئیات کی تصریح لازم نہیں آتی کیوں کہ اختلاف احوال امت کی وجہ سے علوم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ ائمہ کے قواعد جواب کے متقاضی ہیں۔ جب تک کہ ان کے خلاف ائمہ سے کوئی تصریح مذکور نہ ہو تو جواز کا حکم کیا جائے گا۔

جب امام صاحب سے عدم سماع کی تصریح موجود نہیں تو سماع کے جواز کا فتویٰ ہی امام صاحب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ امام صاحب کا مذہب وہی ہے جو حدیث صحیح ہے اور حدیث سماع موتی کا اعلان کر رہی ہے۔

اور (تنبیہ بمراقبۃ المبیت ص ۱۱۱ از حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) "بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحۃً یہ امر منقول نہیں ہے اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتی کو مستلزم ہے وہ مسئلہ یمین ہے اور ایمان کا مبنی عرف پر ہے۔ اس لئے امام صاحب کا کلام اس بارہ میں صریح نہیں۔"

مبنی ایمان بر عرف است۔ (شفاء الصدور ص ۵۶)

"ہر چند مبنی ایمان بر عرف است مگر مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و نفی سماع حقیقی ہر دو است زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلقا کردہ اند۔"

الجواب: مولانا بشیر صاحب مجتہد نہیں۔ نہ ہم ان کے مقلد ہیں نہ یہ طائے نقل سے ہیں۔ جن کے کلام پر اعتماد کریں۔ یہ بھی آپ کی طرح مسئلہ سماع موتی میں متشدد ہیں اور متشدد کی کلام اور سند کیسے قبول کی جاسکتی ہے جب کہ وہ قول تمام فقہاء کے مخالف بھی ہو۔ آپ حضرات نے بھی کوئی دلیل نقلی پیش نہیں کی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

۱...... (فتح الباری ج ۴ ص ۱) "بان الایمان مبنیۃ علی العرف" ایمان کی بنیاد عرف پر ہے۔

۲...... (مرقاۃ ج ۶ ص ۱۱) "اقول ھذا منھم بنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ السماع" میں کہتا ہوں کہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے اس لئے یمین سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آئے گی۔

۳۔۔۔۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) وبناء ایمان برعرف عادت است نہ بر حقیقت فافہم ا ایمان کی بنیاد عرف وعادت پر ہے حقیقت پر نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

۴۔۔۔۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹) "واما المسئلۃ الیمین التی ذکرھا الشیخ ابن الھمام فمبنی الایمان علی العرف فاذا حلف احد انہ لا یکلم فلانا فلا یفھم منہ اھل العرف التکلیم الا فی حالۃ الحیاۃ فلا یحنث بعکلیمہ میتا" اور مسئلہ یمین جس کو شیخ ابن الہمام نے (نفی سماع پر پیش کیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے تو جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا تو عرف میں اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس زندگی کی حالت میں کلام نہیں کرے گا اس لئے بعد موت کلام کرے تو حانث نہ ہوگا۔

(تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۳۰) "(وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا) وتمسک مالک والثوری بھذہ الایۃ الہ من حلف لا یاکل لحما یحنث باکل السمک واجیب عنہ بان مبنی الایمان علی العرف وھو لا یفھم منہ عند الاطلاق الاتری ان اللہ تعالٰی قال شر الدواب فی الکفار ولا یحنث الحالف ان لا یرکب دابۃ برکوبۃ علی الکفار" اللہ وہ ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا کہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ امام مالک اور ثوری نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا وہ مچھلی کھانے سے حانث ہوگا۔ امام صاحب کی طرف سے جواب دیا گیا کہ مطلق گوشت سے مچھلی نہیں سمجھی جائے گی۔ کیوں کہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالٰی نے کفار کے لئے شر الدواب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب کوئی شخص قسم کھائے کہ دابہ پر سوار نہ ہوں گا تو کافر پر سوار ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

جنی ایمان عرف پر ہے اور عرف میں دابہ چارپائے کو کہتے ہیں اور قرآن نے کافر کے لئے شر الدواب استعمال کیا ہے۔ مولوی بشیر صاحب کے اجتہاد کے مطابق وہ حالف اگر کافر پر سوار ہو جائے تو حانث ہوگا۔ مگر فقہ حنفی میں ایسا نہیں۔ اس لئے اس سماع سے بھی سماع عرفی مراد ہے۔ سماع حقیقی نہیں۔

"وحجۃ ابی حنیفۃ ان مبنی الایمان علی العرف والعادۃ وعادۃ الناس اذا ذکر اللحم علی الاطلاق ان لا یفھم منہ لحم السمک بدلیل انہ اذا قال الرجل بغلامہ اشتر بھذہ الدراھم لحما فجاء السمک کان حقیقا لا بالانکار" امام ابوحنیفہ بیلیو کی دلیل ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف وعادت پر ہے اور لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب مطلق گوشت کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد مچھلی کا گوشت نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص نوکر سے کہے کہ اس رقم کا گوشت خرید لاؤ اور وہ مچھلی خرید لائے تو حقیقتاً وہ انکاری سمجھا جائے گا۔

اسی طرح "بساط" کا لفظ بچھونے کے لئے عرف میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر قرآن میں زمین کے لئے بھی ہے تو کیا وہ شخص زمین پر سونے سے حانث ہوگا جس نے بساط پر نہ سونے کی قسم کھائی تھی؟ اگر یہاں عرف کو لیتے ہیں تو سماع موتی میں عرف کو کیوں نہیں لیتے۔ یہی سوال امام صاحب نے کیا تھا کہ جعل لکم الارض بساطا

دیکھئے امام صاحب تو عرف کے حکم عرف تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ عرف پر لا کو حکم کو حقیقت تک پھیلانے کی جرأت کرتے ہیں اور لطف یہ کہ بہتان فقہاء کے ذمے لگاتے ہیں۔

(حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳) "ان ماذکروہ من ان الایلام لا یتحقق فی المیت مخالف للاحادیث الدالۃ علی ان المیت یتاذی بما یتاذی منہ الحی کما ذکرہ السیوطی فی کتابہ شرح الصدور۔ والثالث ان قولھم فی باب الدخول ان زیارۃ المیت زیارۃ القبر لا زیارۃ للمقبور یخالف قولہ ﷺ من جاء فی زائر الا تصلہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ واقوالہ ﷺ دالۃ علی ان المیت یستأنس بزائرہ ویجیب سلامہ ویعرف من کانت بینہ وبینہ مصرفۃ وھی کثیرۃ فی کتب الحدیث مرویۃ"

اور یہ بات جو انہوں نے ذکر کی ہے کہ میت میں الم کا احساس نہیں ہوتا ان احادیث کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت کو ان امور سے اذیت ہوتی ہے جن سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں ذکر کیا ہے اور سوم یہ کہ باب الدخول میں ان کا یہ قول کہ زیارت میت دراصل قبر کی زیارت ہے۔ مقبور کی زیارت نہیں تو یہ بات حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ جو شخص صرف اور صرف میری زیارت کی غرض سے آیا۔ مجھ پر اس کا حق ہو گیا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں اور حضور ﷺ کے ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ میت اپنے زائر سے مانوس ہوتا ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کو پہچانتا ہے جسے دنیا میں پہچانتا تھا۔ کتب احادیث میں ایسی روایات کثرت سے ہیں۔

"الرابع ان قولھم فی بحث الکلام یخالف الحادیث الصحیحۃ الدالۃ علی ان المیت یسمع سلام من یسلم علیہ ویجیب السلام ویفھم کلام الاحیاء وھی مرویۃ فی الصحیحین وغیرھما" چہارم: کلام کی بحث میں ان کا قول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت سلام کہنے والے کا سلام سنتا ہے۔ سلام کا جواب دیتا ہے اور زندہ آدمیوں کی کلام سمجھتا ہے اور ایسی احادیث صحیحین وغیرہ میں روایت کی گئی ہیں۔

اور (حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۵۴) "وبالجملۃ لما یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت وادراکہ وفھمہ وتألمہ لا من الکتاب ولا من السنۃ بل السنۃ والصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ثبوتھا لہ والحق فی ھذا المقام ان ھذا کلہ من تقریرات المشائخ وتوجیھاتھم وتکلفاتھم ولا عبرۃ بھا حین مخالفتھا للاحادیث الصحیحۃ واٰثار الصحابۃ الصریحۃ" مختصر یہ کہ میت کے سماع، اس کے ادراک فہم اور تالم کی نفی کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں ہے نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول میں۔ بلکہ صحیح اور صریح سنت تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ نفی سماع کی ساری باتیں مشائخ کی تقریریں ہیں اور ان کی توجیہات ہیں اور محض تکلفات ہیں ان پر کوئی اعتبار نہیں جب کہ صحیح احادیث اور صحابہ کے صریح آثار ان کی مخالفت میں موجود ہیں۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ فقہا نے جس سماع کی نفی کی ہے وہ سماع عرفی ہے۔ جس کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ سماع حقیقی کی نفی نہیں۔ فقہاء کی ان عبارات کو نفی سماع حقیقی پر محمول کرنا صریح دھوکہ ہے۔

اسی شرح وقایہ کے حاشیہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ:

"واما المتاخرون فھم بریئون عن انکار ھذا الامر وانما حکموہ فی الحلف بالضرب والکلام والدخول علیہ ونحوھا بعدم الحنث عن وجود ھذہ الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیۃ علی العرف والعرف قاض ان ھذہ الامور یراد بھا ارتباطھا ما دام الحیاۃ وبعد الموت فالکلام بالمیت وان کان کلام حقیقۃ ویوجد فیہ

الاسماع والافہام لکن العرف یحکم بان المراد بقولہ اکلمک وھو الکلام حالۃ حیاتہ وکذا الایلام وان کان یتحقق فی المیت لکن العرف قاض علی ان المراد فی قولہ لا اضربک ھو ضربہ حیاً لا میتاً

اور جہاں تک ہمارے ائمہ کرام کا معاملہ ہے وہ ان امور کے انکار سے بیزار ہیں۔ انہوں نے میت کو مارنے اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیوں کہ ایمان کی بنا عرف پر ہے اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد حالی زندگی ہی لی جاتی ہے نہ کہ بعد موت اور میت سے جو کلام کی جائے۔ اگرچہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں سماع وافہام پایا جاتا ہے۔ لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ "میں کلام نہیں کروں گا" حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام کے بارے میں بھی ہے۔ خواہ اس کا تحقق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول سے مراد کہ میں "اسے نہ ماروں گا" حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت سے۔

(شفاء الصدور ص ۴۴، اقوال مرضیہ ص ۸۲، تسکین القلوب ص ۶۰ بحوالہ فتاوی الغرائب فی المذاہب) وغیرہ: "رای الامام ابو حنیفہ من یاتی القبور باھل الصلاح واستدلال المنکروان ومنھم عائشۃ وابن عباس ومنھم الامام بقولہ تعالٰی انک لا تسمع الموتیٰ الخ "منکرین سماع نے آیت قرآنی انک لا تسمع الموتیٰ سے استدلال کیا ہے۔ ان میں حضرت عائشہ ؓ حضرت ابن عباس ؓ اور امام صاحب بھی شامل ہیں۔

حضرت عائشہ ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ کے انکار کی حقیقت اپنے مقام پر آئے گی اس موقع پر امام صاحب کے متعلق وضاحت کی جاتی ہے۔ آپ نے "فتاویٰ الغرائب فی المذاہب" کا حوالہ دیا ہے۔ اس لئے فرمایئے:

۱...... اس کا مصنف کون ہے؟

۲...... حوالہ بقید صفحہ لکھیں۔

۳...... من یاتی القبور میں من سے مراد کون شخص ہے؟

۴...... اس حکایت کا بیان کرنے والا کون ہے؟ اس کی سند امام صاحب تک پیش کریں۔

حیرت ہے کہ ایک مجہول شخص کی مجہول حکایت بیان کر کے اسے امام صاحب کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔ امام صاحب کا مذہب بیان کرنا ہے تو متون فقہ سے کریں۔ کتب معتبرہ معتمدہ متداولہ اور مفتی بہ فتاویٰ میں سے امام صاحب کا مذہب بیان کریں۔ اگر عقل سلیم سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر یہ امام صاحب کا مذہب ہوتا تو یقیناً اصحاب امام اور مشائخ مذہب محل گفتگو میں لاتے اور یہ مسئلہ عامۃ الورود ہوتا۔ ان حضرات کا کمال یہ ہے کہ مجہول روایت کو بنیاد مذہب قرار دے رہے ہیں۔ مگر متواتر احادیث کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اجماع امت کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ مگر اتباع ہویٰ انسان سے کیا کچھ نہیں کراتی۔

حضرت قاضی صاحب نے ایک اور بیخ لگائی کہ حضرت مولانا رشید احمد کے نزدیک امام صاحب کی روایت ثابت ہے۔ مگر کہاں ثابت ہے؟ ثبوت بھی تو پیش کیا ہوتا۔ آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر مگر جب آپ متواتر احادیث سے انکار کر دیتے ہیں تو آپ کی بات کیوں کر قابل قبول ہو۔ سند بھی تو پیش فرمائیں۔

ہم یہ اعلان کئے دیتے ہیں کہ امام صاحب کا کوئی قول صریح ان شرائط کے ساتھ عدم سماع کے متعلق نہیں پیش کیا جا سکتا اور نہ ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں ترجمہ مسند امام اعظم میں فرمایا: برصاحب ہر عقل پوشیدہ نہ ماند کہ مرویات شخص از رطب و یابس مجموعہ مخلوطی باشد تا وقتیکہ خود آں شخص کہ اعتقاد بزرگی و فضیلت او داریم آں مخلوط را تمیز نہ کند و بارہا بہ نظر امعان و تعمق مطالعہ نماید و شاگردان خود را تعلیم نہ کند محل اعتماد چہ قسم تواند بود۔" کسی عقل مند آدمی سے مخفی نہیں کہ ہر شخص کی مرویات رطب و یابس اکٹھی ہوتی ہیں۔ جس شخص کی بزرگی اور فضیلت پر اعتقاد رکھا جائے جب تک وہ اپنی ایسی مرویات کو خود بار بار گہری نظر سے مطالعہ کر کے کامل اور ناقص کو الگ الگ نہ کرے اور اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم نہ دے ان پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا ان شرائط کے ساتھ امام صاحب کی ایک روایت ہی پیش کریں جو انہوں نے عدم سماع کے حق میں فرمائی ہو۔

صاحب شفاء الصدور کی دلیری

اب ذرا صاحب شفاء الصدور کی دلیری ملاحظہ ہو آپ (ص ۱۰۶) پر رقمطراز ہیں: "پھر ابوحنیفہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے جواب ملا کہ لعنت ہو اس شخص پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مردے سنتے ہیں۔" ذرا ان حضرات کی اس جرأت کا تجزیہ کیجئے:

۱…… متواتر احادیث گزر چکی ہے کہ میت سنتا ہے۔

۲…… صحابہ کا عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۳…… محدثین کا عقیدہ گزر چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۴…… اجماع امت گزر چکا ہے کہ سماع موتیٰ کا عقیدہ حق ہے۔

اب بتائیے کہ کیا امام ابوحنیفہ کے متعلق کوئی صاحب ایمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ انہوں نے ان تمام جماعتوں پر لعنت کی ہو؟

بات اصل میں یہ ہے کہ صاحب شفاء الصدور نے پہلے تو اپنی خواہشات نفسانی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر مولوی بشیر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مہارت فن کا اظہار کرنے کے لئے دروازے پر امام ابوحنیفہ کے نام کا بورڈ آویزاں کر دیا تاکہ مخلوق کو دھوکا دیا جا سکے کہ دیکھئے یہ امام ابوحنیفہ کا مکان ہے دروازے پر ان کے نام کی تختی آویزاں ہے۔ بھلا کون تحقیق کرے گا کہ واقعی یہ امام صاحب کا دروازہ ہے یا نہیں۔ اس لئے آپ کو اپنے گھر سے جو آواز آئی ہے۔ اس کے مخاطب صرف آپ ہی ہیں یا آپ کے حواری۔ صحابہ کرام اور صلحائے امت کا دامن اس سے پاک ہے۔

ایک اور مشورہ ملاحظہ ہو (اقوال مرضیہ ص ۶۶) "سماع کو اپنے مورد پر بند رکھنا چاہئے دوسرے اموات کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔" درست فرمایا آپ نے مگر کیا عدم سماع کو بھی اپنے مورد پر بند رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اگر جواب مثبت ہے تو ذرا ایک صحیح حدیث پیش کیجئے۔ جس میں صراحت ہو کہ میت نہیں سنتا۔ ہم نے سماع موتیٰ کے حق میں چوبیس احادیث پیش کر دی ہیں۔

سماع کے مورد کا خلاصہ

اب سماع کے مورد بطور خلاصہ پیش کئے جاتے ہیں۔ تفصیل گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔

۱...... قرآن مجید میں وارد ہے کہ وقت قبض روح سے لے کر برزخ میں اور قیامت میں میت کو دنیا کے واقعات کا علم ہوتا ہے اور سنتا ہے۔
۲...... حدیث میں وارد ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت نیک کہتا ہے قدمونی اور بد کہتا ہے این یذھبون بہا اور یہ لسان قال سے کہتا ہے۔
۳...... حدیث میں وارد ہے کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتا ہے جو اٹھا کر چلتے ہیں ان کو پہچانتا ہے۔
۴...... حدیث میں وارد ہے کہ جو آدمی کفن پہنارہے ہوتے ہیں میت ان کو پہچانتا ہے جو قبر میں اتارتا ہے ان کو پہچانتا ہے۔
۵...... حدیث میں وارد ہے کہ میت پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔
۶...... حدیث میں وارد ہے کہ قبر کے پاس جو میت کو سلام کہے وہ سنتا ہے۔ جواب دیتا ہے واقف کو پہچانتا ہے، مانوس ہوتا ہے۔
۷...... حدیث میں وارد ہے کہ فاروق اعظمؓ نے ایک جوان کی قبر پر جا کر آواز دی تو اس نے آواز سنی اور جواب دیا۔
۸...... حدیث میں وارد ہے کہ سوال و جواب کے بعد ایک مومن کہتا ہے کہ مجھے اجازت دو کہ اہل وعیال کو اس کامیابی کی بشارت دوں۔
۹...... حدیث میں وارد ہے کہ رسول خدا ﷺ نے کفار قلیب بدر کو نام بنام پکارنے کے بعد رب کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ مردے تم زندوں سے اچھا سنتے ہیں۔

فرمایئے کیا سماع کو اپنے مورد پر نہیں رکھا گیا؟ اور یہ نص ہے یا قیاس ہے؟ آپ بھی ہمت کر کے قدم سماع پر کوئی ایک نص تو پیش کریں۔

تحقیق مسئلہ سماع موتیٰ

جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ مخلوق ہے اس کا وجود میں آنا زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ جب زندہ ہے تو کلام کرتی ہے سنتی ہے دیکھتی ہے۔ ہاں جس قسم اور جس نوعیت کی وہ شے ہے اس کا سننا دیکھنا اور کلام کرنا بھی اسی قسم اور اسی نوعیت کا ہوگا۔ اس لئے قرآن حکیم میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ”وان من شی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم“ (بنی اسرائیل: ۴۴)

۱...... یعنی ہر شے تسبیح کرتی ہے۔
۲...... لیکن ان کی تسبیح تم سمجھ نہیں سکتے۔

جہاں تک پہلے حصے کا تعلق ہے تسبیح کنندہ کے لئے ضروری ہے کہ خالق اور مخلوق میں فرق سمجھے۔ پھر یہ کہ خالق کی تسبیح کر رہا ہوں مخلوق کی نہیں۔ پھر تسبیح وغیر تسبیح میں فرق جانے۔ لہٰذا ہر شئے کے لئے کلام ثابت ہوئی اور اس کے ساتھ فہم، علم اور حیات تینوں اوصاف ہر شئے کے لئے ثابت ہو گئے۔

جہاں تک دوسرے حصے کا تعلق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے مگر تم عادت کے طور پر ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ مگر خرق عادت کے طور پر سمجھنے کی نفی نہیں اور ان کی تسبیح کے عدم فہم سے عدم تسبیح لازم نہیں آئے گی۔

پہلے حصے میں جوبات اجمال کے طور پر کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس سے کئی اشکال دور ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے لفظ "شئ" قابل غور ہے۔ اس کے مفہوم میں کیا کچھ شامل ہے؟ کائنات کی ہر چیز مثلاً زمین و آسمان اور وہ تمام چیزیں جو اس میں موجود ہیں۔ سورج، چاند، تارے، شجر، حجر، آگ، مٹی پانی، نباتات، حیوانات انسان ہر چیز پر لفظ شے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے ان سب کا تسبیح کرنا نص سے ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر شے کے تسبیح کرنے کا ذکر اس کثرت سے کیا ہے۔ جیسے یہ عقیدہ پختہ کرانا مقصود ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ (الکلام علی الفطرۃ ص ۳۲۲) پر اس کا اجمالی ذکر کیا ہے۔

"فنوع الانسان اشرف من کثیر من المخلوقات قال ابن عباس من جمیع مخلوقات قاله فی قوله ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا و لاشک انه افضل من الجمادات وقد فضل الله الجمادات علی تسبیحه وبتحمیده وتنزیهه نطق لا یفهمه الا الذی انطقهم به قال (۱) تسبح له السموات السبع والارض ومن فیهن وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم انه کان حلیما غفورا۔ قال شیخنا ابن قاضی الحیل فی هذه الایة قال تسبیحها ای اذا کانت الجمادات التی لا تنتعم تسبیح بحمد فالقها فهو حلیم غفور اذ لم یعاجل المقصرین الذین کملت النعمة فی حقهم بالعقوبة" پس نوع انسانی بہت سی مخلوق سے افضل ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ساری مخلوق سے افضل ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ستھری چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہتوں سے بڑھا دیا جن کو ہم نے بڑائی دے کر پیدا کیا۔ یقیناً انسان افضل ہے جمادات سے اور اللہ تعالیٰ نے جمادات کو اپنی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرنے کے لئے پیدا کیا۔ جن کی زبان وہ خود سمجھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ سات آسمان اور زمین جو کچھ ان میں ہے ہر چیز اللہ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح اور حمد کو سمجھ نہیں سکتے۔

ہمارے شیخ ابن قاضی نے کہا اس آیت میں پہاڑ کی تسبیح حقیقی حمد ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا انه کان حلیما غفوراً جب وہ پتھر جن پر خدا تعالیٰ کا اتنا انعام بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں تو جس پر اس کا انعام ہے ان کی تسبیح و حمد نہ کرنے سے ان پر عذاب نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ حلیم اور غفور ہے۔

(۲) "وقال الله تعالی الم تر ان الله یسبح له من فی السموات والارض والطیر صافات کل قد علم صلاته وتسبیحه"

(۳) "وقال تعالی یسبح لله ما فی السموات والارض والایات کثیرة فی هذا الباب وقد اتی بلفظ الماضی الدال علی وقوع التسبیح وصدوره بلفظ المضارع علی استمراره التسبیح وتجدوه کل وقعت ولا یستکره معرفتها خالقها وتسبیحها بحمده اذ قد فطرها علیه کما فطر بنی آدم علی الاقرار بربوبیته الست بربکم قالوا بلی ولم یتخلف منهم احدا کما اخبر الله عن عباده"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے اور پرندے اپنے پروں کو کھولے اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ ہر ایک کی تسبیح اور نماز کو خوب جانتا ہے۔ پھر فرمایا زمین و آسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی کثیر آیات موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ماضی کا صیغہ بیان فرمایا جو تسبیح کے

وقوع اور صدور پر دلالت کرتا ہے اور مضارع کا صیغہ بھی استعمال ہوا جو ہیشگی اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور کوئی چیز اپنے رب کی خالقیت کا انکار نہیں کرتی اور اس کی تسبیح اور حمد سے منہ نہیں موڑتی۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے اس کو اسی لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ انسان کو اقرار ربوبیت پر پیدا کیا سب نے اقرار کیا۔ کوئی بھی پیچھے نہیں رہا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔

(۴) ''الهم يسبحونه بكرة وعشيا في قوله تعالى'' جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اپنے بندوں کے متعلق کہ وہ اپنے رب کی تسبیح صبح و شام کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

(۵) ''في بيوت اذن الله ان ترفع الي ان يسبح له فيها بالغدو والآصال وكذالك اخبر سبحانه عن الجبال فقال تعالى في حق داؤد'' ان گھروں میں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبح و شام تسبیح کہنے کا حکم فرمایا پہاڑوں کی نسبت فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ:

(۶) ''انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق وقال ابو هريرة كان داؤد اذا سبح اجابته الجبال والطير بالتسبيح والذكر وقال ابن الجوزي قد روى ان داؤد كان اذا وجد فترة امر الجبال فسبحت حتى يشتاق هو فسبح وقد ثبت في صحيح مسلم ان النبي ﷺ مر بجبل بحمدان وقال هذا جملان وقد اخبر سبحانه انه خاطب الجمادات فقال'' ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ صبح و شام حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ہم زبان ہوتے تھے اور پرندے بھی ذکر کرتے تھے اور علامہ ابن جوزی نے فرمایا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اندر ذکر میں سستی پاتے تو پہاڑوں کو حکم دیتے اور وہ خدا کی یاد میں لگ جاتے حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام میں بھی ذکر کا شوق جوش مارتا اور ذکر الٰہی میں لگ جاتے اور صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا حمدان کے پہاڑ سے گزرا ہوا تو آپ نے فرمایا یہ حمدان ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام جمادات کو خطاب کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

(۷) ''ولقد اتينا داؤد منا فضلا يا جبال اوبي معه والطير والتاديب هو ترجيع التسبيح واخبر سبحانه تعالى عن الحجارة'' ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضیلت دی وہ پہاڑوں کو خطاب کر کے کہتے کہ اے پہاڑو اور پرندو میرے ساتھ تسبیح کہو اور تادیب کے معنی ہیں تسبیح کا بار بار لوٹانا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے متعلق فرمایا:

(۸) ''ان منها لما يهبط من خشية الله وهذا يدل على انها تعرف (بها معرفة) تليق بها فان الخشية تستلزم العلم بالمخشي وكذالك قوله تعالى'' ان میں سے بعض وہ ہیں جو خوف خدا سے گر جاتے ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں جو معرفت ان کی شان کے شایان ہے کیوں کہ خشیت کے لئے ضروری ہے کہ جس سے ڈر رہا ہے اس کو پہچانتا ہے۔

(۹) ''ثم استوىٰ الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعا او كرها قالتا اتينا طائعين هذا خطاب من يعرف ربه ويعقل امره وليس هذا خطاب تكوين لمعدوم فانه خاطبهما بعد وجودهما وكذالك'' اسی طرح ارشاد باری ہے اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دھواں تھا، پھر آسمان و زمین کو کہا کہ طوعاً یا کرہاً اطاعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا ہم خوشی سے خدا کا حکم مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اس سے ہے جو اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس کے حکم کو سمجھتا ہے اور یہ خطاب امور تکوینی میں سے نہیں ہے جو معدوم کو کیا جا رہا ہو کیوں کہ یہ خطاب زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے بعد ہے عدمی حالت میں نہیں۔

(۱۰) ''اذا السماء انشقت و اذنت لربها و حقت و معنی اذنت لقوله و امره و کذالک اخباره عن الارض یوم القیامة انها تحدث یومئذ اخبارها'' اسی طرح ارشاد ہے آسمان پھٹ گئے اور اپنے رب کے حکم کے لئے کان لگائے اور اس کو حق بھی ہے اور اذنت الخ کے معنی اپنے رب کا حکم سننے کی کوشش کرنا اور کان لگاتا ہے اسی طرح قیامت کے روز زمین کی حالت کہ وہ اس روز گواہی دے گی۔

(۱۱) ''وفی الترمذی ان النبی ﷺ قال اتدرون ما اخبارها قالوا اللہ و رسوله اعلم قال ان تشهد علی کل عبد بما عمل علی ظهرها من خیر او شر و هذه شهادة نطق لما تحملته من الشهادة دفی الدار لما اوحی لها فانه تعالٰی قال بان ربک اوحی لها و کذالک اخبر سبحانه تعالٰی عن سجود المخلوقات له فقال تعالٰی'' ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے پوچھا جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہیں؟ عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا زمین گواہی دے گی جو کام جس بندہ نے اس کی پشت پر کیا۔ خواہ نیکی ہو یا برائی اور یہ شہادت بول کر دے گی کیوں کہ اللہ نے زمین پر گواہی دینے کا بوجھ دنیا میں رکھا تھا جیسا کہ فرمایا کہ تیرے رب نے اس کی طرف وحی کی تھی۔ اسی طرح ارشاد باری مخلوق کے سجدہ کرنے کے متعلق ہے۔ فرمایا:

(۱۲) ''الم تر ان اللہ یسجد له من فی السموٰت و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و الشجر و الدواب و کثیر من الناس و کثیر حق علیه العذاب و لو کان سجودها هو مجرد دلالتها علی الصانع کما یقول بعض المفسرین لما اختص بکثیر من الناس بل جمیع العالم دال علی صانعه و امثال هذا کثیر فی القرآن و ما کان بهذه المقابلة کیف یستنکر معرفته لربه و سجوده و تسبیحه بحمده و لولم یکن فی هذه الایات الا قوله'' کیا تم نے نہیں دیکھا آسمان و زمین کی تمام چیزیں سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت چوپائے اور بہت سے آدمی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں کہ ان پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔ اگر ان کا سجدہ کرنا صرف دلالت علی الصانع ہی مراد ہوتا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے تو الناس کے ساتھ کثیر کی قید کی تخصیص کی حاجت نہ تھی۔ کیوں کہ صانع پر دلالت تو سارا جہاں کرتا ہے۔ اس قسم کے دلائل قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں اس لئے جن چیزوں کا حال یہ ہے ان کے متعلق کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے رب کی معرفت نہیں رکھتیں یا اس کی تسبیح اور سجدہ سے غافل ہیں۔

(۱۳) ''سبح للہ ما فی السموٰت و ما فی الارض و هو العزیز الحکیم فی اوائل هذه السورة فانه سبحانه اتی بلفظ ما بغیر اولی العلم قطعا اما اختصاصا و اما تغلیب و لا یصح محل ما ذکرنا من الایات علی اولی العلم تخصیصها بهم اذ لو اریه ذالک لجیئ بلفظ من المختصة بمن یعقل و ان کان قد وقع فی القرآن "ما" لمن یعقل، "و من" بما لا یعقل و المقصود اذا کانت هذه الجمادات قد فطرت علی معرفة ربها و تسبیحه فتنزیه و الانسان اشرف منها و احری''

اگر قرآن کریم میں سبح للہ ما فی السموٰت و ما فی الارض و هو العزیز الحکیم کے بغیر کوئی آیت نہ ہوتی جو سورتوں کے آغاز میں آتی ہیں تو بھی کافی تھا۔ چوں کہ خدا تعالٰی نے لفظ ''ما'' بیان فرمایا ہے جو غیر اولی العلم کو یقیناً شامل ہے یا اختصاص ہے یا تغلیباً ہے۔ جو آیت قرآنی میں نے ذکر کی ہیں ان کا اولی العلم پر حمل کرنا صحیح نہ ہوگا

اور اولی العلم کی تخصیص بھی صحیح نہ ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مراد اولوا العلم ہی ہوتے تو یقیناً لفظ "من" لایا جاتا اور "ما" کا لفظ نہ استعمال ہوتا (ما مختص ہے غیر ذو العقول سے اور من مختص ہے ذو العقول سے) اگرچہ قرآن میں ما ذوی العقول کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور من غیر ذو العقول کے لئے۔ اصل مقصود تو ہے کہ جب پتھروں کی پیدائش معرفت الٰہی کے لئے اور اس کی تسبیح وتہلیل کے لیے ہے اور انسان ان سے افضل ہے اشرف ہے۔

پھر اسی کتاب کے (۲۲۵) پر فرماتے ہیں: "وقد ارکزہ اللہ تعالٰی فی فطرۃ مخلوقا قد متحرکھا وساکنھا ناطقھا وصامتھا حیوانھا وجمادھا کما تقدم انھا مسبحۃ بحمدہ عارفۃ بہ ففی کل شی لہ ایۃ فدل علی الہ واحد وقد روینا فی الجزء الذیابی فی کتاب الذکر لہ باسنادہ عن ابن مسعود" اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی فطرت میں یہ چیز ثبت کردی ہے خواہ وہ مخلوق متحرک ہو یا ساکن ہو بولنے والی ہو یا غیر ناطق، حیوان ہو یا پتھر ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ مخلوق ساری کی ساری اللہ کی تسبیح اور حمد وثنا کرتی ہے اور اپنے رب کو پہچانتی ہے۔ ہر شے میں نشانی موجود ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے اور جزذیابی کی کتاب الذکر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے۔

یہ قول تفسیر (قرطبی ج ۱۰ ص ۲۶۷) پر بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا گیا ہے "قال ان الجبل لینادی مقابلہ باسمہ ھل مر بک الیوم ذاکر اللہ عزوجل فان قال نعم فیقول ھنیئاً لک لکن مامر علیّ الیوم احد یذکر اللہ روی ایضاً باسنادہ عن انس قال مامن صباح ولا رواح الا تنادی بقاع الارض بعضھا بعضا یا جارۃ ھل مر بک الیوم عبد فصلی علیک اللہ او ذکر اللہ علیک فمن قائلۃ نعم فاذا قالت نعم رأت بذالک امافضلا" کہ پہاڑ اپنے مقابل پہاڑ کو پکار کر پوچھتا ہے کیا آج کے دن کوئی آدمی تمہارے ہاں سے گزرا ہے جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہو وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے وہ کہتا ہے تمہیں مبارک ہو میرے پاس سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں گزرا اور اسی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہر صبح وشام زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے کہتا ہے اے میرے ہمسایہ کیا تجھ پر کسی ایسے شخص کا گزر ہوا جس نے تجھ پر نماز پڑھی ہو یا خلوص سے اللہ کو یاد کیا ہو۔ وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے تو دوسرا جواب دیتا ہے تجھے مجھ پر فضیلت ہے۔

"قلنا یکفینا ما تقدم لنا من اخبار اللہ تعالٰی فی القرآن من الدلیل القطعی عن الحجارۃ ان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ فان الخشیۃ تستلزم العلم بالمخشی وقد تقدم ذالک ولا یقول احد ھذہ اخبار احاد واآثار ولا تفید شیئا فی ھذا الباب" ہم کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی جو آیات گزری ہی وہ اس امر کی دلیل اس لیے کافی ہیں کہ بعض پتھر خوف سے گر پڑتے ہیں اور خوف مستلزم ہے کہ جس سے خوف آتا ہے اس کا علم ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ احادیث اس باب میں اخبار احاد ہیں لہٰذا مفید نہیں کیوں کہ دلیل قطعی تو قرآن حکیم سے ہم پیش کر چکے ہیں۔

"واما القول الثانی کونہ من مجاز التشبیہ فان ھذا مما یشھد الکتاب والسنۃ ببطلانہ اما الکتاب فی تقدم من الایات علی تسبیح کل شئی بحمدہ واما السنۃ فتسبیح الحصی فی کف النبی ﷺ ثم فی کف غیرہ من الصحابۃ تسبیحاً یسمعہ الحاضرون وقال النبی ﷺ انی لاعرف حجرا کان یسلم علی قبل ان ابعث وھذا الحجر عرف ربہ وعرف رسولہ ولو لم ینطق بکلام مسموع مفھوم مخصوص بذکر معین لما اخبر عنہ ولھذا اخبر النبی ﷺ عن جبل حمدان فقال ھذا جبل حمدان یحبنا ونحبہ" جہاں تک کتاب اللہ کا

تعلق ہے ہر شے کی تسبیح اور حمد کرنے کا ثبوت گزشتہ آیات میں دیا جا چکا ہے اور جہاں تک سنت کا تعلق ہے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کے ہاتھوں میں کنکریوں نے اللہ کی تسبیح شروع کی۔ حاضرین نے وہ تسبیح سنی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں بعثت سے پہلے گزرتا تھا تو وہ مجھے کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! ظاہر ہے کہ وہ پتھر اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتا تھا اگر وہ پتھر ایسی کلام نہ کرتا جو سنی اور سمجھی جاتی اور ذکر کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو حضور ﷺ ہمیں خبر نہ دیتے۔ (یہ روایت تفسیر قرطبی میں (ج ۱۰ ص ۲۶۷) پر بھی موجود ہے۔) اسی طرح حضور ﷺ نے حمران پہاڑ کے متعلق فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

"و کذالک اخبر من احد انه یحبنا و نحبه و هذا جبل یبغضنا و نبغضه الی ان قال بل هو سبحانه و تعالٰی قد خاطب الجمادات فقال انا عرضنا الامانة علی السموات و الارض و الجبال فابین ان یحملنها فهذا الاباء و الاستعفاء بعد ان عقلت خطابه و فهمت و علمت عجزها و لیس المقصود ذالک انما المقصود و ان الانسان اشرف عند اللہ و اعظم من الجبال" اسی طرح احد کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اور فرمایا یہ پہاڑ ہمیں براجانتا ہے ہم اسے براجانتے ہیں۔ حتیٰ کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں سے خطاب کیا ہے اور فرمایا ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑ کے سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے انکار کیا۔ یہ انکار اور استعفاء اسی وقت ہوا جب انہوں نے خطاب کو سمجھا اور اس ذمہ داری کو سمجھا۔ چنانچہ معذرت پیش کر دی۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ان تمام اشیاء سے افضل ہے اگر وہ مر کر مٹی پتھر بھی ہو جائے تو کیوں نہ سنے۔

قرآن حکیم کی ان آیات اور ایسی ہی دوسری متعدد آیات سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ:

۱..... اللہ تعالیٰ نے پتھروں پہاڑوں اور درختوں وغیرہ سے اس وقت خطاب کیا جب وہ درجہ عدم سے درجہ وجود میں آ چکی تھیں۔

۲..... جن چیزوں سے خطاب کیا گیا وہ اپنے رب کو پہچانتی تھیں لہٰذا ان میں حیات علم اور فہم موجود ہے۔

۳..... قیامت کے دن زمین کا کسی کے نیک یا بد عمل کی شہادت دینا اسی وقت ممکن ہے جب اس کو علم ہو کہ کون عمل کر رہا ہے اور نیکی اور بدی کی پہچان اور معرفت بھی ہو۔ ورنہ گواہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۴..... بعد موت انسانی جسم ریزہ ریزہ ہو کر کوئی نہ کوئی صورت تو اختیار کرے گا اور اس صورت پر لازماً شے کا اطلاق ہوگا اور ہر شے جب سنتی ہے تو انسان کے سننے میں کیا چیز مانع ہے۔

ہمارا اصل استدلال تو آیات قرآنی سے ہے جو ہر شے کے سماع پر قطعی الدلالۃ ہیں۔ ان کا انکار، کتاب اللہ کا انکار ہے۔ مگر اس کی تائید میں صحاح ستہ کی وہ احادیث بیان کر دینا بھی مناسب ہیں جو ان آیات کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱..... "عن سهل بن سعد قال قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلم یلبی الا لبی ما عن یمینه و شماله من حجر او شجر او مدر حتی تنقطع الارض من ههنا و ههنا" سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلم تلبیہ کرتا ہے اس کے دائیں بائیں جو پتھر درخت وغیرہ ہوتے ہیں تلبیہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۲)

یہ حدیث "و ان من شیء الا یسبح بحمده" کی تفسیر ہے۔ صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا

ہے "ثم فی الحدیث دلالۃ ظاہرۃ علی ادراک الجمادات والنباتات الامور الواقعات فی الکائنات وعلمہا بربہا من توحید الذات وکمال الصفات وان تلبیتہا وتسبیہا بلسان القال کما علیہ جمہور اہل الھال فان التاویل الذی یقبل التسبیح عند التلبیۃ بالتصریح فیکون بلسان القال ھو الصحیح" حدیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جمادات اور نباتات میں ادراک ہے ان امور کا جو کائنات میں واقع ہوتے ہیں اور ان جمادات ونباتات کو اپنے رب کی توحید اور اس کی صفات کا علم ہوتا ہے۔ اس کی تلبیہ اور تسبیح زبان قال سے ہوتی ہے جس پر جمہور اہل حال (صوفیہ کرام) کا اتفاق ہے۔ اس میں جو تاویل قابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ تسبیح وتلبیہ زبان قال سے ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے۔

۲...... "فلما کان یوم الجمعۃ قعد النبی ﷺ علی المنبر الذی صنع فصاحت النخلۃ التی کان یخطب عندھا حتی کادت ان تنشق فنزل النبی ﷺ حتی اخذھا فضمھا الیہ فجعلت تان انین الصبی الذی یسکت حتی استقرت قال فبکت علی ما کانت تسمع من ذکر اللہ" جب جمعہ کا دن آیا حضور ﷺ منبر پر بیٹھے جو ان کے لئے بنایا گیا تھا تو جس کھجور کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے وہ چیخنے لگا حتی کہ یوں لگتا تھا کہ پھٹتا ہے۔ حضور ﷺ منبر سے اترے اسے گلے لگایا تو وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لینے لگا۔ پھر اسے قرار آ گیا فرمایا حضور ﷺ نے وہ اللہ کا ذکر سننے سے محروم ہو جانے کی وجہ سے رویا۔ (بخاری ج ا ص ۲۸۱)

یہاں قال کا فاعل خود رسول خدا ہیں جیسا کہ حاشیہ پر ہے "لکن صرح وکیع فی روایتہ عن عبدالواحد بن الایمن" حضور اکرم ﷺ کے فراق میں خشک لکڑی کا رونا ظاہر کرتا ہے کہ اس میں محبت اور فراق کا شعور اور احساس تھا، علم تھا، فہم اور غم کے احساس کا اظہار رونے کی شکل میں کرنے کی صلاحیت تھی۔

۳...... "فاذا کنت فی غنمک او بادیتک فاذنت للصلوۃ فارفع صوتک بالنداء فانہ لایسمع مدی صوت المؤذن جن ولا انس ولا شئی الا شھد لہ یوم القیامۃ قال ابو سعید سمعتہ من رسول اللہ ﷺ" جب تو اپنے ریوڑ میں ہو یا اپنی زمین میں ہو اور تو نماز کے لئے اذان کہے تو اونچی آواز سے اذان دے کیوں کہ جن اور انسان اور دوسری کوئی چیز جو مؤذن کی آواز کو سنے گی وہ اس کے حق میں قیامت کے دن شہادت دے گی۔ ابو سعید کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث سنی۔ (بخاری ج ا ص ۸۶)

(تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۲۶۸) پر ابن ماجہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے "لا یسمع صوت المؤذن جن ولا انس ولا شجر ولا حجر ولا مدر ولا شئی الا شھد لہ یوم القیامۃ رواہ ابن ماجہ ومؤطا امام مالک" جن انسان، پتھر، درخت وغیرہ جو چیز مؤذن کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دے گی۔

قیامت کے دن جن وانس، شجر وحجر بلکہ ہر شے کا اذان کے متعلق گواہی دینا ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے اذان سنی اور یہ سمجھا کہ یہ اذان ہے۔ اس لئے انسان کا وجود مرنے کے بعد جو شکل بھی اختیار کرے گا بہر حال وہ ایک شے ہوگی۔ لہٰذا انسان کے متعلق یہ کہنا کہ موت کے بعد سنتا نہیں عقلاً محال ہے۔

۴...... "ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل" یقیناً ہم طعام کھاتے وقت اس کی تسبیح سنتے تھے۔ جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا۔ (بخاری ج ا ص ۵۰۵)

۵...... "یقول الحجر یا مسلم ھذا یھودی ورائی فاقتلہ" پتھر کہے گا کہ اے مسلمان یہ میری آڑ میں یہودی چھپا ہے اسے قتل کر دے۔ (بخاری ج ا ص ۵۰۷)

۶...... "عن ابن مسعود قال کنا ناکل مع رسول اللہ الطعام و نحن نسمع تسبیحه" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے ہوتے تھے اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۲۶۷ بحوالہ مشکوٰۃ)

۷...... "وخبر الجزع الینا مشهور فی هذا الباب اخرج البخاری فی مواضع من کتابه و اذا ثبت ذالک فی جماد واحد جاز فی جمیع الجمادات ولا استحالة فی شئی من ذالک فکل شئی یسبح للعموم و کذا قال النخعی و غیره هو عام فیه روح و فیما لا روح فیه حتی حریر الباب و احتجوا بالاخبار التی ذکرناه۔ الی ان قال" اسی طرح قرطبی اور بخاری میں کئی مقامات پر ستون کے رونے کی روایت موجود ہے جب یہ سننا ایک جماد میں ثابت ہوگیا تو تمام جمادات میں سننا ثابت ہوگیا اور اس میں کوئی محال بھی نہیں ہے۔ عموم آیات سے ہر شے کا تسبیح کہنا ثابت ہوگیا ہے۔ امام نخعی وغیرہ نے بھی کہا کہ یہ سننا عام ہے۔ ہر اس شے کے لئے جس میں روح ہے یا روح نہیں۔ حتی کہ دروازہ کی آواز بھی سنتی ہے اور قائلین سماع جمادات نے انہی احادیث سے دلیل لی ہے جو میں نے ذکر کی ہیں۔

"فالصحیح ان الکل یسبح الاخبار الدالته علی ذالک ولو کان ذالک التسبیح تسبیح دلالة فای تخصیص لداؤد و انما ذالک تسبیح المقال بخلق الحیاة و الانطاق بالتسبیح کما ذکرنا و قد تصف السنة علی مادل علیه ظاهر القرآن من تسبیح کل شئی فالقول به اولی" پس صحیح بات یہ ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے جیسا کہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر یہ تسبیح کرنا صرف صانع پر دلالت کرنا مراد ہوتا تو حضرت داؤد کی تخصیص کرنے کا کیا مطلب؟ لہٰذا یہ تسبیح قولی ہے۔ اللہ نے ان میں حیات اور نطق پیدا کیا اور حدیث تو بولنے سننے پر صاف دلالت کرتی ہے جس پر ظاہر قرآن بھی دال ہے اور یہی قول اولیٰ اور صحیح ہے کہ ہر شئے سنتی ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۲۶۷)

۸...... "قول جمع من المفسرین ان الضمیر عائد الی الحجارة لکن لا نسلم ان الحجارة لیست هیة عاقلة الی ان قال و انکرت المعتزلة هذا التاویل لما ان عندهم البنیة و اعتدال المزاج شرط قبول الحیاة و العقل" مفسرین کی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ضمیر پتھر کی طرف راجع ہے (وان منها) میں مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ پتھر نہیں سنتے ان میں زندگی اور شعور نہیں۔ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے سے معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ کیوں کہ وہ بنیہ اور اعتدال مزاج کو سننے کے لئے اور حیات اور عقل کے لئے شرط مانتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۶)

معلوم ہوا کہ معتزلہ کا فرقہ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے کا منکر ہے۔ مگر اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جمادات سنتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک بنیہ یعنی بدون شرط حیات و عقل نہیں اور یہ "نمائے حق" پارٹی عجیب قسم کے اہلسنت ہیں کہ عقائد معتزلہ کے رکھتے ہیں اور ان عقائد کی بناء پر اہلسنت کو مشرک بھی کہتے ہیں اور اہلسنت ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور تمام مفسرین محدثین متکلمین اور فقہاء کے خلاف عقیدہ ایجاد کر کے اپنے محقق ہونے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے ہیں۔

۹...... "وفی الصحیح هذا جبل یحبنا و نحبه و کحنین و الجذع المتواتر خبره وفی صحیح مسلم انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلم علیّ قبل ان ابعث انی لاعرفه الان وفی صفة الحجر الاسود انه یشهد لمن استلم بحق یوم القیامة" صحیح بخاری میں موجود ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہاڑ احد ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اس کو اور ستون کا رونا متواترات سے ہے۔ یہ رونے کی حدیث متواتر ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول خدا نے فرمایا میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ پر السلام علیکم کہا کرتا تھا اب بھی میں اس کو پہچانتا ہوں مکہ میں ہے اور حجر اسود کے حق میں رسول خدا نے فرمایا جس آدمی نے اس کو مس کیا ہے اس کی گواہی دے گا قیامت کے دن۔ (تفسیر کثیر ج ۱ ص ۱۱۳)

پھر اسی بحث میں کہ یہ نسبت مجازی ہے یا حقیقی فرماتے ہیں: ''وزعم بعضھم ان ھذا من باب المجاز وھو اسناد المنشوع الی الحجارۃ کما اسندت الارادۃ الی الجدار (یرید ان ینقض) وقال القاضی الباقلانی وھذا تاویل بیعد وتبعہ فی استبعارہ الرازی وھو کما قال فان ھذا خروج عن اللفظ بلا دلیل'' بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مجاز کی قبیل سے ہے۔ پتھر کی طرف اس کی نسبت شائع ہوئی ہے۔ جیسا کہ ارادہ کی نسبت دیوار کی طرف کی گئی ہے (وہ گرنا چاہتی تھی) قاضی باقلانی کہتے ہیں اس میں دور از کار تاویل ہے اور امام رازی نے اس استبعاد میں اس کا اتباع کیا ہے وہ یوں کہ جیسا انہوں نے کہا کہ یہ دلیل کے بغیر لفظ سے دور نکل جاتا ہے۔

اور یہ نسبت مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور قرآنی دلائل اسی کے حق میں ہیں جیسا کہ: ''وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار قال کثیر البکاء وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء قال قلیل البکاء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ قال بکاء القلب من غیر دموع'' بعض پتھر وہ ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹتی ہیں کہا وہ کثرت سے رونے والے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جب پھٹ جائیں تو ان میں سے پانی نکل پڑے کہا کہ یہ کم رونے والے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں کہا یہ آنسو بہائے بغیر قلبی گریہ ہے۔

''وقال الرازی والقرطبی وغیرھما من الائمۃ ولاحاجۃ الی ھذا فان اللہ تعالٰی یخلق فیھا ھذا الصفۃ کما فی قولہ تعالٰی انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وقال تسبح لہ السمٰوات السبع والارض ومن فیھن وقال النجم والشجر یسجدان وقال الم یروا الی ما خلق اللہ من شئی یتفیؤ ظلالہ وقال تعالٰی قالتا اتینا طائعین وقال لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرائیتہ خاشعا وقال تعالٰی وقالوا الجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی'' ائمہ میں سے رازی اور قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں (یعنی مجازی) اللہ تعالٰی ان میں یہ صفت پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرمان باری ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا، وہ خوفزدہ ہو گئے اور فرمایا سات آسمان اور سات زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب اس کی تسبیح کہتے ہیں اور فرمایا ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا کیا انہوں نے نہ دیکھا اس کی طرف جسے اللہ نے پیدا کیا۔ جس کے سائے جھکتے ہیں اور فرمایا کہ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم اطاعت شعار بن کر آئے اور فرمایا اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے وہ خوف سے پھٹ جاتے اور فرمایا وہ اپنے چمڑوں کو کہیں گے تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو وہ کہیں گے ہمیں نطق اسی اللہ نے عطا کیا جس نے ہر چیز کو عطا کیا۔

اسی طرح مشکلات القرآن میں تفصیل موجود ہے کہ ہر شئے میں روح حیاۃ موجود ہے۔ ہر شئے خدا کو پہچانتی ہے۔ اس کی تسبیح حمد و ثنا کہتی ہے۔ خواہ وہ جمادات ہی کی قسم سے ہو۔ لہٰذا انسان مرکر مٹی ہو گیا تو بھی سنتا ہے کلام کرتا ہے۔

۱۰...... ''ان الشمس و کذالک سائر الکواکب مدر کتہ عاقلۃ کما ینبئ عن ذالک قولہ تعالٰی الاتی کل فی فلک یسبحون حیث جئ بالفعل مسندا الی ضمیر جمع العقلاء وقولہ تعالٰی انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین لنحو ماذکر ویدل علیہ ظاھر ماروی عن ابی ذر من انھا تسجد وتستأذن فان المتبادر من الاستئذان ما یکون بلسان القال دون بلسان الحال وخلق اللہ تعالٰی الادراک

والتمييز فيها حال السجود والاستئذان ثم سلبه عنها مما لا حاجة الى التزامه بل هو بعيد غاية البعد والشهواهد من الكتاب والسنة وكلام العترة على كونها ذات ادراک وتمييز لما لاتكاد تحصى كثرة بعض يدل على ثبوت ذالک لها بالخصوص وبعضها يدل على ثبوته لها اعتبار دخولها فى العموم او بالمقاسية اذ لا قائل بالفرق ومتى كانت كذالک فلا يبعد ان يكون لها نفس ناطقة كنفس الانسان بل صرح بعض الصوفية بكونها ذات نفس ناطقة كاملة جدا" (فتح الملہم ج ا ص ۳۰۵)

تحقیق شمس اسی طرح تمام ستارے مدرک عاقل ہیں جیسا کہ ان سے فرمان باری تعالیٰ خبر دیتا ہے جو آرہا ہے کل فی فلک یسبحون جیسا کہ فعل کی نسبت ضمیر جمع عقلاء کی لائی گئی اور قول باری تعالیٰ (سورت یوسف میں) دیکھتا ہوں گیارہ ستارے، سورج اور چاند کو میں دیکھتا ہوں کہ مجھے سجدہ کرتے ہیں اور اس پر ظاہر اس حدیث کا بھی دال ہے جو ابی ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تحقیق سورج خدا کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے اور متبادر اذن سے وہ ہے جو زبان قال سے ہے نہ زبان حال سے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں ادراک وتمیز رکھی ہے یہ صرف حالت سجود اور اذن میں ہے یہ غلط کہا ہے۔ اس قول کی حاجت نہیں ہے بلکہ یہ بہت بعید قول ہے نہایت بعید ہے اور سورج چاند ستاروں کے عاقل مدرک ہونے کے گواہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وقول عترت میں موجود ہیں اس پر کہ تمام صاحب عقل وادراک اور صاحب تمیز ہیں اس کے دلائل گنتی شمار سے باہر ہیں اور جب اس طرح ہوا تو بعید نہیں کہ ان کے لئے نفس ناطقہ ہو جیسا انسان کا نفس ناطقہ بلکہ صوفیہ عارفین نے تو صاف صاف بیان کیا ہے کہ ان میں نفس ناطقہ کامل طور پر ہے۔

۱۱...... "لم يمر بشجرة ولا حجر الاخر ساجدا" جس شجر حجر کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تھے وہ آپ کو سجدہ کرتے تھے۔ (دلائل النبوۃ بیہقی ج ا ص ۳۰۸)

"عن على يقول لقد رأيتنى ادخل معه يعنى النبى صلی اللہ علیہ وسلم الوادى فلا يمر بحجر ولا شجر الا قال السلام عليک يارسول الله وانا اسمعه" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وادی میں داخل ہوا تو جس شجر پتھر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ کہتا تھا السلام علیک یارسول اللہ! اور میں اس کے سلام کو سنتا تھا۔ (ایضاً ج ا ص ۳۰۹)

۱۲...... "فاخذ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كفا من حصى فقال هذا يشهد انى رسول الله فسبح الحصى فى يده" پس پکڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اور فرمایا یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں، پس تسبیح کہنی شروع کردی کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں۔" (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۴)

۱۳...... علامہ ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے "واوتى بطعام ثريد فقال ان هذا الطعام يسبح قالوا يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وتفقه تسبيحه قال نعم ثم قال رسول الله لرجل ادن هذه القصعة من هذا الرجل فادناها فقال نعم يارسول الله هذا الطعام يسبح ثم ادناها من آخر ثم فقالا مثل ذالک" کہ طعام ثرید لایا گیا پس فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ طعام تسبیح کہہ رہا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ ان کی تسبیح سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا ہاں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا کہ یہ پیالہ دوسرے آدمی کے پاس لے جاوہ لے گیا اس نے کہا ہاں یارسول اللہ! یہ کھانا تسبیح کہہ رہا ہے۔ پھر دوسرے کے پاس لے گیا پھر ایک اور کے پاس لے گیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اسی کتاب میں ابوالشیخ نے حضرت خثیمہ سے بیان کیا ہے "قال کان ابو الدرداء یسطبخ قدرا روقعت علی وجھہ فجعلت تسبح "حضرت ابودرداء ہانڈی پکا رہے تھے وہ ان پر گر پڑی اور تسبیح کہنے لگی۔

دوسری روایت (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۶) پر ہے "عن قیس قال بینما ابو الدرداء وسلیمان یاکلان من صحفۃ اذ سبحت وما فیھا" جب ابودرداء اور سلیمان رضی اللہ عنہما دونوں ایک برتن سے کھانا کھا رہے تھے تو اس برتن نے اور اس غذا نے تسبیح کہنا شروع کر دیا۔

۱۴...... شیخ انور لکھتے ہیں "قولہ السلام علیکم ظاھر حدیث الباب وغیرہ من کثیر من الاحادیث یدل علی سماع الموتٰی واشتھر علی السنۃ الناس ان الموتٰی لیس لھم سماع عند ابی حنیفۃ۔ وصنف ملا علی القاری رسالۃ وذکر فیھا المشھور لیس لہ اصل من الائمۃ اصلا بل اخذ ھذا من مسئلۃ فی باب الایمان انہ اذا حلف انہ لا یتکلم مع فلان فمات الرجل فتکلم معہ علی قبرہ میتا لا یحنث" حضور ﷺ کا فرمان کہ السلام علیکم کہو اس قسم کی اکثر احادیث واضح طور پر میت کے سننے پر دلالت کرتی ہیں اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ میت نہیں سنتے۔ ملا علی قاری نے ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس میں بیان کیا کہ اس عقیدہ کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ ایمان یعنی قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر وہ مر گیا تو اس نے میت کی قبر پر جا کر اس سے بات کی، حانث نہ ہو گا۔

"اقول ان وجہ عدم الحنث ان بنی الایمان علی العرف واھل العرف لا یعلمون ان الموتٰی تسمع والمحقق ان ابا حنیفۃ لا ینکر سماع الاموات وان خالف ابن الھمام وقال ان الموتٰی لا تسمع وان ذخیرۃ الحدیث تدل علی سماع الموتٰی وقال الشیخ ان الموتٰی لا تسمع ویستثنٰی منہ قرع نعالھم والسلام علیکم اقول لو قلنا یسمع الموتٰی لا اشکال فانہ ثبت بقدر المشترک تواتر فی الحدیث۔ ولا نتعرض الی التخصیصات المتکلفۃ وسیما اذا لم یرو الانکار من الائمۃ الثلاثۃ واما الایات المشیرۃ الٰی عدم السماع فلھا محامل حسنۃ" میں کہتا ہوں کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور عوام نہیں جانتے کہ مردے سنتے ہیں۔ محقق بات یہ ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میت کے سماع کا انکار نہیں کرتے اگرچہ ابن ہمام اس کے برعکس کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور احادیث کا ذخیرہ سماع موتی پر دلالت کرتا ہے اور شیخ کہتے ہیں کہ میت نہیں سنتے اور جوتیوں کی آواز سنتے اور السلام علیکم سنتے کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ہم نے کہا کہ مردے سنتے ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیوں کہ یہ بات حدیث میں قدر مشترک کے تواتر سے ثابت ہے اور تخصیصات کے تکلف کرنے کی پرواہ نہیں کرتے بالخصوص جب ائمہ ثلاثہ سے انکار وارد نہیں ہوا جہاں تک ان آیات کا تعلق ہے جو عدم سماع کی طرف اشارہ کرتی ہیں تو اس کے اور اچھے محل ہیں۔ (عرف شذی ص ۳۸۶)

اور (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں وضاحت کی گئی ہے "واعلم ان مسئلۃ کلام المیت وسماعہ واحدۃ وانکرھا حنیفۃ العصر وفی رسالۃ غیر مطبوعۃ لعلی القاری ان احدا من ائمتنا لم یذھب الی انکارھا وانما استنبطوھا من مسئلۃ فی باب الایمان وھی حلف رجل ان لا یتکلم فلانا فکلمہ بعد ما دفن لا یحنث قال القاری ولا دلیل فیھا علی ما قالوا فان مبنی الایمان علی العرف وھم لا یسمونہ کلاما وانکرہ الشیخ ابن

الھمام ایضاً فی الفتح ثم ارد علی نفسہ ان السماع اذا لم یثبت فما معنی السلام علی القبر و اجاب عنہ انھم یسمعون فی ھذا الوقت فقط و لا دلیل فیہ علی العموم ثم عاد قائلا انہ ثبت منھم سماع قرع النعال ایضاً فاجاب عنہ بمثلہ القول و الاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر و فی حدیث صححہ ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی المیت فانہ یرد علیہ و یعرفہ ان کان یعرفہ فی الدنیا و اخرجہ ابن کثیر ایضاً و تردد فیہ فالانکار فی غیر محلہ سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا فلا بد بالالتزام السماع فی الجملۃ و اما الشیخ ابن الھمام فجعل الاصل ھو النفی و کل موضع ثبت فیھا السماع جعلہ مستثنی و مقتصر علی المورد"

خوب سمجھ لو کہ میت کا کلام کرنا اور کلام سننا ایک ہی مسئلہ ہے موجودہ زمانہ کے حنفی اس کا انکار کرتے ہیں اور ملا علی قاری کے غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے کسی امام نے اس کا انکار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ باب ایمان سے اخذ کیا گیا ہے اور وہ یوں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا اور اس کی موت کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہ ہوگا۔ علامہ قاری کہتے ہیں کہ عدم سماع کے متعلق اس میں کوئی دلیل نہیں کیوں کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور اہل عرف اسے کلام کرنا نہیں کہتے۔ شیخ ابن الہمام نے الفتح میں اس کا انکار کیا۔ پھر خود اپنے آپ پر سوال کیا۔ جب سماع ثابت نہیں تو قبر پر سلام کہنے کا کیا مطلب۔ پھر خود جواب دیا کہ صرف اس وقت وہ سنتے ہیں اور عموم وقت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اسی طرح جوتیوں کی آواز سننے کا جواب بھی یہی دیا۔ میں کہتا ہوں کہ سماع موتی کے حق میں احادیث تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے جسے ابو عمرو نے صحیح کہا ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر وہ دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو وہ سلام کے وقت پہچان لیتا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس کا اخراج کیا ہے اور اس میں تردد کیا ہے تو انکار بے محل ہے بالخصوص جب ہمارے ائمہ میں کسی سے انکار منقول نہیں۔ اس لئے مطلق سماع کا التزام لازمی ہے۔ رہا شیخ ابن الہمام کا معاملہ تو انہوں نے نفی سماع کو اصل بنایا ہے اور جس موقع پر سماع ثابت کیا ہے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

"قلت اذا ما الفائدۃ فی عنوان النفی و ما الفرق نفی السماع ثم الاستثنا فی مواضع کثیرۃ و ادعاء التخصیص و بین اثبات السماع فی الجملۃ مع الاقرار بان لا ندری ضوابط اسماعھم فان الاحیاء اذا لم یسمعوا فی بعض الصور من ادعاء الطرد فی الاموات" میں کہتا ہوں کہ اس نفی کا کیا فائدہ۔ سماع کی نفی کرنے کے بعد اکثر مواقع پر مستثنیٰ قرار دینے اور تخصیص کا دعویٰ کرنے اور مطلق سماع کے اثبات میں کیا فرق ہے۔ جب کہ یہ اقرار بھی ہے کہ ہم ان کے سننے کے قوانین نہیں جانتے کیوں کہ بعض صورتوں میں تو زندہ بھی نہیں سنتے تو مردوں میں ہر وقت سننے کا کون دعویٰ کرتا ہے۔

حضرت انور شاہ رحمہ اللہ نے شیخ ابن الہمام کے اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا کہ ایک طرف تو سماع موتی کی نفی کر رہے ہیں دوسری طرف خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ قبرستان سے گزرو تو السلام علیکم کہو۔ جب سماع کی نفی ہے تو سلام کہنا کیا معنی رکھتا ہے تو خود ہی رائے ظاہر کر دی کہ اس وقت مردہ سنتا ہے۔ آخر کیوں؟ جب کوئی سلام کہے تو وہ میت نہیں رہتا؟ اگر اس وقت بھی میت ہوتا ہے تو سنتا کیسے ہے؟ اگر نہیں سنتا تو سلام کہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔

اسی طرح فرمایا کہ بخاری مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ میت پلٹ کر جانے والوں کی جوتیوں کی آواز

سنتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اس خاص وقت میں سنتا ہے۔ مگر کیوں؟ کیا اس خاص وقت میں مردہ نہیں رہتا۔ مگر اس خاص وقت سننے کی سند کیا ہے۔ پورے ذخیرہ احادیث میں سے ایک روایت ہی پیش کی جائے کہ السلام علیکم تو میت سنتا ہے۔ اس کے بغیر کبھی نہیں سنتا۔ جوتوں کی آواز سنتا ہے بعد میں نہیں سنتا۔

دوسری بات جو قابل غور ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم کہتے ہو قرآن میں سماع موتی کی نفی وارد ہے۔ رسول کریم ﷺ کی احادیث کثیرہ جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں ان سے سماع موتی کا اثبات ظاہر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن جس پر نازل ہوا اس نے تو سمجھا نہیں البتہ ندائے حق کے مصنف اور ان کا مختصر سا ٹولہ قرآن فہمی میں رسول ﷺ سے بھی بازی لے گیا۔ قرآن وحدیث میں اتنا تعارض بلکہ اتنا واضح تضاد ان حضرات نے ہی ڈھونڈ نکالا ہے۔ ۱۳ صدیوں میں یہ انکشاف کوئی صاحب بصیرت نہ کر سکا۔

امام الہند شاہ ولی اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصول کے متعلق فرماتے ہیں: "سئل عن ابی حنیفة اذا قلت قولا و کتاب اللہ یخالف قال اترکوا قولی بکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر الرسول یخالفه قال اترکوا قولی بخبر رسول اللہ فقیل اذا کان قول الصحابة یخالفه قال اترکوا قولی بقول الصحابة" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایک بات کہتے ہیں اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہے تو فرمایا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کردو پھر کہا گیا کہ اگر حدیث رسول اس کے خلاف ہو تو فرمایا حدیث رسول کے مقابلے میں میرا قول ترک کردو۔ پھر کہا گیا اگر قول صحابہ اس کے خلاف ہو فرمایا کہ قول صحابہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کردو۔ (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ص ۲۶)

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے نقل کیا ہے "قال عبداللہ بن مبارک سمعت ابا حنیفة یقول اذا جاء عن النبی ﷺ فعلی الرأس والعین واذا جاء عن اصحاب النبی ﷺ تختاره من قولهم وقال ابو حنیفه اترکوا قولی بخبر رسول اللہ وقول الصحابه ونقل انه قال اذا اصح الحدیث فهو مذهبی" عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں میں نے ابوحنیفہ سے سنا آپ فرماتے تھے جب کوئی بات نبی کریم ﷺ سے پہنچے تو ہمارے سر آنکھوں پر اور جب صحابہ سے کوئی بات پہنچے تو ان کے قول کو مختار سمجھیں گے اور امام صاحب نے فرمایا حدیث اور قول صحابہ کے مقابلہ میں میرا قول ترک کردو اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۳)

امام صاحب کے مذہب کا بنیادی اصول کتنا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اگر یہ سمجھا جائے کہ امام صاحب کا مذہب حدیث کے خلاف ہے تو اس کی وجہ علم وعقل کی کمی یا ضد وعناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ امام صاحب کا مذہب کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب سماع موتی کے قائل ہیں۔ کتاب وسنت سے جب ہر شے کا سننا اور کلام کرنا اور تسبیح کہنا ثابت ہے انسان بھی تو شے ہے۔ لہذا اس کا سننا اور کلام کرنا کیوں محال ہے۔ رہا انسان کا بعد موت سننا تو ظاہر ہے کہ انسان مر کر مٹی ہی تو ہو جاتا ہے اور مٹی جب سنتی ہے تو انسان جب مٹی ہو گیا تو سننے میں کون مانع ہوتا ہے۔

چنانچہ (فیض الباری ج ۱ ص ۳۱۲) پر فرمایا "وهکذا الانسان یسبح نوع بتسبیح ما دام حیا و اذا مات و صار ترابا ولحق اجزائه بالعناصر فانه لا یسبح بهذا التسبیح بل تسبیح العناصر فتغیر نوع تسبیحه لا انه لا یسبح اصلاً لان القرآن صرح بان تسبیح کل نوع علیحدة فقال کل قد علم صلوته و تسبیحه وهکذا

یستفاد الاستغراق من عامة الایات الخ فقال بعد ذکر السجدة والسجدة التسبیح من نوع واحد" اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہے ایک قسم کی تسبیح کہتا ہے جب مر گیا اور اس کے اجزائے بدن مٹی میں مل گئے پھر وہ اس قسم کی تسبیح نہیں کہتا بلکہ اس نوع کی تسبیح کہتا ہے جس قسم کے عناصر میں اس کے اجزا مل گئے۔ صرف تسبیح کی نوع بدلی یہ نہیں کہ اس نے تسبیح کہنا ہی چھوڑ دیا۔ کیوں کہ قرآن حکیم صراحت کرتا ہے کہ ہر نوع کی تسبیح علیحدہ قسم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتی ہے اور اسی طرح عام آیات سے استغراق سمجھا جاتا ہے سجدہ کے بیان کے بعد کہا کہ سجدہ اور تسبیح ایک قسم کی چیزیں ہیں۔

اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے "التکشف" میں تحریر فرمایا: "شعور جمادات چوں کہ کوئی دلیل حقیقت سے منصرف کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے حدیث میں لفظ سمعنا کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے اس سے اصل مسئلہ کشفیہ پر استدلال کریں گے کہ جمادات میں بھی ایک گونہ شعور ہے کیوں کہ حب موقوف ہے شعور پر جیسا کہ بالاتفاق حقیقت پر محمول ہے۔ (ص ۲۰۹)

اور فیض الباری میں جسم انسانی کے مٹی میں مل جانے کے سلسلے میں "کل قد علم" آیت سے ایک اصول بیان کیا ہے۔

"والحاصل ان الشجر الرطب یسبح تسبیح النبات واذا یبسو فانه یسبح تسبیح الجماد" اصل یہ ہے کہ سبز درخت نباتات کے طریقہ کی تسبیح کہتا ہے جب خشک ہو گیا تو جمادات کی قسم کی تسبیح کہنے لگا۔ (ج ۱ ص ۲۱۲)

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱...... قرآن مجید کی متعدد آیات قطعی الدلالۃ ہیں کہ ہر شے ذکر تسبیح اور سجدہ کرتی ہے۔

۲...... مفسرین حضرات قرطبی، رازی، ابن کثیر، صاحب مظہری اور صاحب روح المعانی وغیرہ اس مضمون کی آیات کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۳...... محدثین حضرات امام بخاری، مسلم، ترمذی اصحاب صحاح ستہ اسی عقیدہ کی تائید میں مستند روایات پیش کرتے ہیں۔

۴...... شراح حدیث میں صاحب مرقاۃ، صاحب فیض الباری، صاحب فتح الملہم ان آیات واحادیث کی تفسیر میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر شے تسبیح کرتی ہے اور انسان مر کر مٹی ہو گیا تو ایک شے سے دوسرے شے میں بدلا مگر شے سے خارج نہ ہوا۔ لہٰذا اس حالت میں بھی تسبیح کرنا ثابت ہوا اور اس طرح ہر شے میں حیات شعور ادراک کلام کرنا اور سننا ثابت ہوا۔

۵...... فقہائے کرام بھی اسی طرح سماع موتی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق جو غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

۶...... علمائے ربانی متقدمین ومتاخرین یہی عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابن تیمیہ، سیوطی، بیہقی وغیرہ۔

۷...... اکابر دیوبند (رحمہم اللہ) مثلاً حضرت انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا تھانوی وغیرہ، کتاب وسنت سے سماع موتی کے حق میں دلائل بیان کرتے رہے۔

۸...... اس امر کی وضاحت کی گئی کہ اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے خواہ کسی حالت میں ہو۔

۹...... خارجی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ میت نہیں سنتا۔ یعنی عدم سماع کے قائل ہیں۔

۱۰...... زمانہ حال کے جدید اہلسنت یعنی ندائے حق کے مصنف اور شیخ القرآن پارٹی قرآن حکیم، احادیث صحیحہ، فقہائے کرام اور اکابر دیوبند کے خلاف عدم سماع کی قائل ہے یعنی خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ رکھتی ہے اور اہلسنت ہونے کی مدعی بھی ہے۔ مسلک دیوبند رکھنے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتی ہے:

قیامت کی آزادیاں ہیں میسر انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

مسئلہ سماع موتی پر اب ہم ایک اور پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اس سے ان توحیدیوں کے ایک اور عقیدہ کی وضاحت بھی ہو جائے گی۔

عذاب قبر

۱...... "وھو ثابت عند اھل السنة والجماعة کافة بالتواتر" عذاب قبر تمام اہلسنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲)

۲...... "عذاب القبر ثبت بالتواتر بتواتر قدر المشترک وقال به اھل السنة والجماعت قاطبة ومنکر التواتر ھذا لا ریب یبتدیعه ومنکر التواتر بالقدر المشترک کافر ان کان التواتر بدیھا وفاسق ومبتدع ان کان نظریا" عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے تواتر جو قدر مشترک ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس تواتر کا منکر بلاشبہ بدعتی ہے اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہے اور تواتر نظری ہو تو اس کا منکر فاسق اور بدعتی ہے۔ (عرف شذی ص ۳۸۹)

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ اہلسنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے اور تواتر کا انکار کفر ہے یا فسق ہے یا بدعت ہے، عذاب قبر کے عقیدہ سے کئی اور مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: "واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئالة لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما ولنا ایضا احادیث صحیحة واخبار متواترہ" جب عذاب ثابت ہو گیا تو زندگی اور سوال وجواب دونوں چیزیں ثابت ہو گئیں۔ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے اسے ان دونوں کا قائل ہونا پڑے گا۔ ہمارے پاس صحیح احادیث اور متواتر اخبار موجود ہیں۔ (عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۴۶)

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ ثابت ہے اور عذاب کے لئے حیات لازمی ہے۔ پس جب قبر میں عذاب ہے تو سماع وکلام بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ پھر فرماتے ہیں: "فعلم ان فی القبر حیاة فیصح العذاب فیه" پس معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے تو پھر اس میں عذاب کا ہونا صحیح ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۲۰۱)

اور مولانا عثمانی فرماتے ہیں: "وکذالک الامر فی کل من الکر شیئا مما......اجتمعت الامة علیه من امور الدین" یہی حکم ہے جس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر امت کا اجماع ہے۔ کفر کیا اور عذاب قبر ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کفر کے برابر ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۹۱)

اس عقیدہ کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں: "والبعث والجزاء وعذاب القبر سمی ضروریا لان کل واحد یعلم ان ھذا الامر مثلا من الدین" مسئلہ قیامت اور جزا وسزا، عذاب وثواب قبر ضروریات دین سے ہے کیوں کہ ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ مسئلہ دین سے ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۶۹)

اور فتح الملہم میں ہے "الکفر عبارۃ عن انکار ما علم بالضرورۃ" ترجمہ: ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ (ج ۱ ص ۱۹۱)

اور فتح الباری میں ہے "وکان مالک یفتی بکفر لخوارج والملحدین ھو الذین یؤلون فی ضروریات الدین" اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خارجیوں اور ملحدین کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ملحدین وہ ہیں جو ضروریات دین میں تاویلیں کرتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۴۷۳)

"وقلت مما ینبغی ان یعلم ان التاویل انما یقبل فی غیر ضروریات الدین اما فی ضروریات الدین فلا یسمع" اور میں کہتا ہوں ضروریات دین کے علاوہ تو تاویل قابل قبول ہے لیکن ضروریات دین میں اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ (ج ۴ ص ۴۷۵)

ان عبارتوں سے ذیل کے امور ثابت ہوئے:

۱...... تمام اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے کہ عذاب قبر بدن اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔

۲...... عذاب قبر کا عقیدہ متواترات سے ہے اور متواتر کا انکار کفر ہے۔

۳...... عذاب قبر ضروریات دین سے ہے جیسے قرآن، نبوت اور قیامت کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے۔

۴...... ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر کے برابر ہے۔

۵...... عذاب وثواب قبر سے حیاۃ لازم ہے۔ زندگی کے بغیر عذاب وثواب کا تصور بھی بے معنی ہے۔

عذاب قبر کے لئے حیات لازمی ہے۔ اس سلسلے میں مشکوٰۃ کی ایک روایت ہے: "عن بسیرۃ قالت قال لنا رسول اللہ ﷺ علیکن بالتسبیح والتھلیل والتقدیس واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات شرح مرقاۃ" حضرت بسیرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں کی گرہوں پر تسبیح وتہلیل اور تقدیس کا حکم دیا۔ کیوں کہ قیامت میں ان سے پوچھا جائے گا اور ان کو قوت گویائی حاصل ہوگی۔

"یسئالن یوم القیامۃ عما اکتسبن وبای شئی استعملن مستنقطات ای متکلمات بخلق النطق فیھا فیشھدن لصاحبھا" اور شرح مرقات میں ہے کہ قیامت کے دن انہیں قوت گویائی حاصل ہوگی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ ان کا کس طرح استعمال کیا گیا اور یا اکتساب کرنے والے کے حق میں گواہی دیں گے۔ (مشکوٰۃ مع مرقاۃ ج ۵ ص ۱۱۹)

یہ حدیث تفسیر ہے ان آیات کی "انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی" اور "وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون" ان آیات اور اس روایت سے میت میں حیات ثابت ہے۔ پھر سننا سمجھنا اور کلام بھی ثابت ہے۔ یعنی سوال سنا، سمجھا اور جواب دیا۔

- قبر میں سوال وجواب برحق ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور یہ عمل سننے اور سمجھنے اور کلام کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ نادرہ میں مولانا نصیر الدین غور غشتی فرماتے ہیں:

"عذاب القبر ثابت بایات القرآن والاحادیث الصحیحۃ الکثیرۃ باجماع اھل السنۃ والجماعت ثم اختلف فی ان عذاب القبر یکون للروح او للجسد مع الروح الثانی قول الجمھور وھو

المشھور المختار ویؤیدہ الاحادیث کقولہ ﷺ فیقعدانہ وقولہ ﷺ یضرب بین اذنیہ وقولہ ﷺ فافرشوہ من الجنۃ والسبوہ من الجنۃ فان کان ذالک من اوصاف الاجساد فعلم العذیب یکون للجسد مع الروح"
عذاب قبر آیات قرآن اور کثیر التعداد احادیث صحیحہ اور اجماع اہلسنت والجماعت سے ثابت ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ عذاب قبر فقط روح کے لئے یا روح مع الجسد کو ہوتا ہے۔ یہ دوسرا قول جمہور اہلسنت کا مذہب مختار ہے اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے میت کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ میت کے دونوں کانوں کے درمیان مارتے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اس کے لئے جنت سے فرش لاکر بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عذاب قبر جسد مع الروح کو ہوتا ہے۔

اور بقدر ضرورت حدیث کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں: "قال ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ اذا قبر المیت اتاہ ملکان وقولہ ﷺ فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک" حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟

یعنی دفن کے بعد میت کے پاس فرشتوں کا آنا، اسے اٹھا کر بٹھانا، اس سے سوال کرنا اور میت کا جواب دینا ایسے حقائق ہیں کہ ان سے ذخیرہ احادیث بھرا پڑا ہے اور یہ سب اوصاف جسد مع الروح کے ہیں۔

ما عنداللہ باق

کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے، جس کے ساتھ لگ جاتی ہے اس کو معدوم کر دیتی ہے۔ اسی نظریہ کی بنا پر وہ قیامت کے منکر تھے۔ اعادہ معدوم محال سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے بتایا کہ موت عدمی نہیں وجودی چیز ہے۔ مخلوق ہے، خلق الموت والحیاۃ یعنی موت مخلوق ہے اور وجودی چیز ہے۔ ہاں جس ذی روح سے موت متصل ہوئی اسے دار دنیا سے منتقل کر کے دار آخرت میں لے گئی۔ "المؤمنون لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار" (مومن نہیں مرتے بلکہ ایک جہاں سے دوسرے میں منتقل ہو جاتے ہیں)

انسان معدوم نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں اور آخرت میں اس کے لئے جنت و دوزخ ہے۔ معدوم محض کے لئے جنت و دوزخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس انتقال مکان کے متعلق قرآن کریم قول فیصل بیان فرماتا ہے "کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون" (العنکبوت: ۵۷) یعنی موت کے بعد اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ اسی مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں۔

مثلاً: "انا للہ وانا الیہ راجعون" (البقرۃ: ۱۵۶) اور "کل الینا راجعون" (انبیاء: ۹۳) اور "ما عندکم ینفد وما عنداللہ باق" (النحل: ۹۶) اور "بل احیاء عند ربھم یرزقون" (آل عمران: ۱۶۹) اور "وما ھذہ الحیاۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون" (انعام: ۳۲) یعنی حیات کے دو حصے ہیں ایک حیوۃ دنیوی جو عارضی اور چند روزہ ہے دوسری حیات اخروی جو دائمی ہے۔ اگر آدمی سمجھنا چاہے تو یہ حقیقت اس کی سمجھ

میں آسکتی ہے۔ حیات دنیا کے بعد آدمی دار آخرت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اوّل عالم برزخ میں جاتا ہے جو قیامت صغریٰ ہے۔ پھر دار آخرت میں پہنچتا ہے جو قیامت کبریٰ ہے۔ ما عنداللہ باق کی شرح میں شیخ رضی نے شرح کافیہ میں لکھا ہے "ان معنی "عند" القرب حسا او معنی اما اللفظ مع فیقال جعلنا معافی زمان واحد وکنا معافی مکان واحد علی الظرفیۃ" لفظ عند کا معنی قرب حسی یا معنوی پر دال ہے اور لفظ مع کا قرب و معیت مکانی پر دال ہے۔

تو عند ربھم اور عنداللہ باق میں عند کا لفظ قرب خداوندی پر دال ہے یعنی حیات دنیا کے بعد دار آخرت میں قرب خداوندی ہے خواہ حسی ہو یا معنوی بہر حال وہاں کی ہر شئے زندہ ہے۔

شجر، حجر ہر شے میں زندگی موجود ہونے کے دلائل قرآن کریم سے احادیث صحیحہ سے اور فقہاء ومفسرین کی توضیحات سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "ولا یقول ھذہ اخبار احاد و الاثار لا تفید شیئا فی ھذا الباب۔ قلنا یکفینا ما تقدم لنا من اخبار اللہ تعالٰی فی القرآن الکریم من الدلیل القطعی عن الحجارۃ ان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ و ھذا یدل علی انھا تعرف بھا معرفتہ تلیق بھا و الا لما ھبطت فان الخشیۃ تستلزم العلم بالمخشی و قد تقدم" یہ سوال نہ کیا جائے کہ یہ احادیث اخبار احادیث میں سے ہیں اور عقیدہ کے سلسلے میں یہ کام نہ دیں گی کیوں کہ ہمارے لئے وہ دلیل کافی ہے جو قرآن حکیم کی آیات سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ قطعی دلائل ہیں جو پتھروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ یہ فعل اس امر کی دلیل ہے کہ وہ پتھر اپنی نوعیت کی مناسبت سے اپنے رب کو پہچانتا ہے ورنہ وہ نہ گر پڑتا۔ کیوں کہ خوف کے لئے ضروری ہے کہ اسے جانتا ہو جس سے خوف کھاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ (ص ۳۲۲)

یعنی بنیادی طور پر سماع موتی اور تمام اشیاء کے سننے کا استدلال قرآن حکیم سے کیا گیا ہے اور احادیث ان آیات کی شرح وتفسیر ہیں۔ پھر بھی کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے تو وہ منکر حدیث ہے منکر قرآن ہے نفی سماع کی ایک حدیث بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اب دیکھئے کہ محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی قرآن وحدیث کا انکار کس فنکاری سے کرتے ہیں۔

۴...... "واما اخبار الرسول الصحیحۃ فقلیلۃ فاین التواتر وتلک القلیلۃ ایضاً ساقطۃ او مؤلۃ اذ ھی تخالف النصوص وعمل الصحابۃ" (ترجمہ از مؤلفین) اخبار رسول صحیحہ قلیل ہیں اور وہ بھی نصوص قطعیہ اور عمل صحابہ کے مخالف ہیں تو اتر کہاں ان کے بارے میں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ (شفاء الصدور ص ۱۰۳)

یعنی اس امر کا اقرار ہے کہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ پھر حدیث کا انکار کرنے کی یہ راہ نکالی کہ وہ صحیح احادیث قلیل ہیں۔

اوّل تو قلیل کا اعتراف اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے مقابلے میں کثیر ہو۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسی احادیث رسول جو تعداد میں کثیر ہوں۔ صحیح ہوں اور عدم سماع کے مفہوم کے لئے قطعی الدلالۃ ہوں پیش کی جائیں مگر کثیر تو کیا ایک حدیث بھی عدم سماع کے حق میں ان شرائط کے ساتھ نہیں پیش کی جا سکتی۔

پھر ان قلیل کا وزن کم کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ تواتر کے خلاف ہیں۔ پھر انہیں بے اثر ثابت کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ احادیث ساقط الاعتبار ہیں۔ کیوں کہ نصوص کے مخالف ہیں اور عمل صحابہ کے مخالف ہیں۔ ان میں سے ہر بات دلیل طلب ہے۔ مگر دلیل کوئی نہیں دی جن نصوص کے مخالف ہیں وہ پیش کرنی چاہئیں۔ پھر عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کی

دلیل کیا ہے۔ وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے آپ نے معلوم کرلیا کہ یہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور تو احادیث کا دور تھا۔ جب صحیح احادیث آپ کے ہاں مردود ٹھہری تو عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلیل کہاں سے لیں گے۔ اگر تاریخ سے لیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حدیث صحیح کے مقابلے میں تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔ کس معصومانہ انداز میں احادیث صحیحہ کا انکار ہو رہا ہے اور توحید و سنت پر آنچ بھی نہیں آنے دی۔ اس سے ایک ہی صفحہ پہلے ارشاد فرمایا۔

۲...... "ویعلم ان الحجة هي قول النبی ﷺ او فعله او تقریره دون اقوال الرجال و الهامهم و کشوفهم و قیاسهم و منامهم و ماذکرنا فی هذا الباب منها اقوال الرجال و منها افعالهم و منها کشوفهم و منها منامهم ثم منا موضوعة و منها منکرة" اور یہ بھی معلوم ہے کہ قول و فعل اور تقریر رسول حجت بن سکتی ہے۔ لوگوں کے اقوال ان کے الہام اور کشف قیاس اور خواب حجت نہیں بن سکتے اور جو باتیں مذکور ہوئیں وہ سب کی سب لوگوں کے اقوال ہیں یا افعال ہیں یا کشف ہیں یا خوابیں ہیں پھر کچھ تو ان میں موضوع ہیں اور کچھ منکرات میں سے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۰۲)

اس بیان میں آپ نے دو امور کا اظہار کیا۔ اوّل یہ قول و فعل و تقریر رسول اللہ ﷺ حجت ہے۔ دوم یہ رجال یعنی مفسرین محدثین فقہا اور علمائے ربانی کے اقوال جو انہوں نے قرآن و حدیث کی شرح و تفسیر میں لکھے ہیں وہ حجت نہیں اور فقہائے کرام نے ادلہ اربعہ میں سے قیاس کے ذریعے قرآن و سنت سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے وہ بھی حجت نہیں اور صوفیائے کرام کے کشف تو خیر کسی شمار میں نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ آیات کا ذکر آپ نے نہیں کیا۔ وہ بھی آپ کے نزدیک حجت ہیں یا نہیں۔ اگر حجت ہوتیں تو متعدد آیات جن میں سے چودہ پندرہ آیات ہم نے پیش کی ہیں ان پر آپ کا ایمان ہوتا اور انہیں آپ حجت قرار دیتے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن کریم آپ کے لئے حجت ہی نہیں اس لئے اس کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا۔

رہا قول و فعل تقریر رسول ﷺ تو اگلے صفحے پر آپ حدیث صحیح کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں۔ پھر کس قول رسول ﷺ کو آپ حجت قرار دیتے ہیں۔ پھر حدیث صحیح کو آپ قرآن کی معارف قرار دے رہے ہیں۔ یہ عجیب دو رنگی ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو قرآن کی معارض کیوں ہے۔ اگر حدیث صحیح بھی ہے اور قرآن کی معارض بھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرائض رسالت میں سے ایک فریضہ آپ کے نزدیک یہ بھی تھا کہ خدا کا رسول ﷺ خدا کی کتاب کے خلاف باتیں کیا کرے۔ اس سے آپ کے ایمان بالرسالت کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو گیا۔

رہی تیسری بات کہ فقہائے کرام نے استنباط مسائل کے ایک مسلمہ اصول کے تحت جو مسئلہ قرآن و سنت سے استنباط کیا وہ آپ کے لئے حجت نہیں۔ اس سے آپ کی حنفیت کی قلعی بھی کھل گئی۔ اس پر طرّہ یہ کہ آپ کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ قرآن کو بھول جاؤ، حدیث صحیح کو دیوار سے پٹخ دو، فقہائے کرام کی مساعی کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دو اور ہمیں اپنا قبلہ مقصود بناؤ۔ کیوں کہ خدا کی وسیع زمین پر علم کے مینار ہم ہیں۔ دیانت و صداقت کے مجسمے ہم ہیں۔ اجتہاد و بصیرت کے معیار ہم ہیں۔ کیوں کہ ہمارا اعلان ہے کہ: مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اب حدیث کے انکار اور سلف صالحین کی تحقیر کے نمونے ملاحظہ ہوں:

۱...... ان قطعیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (اور وہ قطعیات صرف بزعم خویش ہی ہیں) (ندائے حق ص ۱۴)

۲...... مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (ندائے حق ص ۱۹)

۳...... صاحب تسکین کی تسکین ہو اور فرضی سلف فرضی جمہور اور فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔ (ندائے حق ص ۱۵)

۴...... مولانا موصوف کے مزعومہ محترمہ جمہور کون سے جمہور ہیں۔ (ندائے حق ص ۳۰)

۵...... سلف صالحین وفقہا و مجتہدین نے عمداً تو جھوٹ نہیں بولا مگر غلطی کی ہے۔ (شفاء الصدور ص ۱۰۰،۱۰۱)

ان ارشادات یا صحیح تر لفظ ہذیانات پر غور فرمائیں۔ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں اچھا تو دین نقل ہے۔ اولین ناقلین صحابہ ہیں اور صحابہ کا قول حجت نہیں تو دین کا کیا اعتبار رسول خدا سے دین صحابہ نے لیا اور آگے تابعین کو پہنچایا۔ صحابی کا قول حجت نہیں تو دین کی کون سی بات مستند ہوگی۔ ندائے حق اور شفاء الصدور کے مصنف ذرا اس کی وضاحت تو کریں کہ جس دین کو آپ اسلام کہتے ہیں وہ آپ تک کیسے پہنچا؟

سلف صالحین سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہوتے ہیں۔ اگر یہ سب فرضی شخصیتیں ہیں تو وہ اصلی سلف صالحین کون سے ہیں۔ اگر سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تو کیا دین کا آغاز محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی سے ہوا۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ دین اسلام نہیں اس کا کوئی اور نام جو چاہے رکھ لیجئے۔

پھر سلف صالحین فقہا و مجتہدین نے جھوٹ نہیں بولا مگر ان سے غلطی ہوئی۔ یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور فقہاء کی کثیر جماعت جھوٹ کی فرد جرم سے تو بچ گئی۔ مگر غلط کار تو قرار پائی اور غلطی سے پاک نقائص سے مبرّا تیرہ صدیوں میں کوئی انسان معرض وجود میں آیا تو وہ صرف بندیالوی اور نیلوی ہیں۔

مجتہدین تو غلطی کا شکار ہوتے آئے مگر مقلدین معصوم عن الخطا ٹھہرے قربان اس تقلید پر ادھر یہ سوال ہے کہ وہ کون سے جمہور ہیں ادھر یہ اعتراف ہے کہ:

۱...... مولانا سرفراز نے حوالہ جات کا ایک خزانہ جمع کیا نقول کے انبار لگائے۔ (ندائے حق ص ۱۵)

کوئی پوچھے یہ حوالہ جات اور نقول کس سے نقل کئے ہیں۔ یہی وہ جمہور ہیں۔

۲...... آنکھیں بند کر کے روایات کے انبار لگائے۔ (ایضاً ص ۱۵)

یعنی آنکھیں کھول کے روایات پیش کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ اپنے فاسد عقیدہ کے خلاف جو صحیح حدیث ہو اسے درخور اعتنا نہ سمجھا جائے اور اتباع ہوئی میں جو جی میں آئے وہ قلم سے اگل دیا جائے۔

۳...... "فبای حدیث بعدہ یومنون (المرسلات: ۵۰)۔ الیس اللہ بکاف عبدہ" (زمر: ۳۶) (ایضاً ص ۱۵)

یعنی قرآن بلا رسول ہی اصل دین، قرآن کی شرح و تفسیر علمی اور عملی جو رسول نے کی اور صحابہ کو سکھائی۔ انہوں نے آگے منتقل کی وہ سب دین سے خارج ہے۔ یہ وہ تکنیک ہے جو ہر دشمن اسلام اختیار کرتا ہے۔

یعنی بندیالوی اور نیلوی صاحب وغیرہ کا یہ عقیدہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ نہیں بلکہ نظام معتزیہ اور نکریہ کا عقیدہ ہے مگر یہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ وابستگی کا اظہار بھی محض مفاد پرستی کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ جب صحیح حدیث کا انکار ہے تو اہلسنت کہاں رہے اور جب سلف صالحین کے اجماع کا انکار ہے تو الجماعت کا مفہوم کیا ہوگا۔ اس لئے ہم اس عقیدہ کو خالص قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ "فبای حدیث بعدہ یؤمنون" پر ہمارا عمل ہے۔

۱...... تفسیر کبیر میں آیت "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین الخ" کے تحت امام رازی فرماتے ہیں:
"قالوا فی الایۃ دلالۃ علی بطلان قول النظام فی الانسان ھو الروح لا البدن فانہ سبحانہ بین ان الانسان ھو المرکب من ھذہ الصفات وفیھا دلالۃ ایضاً علی بطلان قول الفلاسفۃ الذین یقولون ان الانسان شئی لا ینقسم وانہ لیس بجسم" مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں نظام کے اس قول کی تردید ہے کہ انسان روح ہے بدن نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انسان ان صفات سے مرکب ہے اور اس میں فلاسفہ کے قول کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ انسان ایسی شے ہے جو تقسیم نہیں ہوسکتا اور وہ جسم نہیں۔ (ج ۶ ص ۱۸۸)
۲...... تفسیر کبیر میں آیت اسریٰ کے تحت لکھا ہے "ان لفظ العبد لا یتناول الا مجموعۃ الروح والجسد والدلیل علیہ ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلّی ولا شک ان ھھنا المراد من العبد مجموعۃ الروح والجسد" عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو میرے بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہاں عبد سے مراد روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ (ص ۳۷۰)
۳...... پھر فرمایا "الانسان انہ لما کان الانسان فی عرف القرآن والظاھر عبارۃ عن ھذہ الجثۃ اطلق علیہ اسم الانسان" انسان جب عرف قرآنی میں انسان ہے اور ظاہر عبارت ہے اس جسم انسانی سے اس پر لفظ انسان کا اطلاق ہوتا ہے۔ (ج ۵ ص ۴۴۵)

اقوال الرجال اور جمہور کو چھوڑیئے قرآن حکیم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی زحمت اٹھایئے قرآن کے الفاظ میں اپنے دل پسند معانی داخل کرنے کا تکلف چھوڑیئے۔ ان آیات سے اس عقیدے کا بطلان ظاہر ہے۔

امام رازی کے علاوہ دوسرے مفسرین سے پوچھیئے۔

(حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں) "فان العبد عبارۃ عن مجموعۃ الروح والجسد" عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے سے عبارت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳)

"العبد ظاھر فی الروح والبدن" عبد کا ظاہر روح اور بدن سے ہے۔ انسان روح اور جسم کا مظہر ہے۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۷)

اب آپ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ مفسرین نے اگر قرآن کی تفسیر یہ کی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ ہم بھی تو مفسر ہیں اور ھم رجال ونحن رجال ابھی تو وہ موڑ ہے جہاں سے آپ نے قرآن کو رسول کے ہاتھ سے چھین کر اپنی ہوا و ہوس کا تختہ مشق بنایا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس عقیدہ کے متعلق فرمایا: "بل الذی علیہ الجمھور والعقلاء ان الانسان ھو البدن والروح معا قد یطلق اسمہ علی احدھما دون الاخر لقرینۃ" جمہور (اہلسنت) اور عقلاء کے نزدیک انسان سے مراد جسم اور روح کا مجموعہ ہے ان میں سے کسی ایک پر اس کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو۔

اور اس نظامی، معمری، بکری، بندیالوی اور نیلوی عقیدہ پر علامہ عبدالقاہر نے سوال اٹھائے ہیں کہ اگر یہ جسد انسان نہیں بلکہ انسان اس کے بغیر کچھ اور ہے تو ماننا پڑے گا کہ:

۱...... "انه یوجب ان الصحابة ما رأو رسول الله ﷺ بل رأوا قالبا فیه رسول الله فلا یکون الصحابة صحابیا" اس سے لازم آئے گا کہ صحابہ ؓ نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی بلکہ اس قالب جسم کو دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ تھے لہٰذا کوئی صحابی صحابی نہ ٹھہرا۔

۲...... "ویوجب ان لا یکون احد قد رأی اباه وامه وانما رأی قالبها" اور یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی شخص نے اپنے ماں باپ کو نہیں دیکھا بلکہ اس قالب کو دیکھا جس میں وہ تھے۔

۳...... "ویوجب ان یقول فی الجماد ایضا انه لیس هو جسد وانما جماد هو فی ظاهر هذه الجسد" اور جمادات کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ان کا کوئی جسم نہیں بلکہ وہ اس جسم میں نظر آتے ہیں۔

۴...... لازم آئے گا انسان چوں کہ غیر مرئی چیز ہے اس لئے کسی نے انسان کو دیکھا ہی نہیں اور "اذا قال النیلوی ان الروح التی فی الجسد هی الانسان وهی الفاعلة دون الجسد" تو عرف عام میں جسے انسان کہتے ہیں وہ چوری کرے، زنا کرے، شراب پئے، قتل کرے تو اس پر نہ حد جاری ہوسکتی ہے نہ اس سے مؤاخذہ ہوسکتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ سزا کا تعلق تو انسان سے ہے میں تو ایک جسد ہوں انسان کو تلاش کیجئے اور اسے سزا دیجئے مجھے معاف رکھیے۔ پھر بتایئے کہ تمدن کی کیا حالت ہوگی۔

اور اگر آپ کو پھر بھی اپنے غیر فطری غیر عقلی اور غیر قرآنی عقیدے پر اصرار ہے تو "کفاک یا نیلوی بعناد القرآن خزیا ونکالا ومن اتبعه علی منواله" جناب نیلوی نے امام رازی پر بہتان تراشی کی ہے۔ امام صاحب کا فرمان ہے کہ بدن میں اصل کام کی چیز روح ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ بدن انسان ہی نہیں۔ ابن قیم ؒ نے کتاب الروح میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں قول فیصل بیان کیا۔

"ان الانسان عبارة من هذاالبدن والهیکل المخصوص فهو قول جمهور الخلق وهو المختار عند اکثر المتکلمین" انسان اسی جسم اور مخصوص شکل سے عبارت ہے یہی جمہور اور اکثر متکلمین کے نزدیک صحیح ہے۔ (ص ۲۱۹)

یہاں ایک اور نکتہ بھی پیدا ہوتا ہے یا گرہ کھلتی ہے کہ جب یہ چلتی پھرتی صورتیں اور یہ متحرک اور ناطق جسم انسان نہیں تو جمہور اور سلف، صحابہ اور رسول کے اقوال تلاش کرنا اور انہیں حجت بنانا کار عبث ہے۔ کیونکہ جمہور تو انسان ہونے چاہیے۔ صحابہ اور سلف سب انسان ہونے چاہئیں اور انسان غیر مرئی شے ہے۔ پھر کوئی کس سے سیکھے اور کیوں سیکھے۔ اس سے آگے بڑھئے تو ایک اور بات قابل غور ہے کہ یہ نیلوی بندیالوی وغیرہ جب انسان ہی نہیں ہیں تو ان کی بات پر آدمی کان کیوں دھرے اور جب یہ آپ کا دین، رسول صحابہ اور تابعین وغیرہ قالبوں سے پہنچا تو اس دین کا کیا اعتبار۔ دین تو وہ ہے جو رسول سے چلے صحابہ سے نسلاً بعد نسل آگے چلے اور آپ کے عقیدہ کے مطابق جب یہ فرضی ہیں تو دین کا اعتبار کیا رہا اور اس کی ضرورت کیا رہی۔

نفس اور روح

لفظ روح، نفس اور نسمہ کے مفہوم میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ اس بناوٹی بنیاد پر من مانی عمارت تعمیر کی جاسکے۔ اس لئے ان الفاظ کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔

(روض الانف ج۱ ص۱۹۸) پر یہ بحث چھیڑی گئی ہے۔ جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ: جب نفخ اور خلق بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے روح کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ ''فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی'' خلق کے بعد جب بدن انسانی کے اوصاف اس پر غالب آ جائیں تو کسب واکتساب اور افعال واعمال کی وجہ سے اسے نفس کہا جاتا ہے جیسا کہ بادلوں سے جب بارش برستی ہے تو اسے پانی کہا جاتا ہے۔ جب یہ پانی درختوں کو سیراب کرتا ہے ان پر پھل آتا ہے اور اس پھل کو نچوڑ کر اس سے رس نکالا جاتا ہے تو اسے مطلق پانی نہیں کہا جاتا ہے بلکہ جس پھل سے وہ رس نچوڑا جاتا ہے اس کی نسبت سے اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً انار کے رس کو مطلق پانی نہیں کہا جاتا بلکہ انار کا پانی اسی طرح سیب کا پانی، سنگترے کا پانی، تربوز کا پانی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ پانی وہی بارش کا ہے مگر ان پھلوں کی صحبت کی وجہ سے ان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نے بدن انسانی کی صحبت سے جو کسب افعال کیے ان کی وجہ سے اسے نفس کہا جانے لگا۔ اوصاف بدلنے سے نام بدل گیا۔

نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے۔ بہر حال روح نفس اور نسمہ ذات واحد کے تین نام ہیں۔ البتہ نسمہ کا اطلاق روح معہ الجسم پر ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ باب میں بیان ہوگی۔ چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''قولہ تعالٰی ثم ینفخ فیہ الروح وقد علمت الفرق بین النسمۃ والروح فان النسمۃ توصف بالولادۃ فورد فی الخبر ان ما من نسمۃ مولودۃ الی ان قال بخلاف الروح فانہ لا تتصف بہ ان اتصف بالنفخ والخلق وبالجملۃ ان الروح بعد نفخھا فی الجسد تکتسب احوالا تتغیر فیھا خواصہ فتسمی نسمۃ وغیرھا ای بالنفس وقد مر بسطھا فالشئی واحد ولہ مراتب فھو نسمۃ فی المرتبۃ التحتانیۃ ومادام لم تتعلق بالجسد وکانت تسند الی اللہ کما قال من روحی وروح منہ'' (فیض الباری ج۴ ص۵۲۶)

اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ روح اور نسمہ میں فرق یہ ہے کہ نسمہ ولادت یعنی پیدائش سے موصوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کوئی نسمہ پیدا ہونے والا نہیں الخ۔ بخلاف روح کے کہ وہ ولادت سے موصوف نہیں بلکہ نفخ اور خلق سے موصوف ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ روح جب بدن انسانی میں آ جاتا ہے، کسب احوال کرتا ہے اس کے اوصاف بدل جاتے ہیں۔ پس اس کو نسمہ کہا جاتا ہے اور نفس بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ شے واحد ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں نچلے درجے میں وہ نسمہ تھا۔ جب تک روح کا تعلق بدن سے نہ تھا۔ اس کی نسبت بدن کی بجائے اللہ کی طرف تھی۔ اس کا نام روح تھا۔ جیسا کہ فرمایا ''من روحی وروح منہ''

معلوم ہوا کہ روح اور نفس شے واحد ہے، اوصاف بدلنے سے نام بدلے مگر نام بدلنے سے ذات شے نہیں بدلتی۔

اور فتح الملہم میں بیان ہوا ہے کہ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب عقیدہ سفارینی میں فرمایا کہ: ''قال العلامۃ السفارینی فی عقیدتہ واما اختلاف الناس فی الروح وھل ھی النفس او غیرھا فمن الناس من قال ھما اسمان لمسمی واحد وھذا قول الجمہور وقد بسط الحافظ ابن القیم فی کتاب الروح الکلام فی

المسئالة وذکر آراء العلماء فیھا ورجع بعد التحقیق ان الفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لا فرق بالذات "روح کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا یہ نفس ہے یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت کے دونام ہیں یہ قول جمہور علماء کا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے اس میں علماء کی رائیں بیان کی ہیں اور تحقیق کے بعد اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ روح اور نفس میں صفات کا فرق ہے ذات واحد ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۶۹)

اور خود علامہ سفارینی اپنی شرح عقیدہ سفارینی میں فرماتے ہیں "ھما اسمان لمسمی واحد وھذا قول الجمھور" وہ ایک ہی چیز کے دونام ہیں اور یہ جمہور کا قول ہے۔ (ج ۲ ص ۲۹)

اور علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: "واما المسئلة العشرون وھی ھل الروح والنفس شئی واحد او شیئان متغایران فاختلف الناس فی ذالک فمن قال ان مسماھما واحد وھم الجمھور الی ان قال فالفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لا فرق بالذات" بیسواں مسئلہ یہ ہے "کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے یا دو مختلف چیزیں ہیں اس میں لوگوں کا اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور نیز یہ کہ نفس اور روح میں فرق صرف صفات کے اعتبار سے ہے ذات کا نہیں۔ (کتاب الروح ص ۲۶۲)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اما الروح التی تتوفی وتقبض فھما روح واحد وھی النفس" "لیکن وہ روح جسے قبض کیا جاتا ہے اور جس پر لفظ وفات کا اطلاق ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ پھر فرمایا "والنفس والروح اسمان مترادفان لمعنی واحد ومعناھما واحد وقال الجوھری النفس ھو الروح" اور یہ نفس ہے نفس اور روح مترادف ہیں جن کا ایک ہی معنی ہے۔ جوہری کا قول ہے کہ نفس ہی روح ہے۔ (ص ۲۶۶)

اور شرح الصدور میں ہے "ان الروح والنفس شئی واحد" روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ (ص ۱۳۳)

اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: "واحتج بالأیة الاولی علی ان النفس والروح شئی واحد" سابقہ آیت میں اس کی دلیل موجود ہے کہ نفس اور روح ایک ہی چیز ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۱)

اور علامہ آلوسی فرماتے ہیں: "اختلف الناس فی الروح والنفس ھل ھما شئی واحد ام شیئان فحکی ابن زید عن اکثر العلماء انھا شئی واحد" لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔ کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے یا دو ہیں۔ ابن زید نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۵۷)

پھر فرماتے ہیں: "والحق انھما یتحدان وقد یتغیران" حقیقت میں یہ دونوں ایک چیز ہیں لیکن باعتبار صفات مختلف ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۵۸)

اور مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اپنے مجموعہ (فتاویٰ ص ۱۵۷) پر ایک سوال کے جواب میں فرمایا: "نفس اور روح ایک ہی چیز ہے اور اوصاف کا اختلاف ہمیشہ احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔"

علماء محققین کے اقوال و تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ روح اور نفس شئی واحد ہے، باعتبار ذات کے اور اختلاف ہے باعتبار صفات کے۔

اب مولوی غلام اللہ خان کی تحقیق ملاحظہ ہو: (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۵) پر عذاب قبر کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''احساس الم نفس کو ہوتا ہے جو روح سے ایک جدا چیز ہے۔ البتہ روح سے اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دھوئیں کا آگ سے۔ یہ نفس بدن کی جز و اصلی ہے جو ابتداء سے آخرت تک باقی رہتی ہے۔ یہی وہ نسمہ ہے جسے جنت میں پرندے کے قالب میں داخل کیا جائے گا۔''

شیخ القرآن نے ایک بات تو ٹھیک کہی کہ نفس و نسمہ شئی واحد ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ مگر روح سے جدا چیز قرار دے کر ٹھوکر کھائی ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی دلیل مصنف نے کوئی نہیں دی۔ دوسری ٹھوکر یہ کھائی ہے کہ نسمہ کو دھوئیں سے تشبیہ دی اور روح کو آگ سے۔ اسی طرح نیلوی صاحب نے ندائے حق میں فرمایا کہ نفس و روح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے۔ (ص ۱۵۷)

مگر دیکھنا یہ ہے کہ دھواں تو اثر ہے آگ کا یعنی آگ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور شیخ القرآن نفس کو روح سے جدا قرار دیتے ہیں اور نفس و نسمہ کو شئی واحد تسلیم کر کے بدن انسانی کی جز و اصل مانتے اور ظاہر ہے کہ جز و شئی، شئی سے مقدم ہوتی ہے۔ تب جز و سے کل مرکب ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب یہ نسمہ بدن انسانی کی اصل جز و بنا تو بھی اس قسم کی جز و ہو گی جس قسم کا کل ہے بدن انسانی تو خون گوشت پوست ہڈی رگ وریشہ اعصاب وغیرہ سے بنا ہوا ہے۔ لہٰذا جز و بھی انہی اجزاء کی قسم ہو گی۔ مگر نیلوی صاحب ایک طرف بدن کی جز و اصلی قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف اس نسمہ کو مستقل انسان قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ندائے حق میں فرماتے ہیں:

۱...... دوسرے یہ کہ اصل معاملہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے جو نسمہ مع الروح کا نام ہے۔ (ص ۸۷)

اور (ص ۴) پر فرماتے ہیں:

۲...... ''عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے۔ عاقل بالغ تھے، مرد و عورت کی ممتاز صورت تھی۔ سن، بول، سمجھ سکتی تھی۔ اس نسمہ کو کہیں ذریۃ سے تعبیر کیا گیا اور کہیں اولاد سے وہی نسمہ ہے۔ جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اس بدن عنصری میں آیا ہے۔ اسی کو سوال و جواب کے لئے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے اسی سے پوچھ گچھ ''من ربک، من نبیک'' کا ہوتا ہے۔''

اور (ندائے حق ص ۴۲) پر فرماتے ہیں:

۳...... ''انسان کے لئے ضروری ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقل مفقود ہے اس سے یہی ثابت ہوا کہ انسان بدن سے مغائر ہے۔''

مصنف کے ان تینوں بیانات کا جائزہ لیجئے۔

۱...... انسان...... نسمہ مع الروح کا نام ہے۔ ۲...... نسمہ...... جسم مع الروح کا نام ہے۔

۳...... انسان بدن سے مغائر ہے۔

اوّل تو ان تینوں بیانات میں سے انسان کی تلاش کیجئے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا ہے؟

۱...... یعنی انسان: نسمہ، الروح۔

اور نسمہ: جسم، روح۔
یعنی انسان: جسم، روح، روح
۲...... اور انسان: جسم سے الگ کوئی چیز، مگر کیا چیز؟ جو بتانے والے کو بھی علم نہیں۔

شاید کوئی ریاضی دان اس مساوات کو حل کر سکے۔ اب تک تو لاینحل ہی ہے۔ قول نمبر ۲ کے اندر ایک اور الجھن در الجھن ہے۔ ابتداء میں فرمایا عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح ہے۔ پھر فرمایا وہی نسمہ ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اسی بدن عنصری میں آیا۔

یعنی جسم اور بدن دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیوں کہ نسمہ جو جسم مع الروح ہے وہ منتقل ہو کر بدن عنصری میں آیا اور جسم مع الروح کو سوال جواب کے لئے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے۔ بدن کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ یعنی سوال جواب سے بدن مستثنیٰ ہے۔ وہ جسم جو بدن میں آیا وہ فرضی ہے، وہمی ہے، خیالی ہے، لطیف ہے، ٹھوس مادی ہے۔

قول نمبر ۳: انسان کے لئے عقل وادراک ضروری ہے۔ بدن میں عقل وادراک ہے نہیں۔ لہٰذا انسان اس بدن سے الگ چیز ہے۔ مگر کیا ہے؟ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

قول نمبر ۲ میں پھر ایک اور پیچ پڑا ہوا ہے۔ عہد نسمہ سے ہوا، نسمہ جسم مع الروح ہے۔ عاقل بالغ تھا، عورت مرد کی تمیز تھی، سنتا بولتا تھا۔ اسی نسمہ کو کہیں ذریت کہیں اولاد سے تعبیر کیا گیا۔

نسمہ میں عورت مرد کی تمیز کس لئے تھی، ظاہر ہے کہ توالد وتناسل کے لئے تو کیا نسمہ میں عقل وبلوغ تذکیر وتانیث اس امر کا متقاضی نہیں کہ ان میں نکاح تعلقات زن وشوہر پھر توالد وتناسل ہو تو یہ دنیا میں انسانی شکل میں جو مخلوق موجود ہے۔ وہ اسی نسمہ کی ہوگی۔ بدن کا تو اس تمام عمل سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ اس میں بقول آپ کے عقل ادراک شعور موجود نہیں۔

قول نمبر ۳: سے ایک اور الجھن پیدا ہوتی ہے کہ جب اس بدن میں عقل نہیں ادراک نہیں تو یہ مکلف بھی نہیں۔ کیوں کہ مدار تکلیف تو عقل پر ہے اور نیلوی صاحب کے بدن میں عقل ہے نہیں۔ لہٰذا مکلف بھی نہ ہوئے۔ لہٰذا نماز روزہ حج زکوٰۃ عقائد وغیرہ غیر متعلق باتیں ہوئیں اور نیلوی صاحب کے بدن والے انسان کے لئے نکاح وغیرہ کا تکلف بھی شے زائد ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ نیلوی پارٹی شرک کی رٹ اور مشرک کے نعرے کیوں لگاتی پھرتی ہے اور اس فتویٰ کا مخاطب کون ہے یہ جو جسم چلتا پھرتا نظر آتا ہے یہ تو انسان نہیں۔ پھر یہ مشرک کیوں نظر آتا ہے۔ یہ تو انسان نہیں۔ پھر یہ مشرک کیوں قرار پایا اور جب بدن مکلف نہیں تو سوال وجواب اور عذاب وثواب سے بھی بری ہوا۔ لہٰذا نسمے تلاش کرو۔ اس پر فتوے لگاؤ۔

ایک اور علمی تحقیق ملاحظہ ہو: فرماتے ہیں نسمہ جسم مع الروح ہے۔ عالم ذر سے منتقل ہو کر بدن میں داخل ہوا۔ یعنی بدن پہلے تیار ہوا۔ تب نسمہ کو عالم ذر سے لایا گیا پھر یہ جزو بدن کیسے بنا یہ تو حلول ہے یا دخول ہے اور جب عہد بھی نسمہ سے لیا گیا۔ برزخ میں سوال وجواب اسی نسمہ سے ہوں گے۔ عاقل بالغ اور متکلم بھی نسمہ ہے۔ مکلف بھی نسمہ ہے تو اس بدن میں اسے داخل کس غرض سے کیا گیا۔ پھر یہ اولاد آدم کیسے بنا۔ اولاد تو وہ ہوتی ہے جو نطفہ ظاہری بدن سے نکل کر رحم مادر میں داخل کی جائے تو نشوونما پا کر باہر آئے۔ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بدن انسانی میں باہر سے داخل کی جائے تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی اور بدن سے کوئی چیز خارج ہو جائے تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی۔ مثلاً جسم انسانی سے کوئی کیڑا نکل آئے تو وہ اس کی اولاد ہوگی۔ حضرت حواؑ جو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تو ان کی اولاد ہوئی۔ اگر نیلوی صاحب نے قرآن ہی پڑھ لیا ہوتا تو پیدائش انسانی کا قانون شاید سمجھ میں آجاتا۔

"ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین" (مومنون: ۱۳، ۱۴)

یہ عالم ذر سے نقل ہو کر جسم عنصری میں داخل ہونے کی بات بھی ایجاد بندہ قسم کی ہے، عالم ذر کا وجود صحیح حدیث سے ثابت کریں۔ جب اس کا وجود ہی ثابت نہیں تو عالم ذر سے نقل کیسے ہوا۔

نسمہ کا عالم ذر سے نقل مکانی کا معاملہ خود ایک مستقل معمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین" (ص: ۷۲) یعنی انسانی جسم کے تسویہ کے بعد روح سے اس کو حیات حاصل ہوئی۔ آپ کا نسمہ جو مستقل عالم ذر کی مخلوق ہے وہ مجھ روح سے پہلے بدن انسانی میں داخل ہوا یا بعد۔ دونوں کا ثبوت پیش کریں۔

پھر اول روح داخل ہوا تو اس کی بدن کو ضرورت کیا تھی۔ جب آپ کے نسمہ سے حیات ہو چکی۔ یہ تحصیل حاصل کیوں؟ اگر بعد کو داخل ہوا تو اس کا کیا فائدہ ہوا۔ جب کہ حیات تو روح سے حاصل ہو گئی۔ پھر آپ نے مسئلہ ہی حل کر دیا کہ:

نسمہ ہی انسان حقیقی ہے (ندائے حق ص ۴۳) یعنی ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی کو انسان نام کی مخلوق دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بدن تو انسان ہے نہیں اور نسمہ کہیں نظر نہیں آتا۔ بلکہ محض موہوم اور خیالی مخلوق ہے۔ ذرا اس اپنے عقیدے کا ثبوت حدیث سے پیش کریں۔ کیوں کہ مفسرین محدثین علماء اور مجتہدین کے قول کا تو آپ انکار کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ شفاء الصدور کے (ص ۱۰۲، ۱۰۳) کے حوالہ سے عبارت گزشتہ باب میں پیش کی جا چکی ہے اور ندائے حق میں (ص ۱۹) پر عمل صحابہ کا انکار کیا ہے۔

"مولانا موصوف کو تسکین الصدور لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔" لہٰذا حجت تو صرف قرآن و حدیث ہی ہے تو حدیث سے ہی اس نسمہ کے حقیقی انسان ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہئے۔

ندائے حق میں سے صرف تین اقوال میں اتنا تضاد دیکھ کر انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مصنف نہ تو صحیح عقیدہ کی نشاندہی کر سکا، نہ اپنا عقیدہ بتا سکا نہ جانے اس کتاب کے لکھنے کا مقصد کیا تھا۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان "توحیدی" حضرات کے چند اور تضادات بھی پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ ایسے معمے اور ایسی پہیلیاں بیان کرتے ہیں کہ: کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

۱...... نسمہ روح مع جسم عاقل بالغ مرد عورت ذی فہم متکلم وغیرہ اوصاف کا مالک ہے۔
عالم ذر کی مخلوق ہے۔ (ندائے حق ص ۴۰)

۲...... نسمہ ہی حقیقی انسان ہے۔ (ندائے حق ص ۴۳)

۳...... لیکن انسان فقط روح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۴۲)

۴...... جسم انسانی کی نسمہ جز و اصلی ہے دوسری جز و زائد ہے جو بدن انسانی ہے۔ (ندائے حق ص ۴۳)

۵...... برزخ میں سوال و جواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۴۰)

۶...... عود روح الی الجسد یعنی قبر میں سوال و جواب منکر نکیر کے ہوتے ہیں تو اس وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ (ندائے حق ص ۲۴۶)

۷...... نسمہ جسم مثالی ہے۔ (تسکین القلوب ص ۶۷ قاضی شمس الدین صاحب)

۸...... نسمہ روح ہوائی ہے۔ (مسالک العلماء ص ۶۱)

۹...... نسمہ جسم ہے جسے مثالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ندائے حق ص ۲۴۹)

۱۰...... جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔ (تسکین القلوب ص ۶۷)

۱۱...... جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سوائے عالم ظاہر کے ایک عالم ہے کہ صوفیا کو انکشاف ہوا ہے۔ (تسکین القلوب ص ۶۷)

۱۲...... جسم مثالی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے۔ جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہوتا ہے اور یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا۔ (ندائے حق ص ۲۳۲)

ان بارہ اقوال میں تضادات کی ایک دنیا سمو کر رکھ دی گئی ہے۔ سب سے پہلے انسان کی حقیقت کو لیجئے۔ پھر اس سلسلے میں تضاد ملاحظہ کیجئے۔ نسمہ حقیقی انسان ہے، انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ نسمہ جسم انسانی کی جزو اصلی ہے اور لطف یہ کہ شے کی جزو اصلی وہ ہوتی ہے جس سے شے مرکب ہو۔ جسم انسانی مرکب ہے۔ گوشت پوست ہڈی خون وغیرہ کا تو گویا نسمہ بھی یہی اجزاء رکھتا ہے۔

اب نسمہ کو لیجئے: نسمہ روح مع الجسم ہے۔ نسمہ جسم مثالی ہے۔ نسمہ روح ہوائی ہے۔ نسمہ وہ ہے جسے اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔

اب جسم مثالی کو لیجئے: جسم مثالی نسمہ ہے، جسم مثالی روح ہے۔ جسم مثالی اس عالم کی شے ہے۔ جس کا انکشاف صوفیہ کو ہوا ہے جسم مثالی دوسرا جسم ہے، نہ جسم مثالی صرف عالم برزخ میں انسان کو عطا ہوگا۔

اب برزخ میں سوال و جواب کا مسئلہ لیجئے: برزخ میں سوال و جواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ سوال و جواب کے وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ اوّل یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ نسمہ کیا ہے پھر سوال و جواب جب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جس روح کا اعادہ ہوتا ہے وہ نسمہ کا روح ہے۔ جب سوال و جواب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جسد کی ضرورت کیا ہے۔ جسد کی طرف روح کا اعادہ کرنے کا مقصد کیا ہے۔ روح کا اعادہ تو نسمہ کی طرف ہی ہونا چاہئے اور وہ روح بھی نسمہ ہی کا روح ہونا چاہئے۔ مگر ان ساری باتوں کے لئے دلیل قطعی چاہئے۔ آیت قرآنی پیش کیجئے یا حدیث صحیح لایئے۔ مگر کہاں سے لائیں گے۔ جب کہ اقرار کرچکے ہیں کہ نص اس سے ساکت ہے۔ آخری سہارا یہ تلاش کیا کہ جسم مثالی یا نسمہ کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ مگر آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو ندائے حق (ص ۱۰۳) پر کشف والہام اقوال رجال بلکہ قول صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار کرچکے ہیں تو کشف دلیل کیسے بنے گا اور اگر نہیں بنے گا تو اس تحقیق کا حاصل کیا ہوا۔

اہل کشف کو جو معلوم ہوا ہے اس سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کو تو دلیل اس ماخذ سے لانی چاہئے جسے آپ حجت سمجھتے ہیں۔ اس لئے جسم مثالی اور نسمہ پر شرعی دلیل لائیں۔ کشف والہام شرعی دلیل نہیں۔ آپ کی پارٹی کے نزدیک کشف تو شرک ہے۔ اس میں کیا تک ہے کہ اسلام کے حقائق کی دلیل شرک سے لائی جائے۔

جسم مثالی کے سلسلے میں ایک اور تحقیق سے ایک مزید الجھن پیدا ہوگئی۔ (شفاء الصدور ص ۱۰) پر فرماتے ہیں:
"بل الارواح کلھم فی مستقراتھم ومقاماتھم امامعذبون وامامنعمون لھم اجساد مثالیۃ فی عالم البرزخ لا تعلق لھم بھذا الاجساد الترابیۃ" جملہ ارواح اپنے اپنے مقام میں قرار پذیر ہیں خواہ عذاب میں ہوں یا ثواب میں، عالم برزخ میں ان کے لئے اجسام مثالیہ ہیں۔ ان کا ارواح اجسام ظاہری (عنصری خاکی) سے کوئی تعلق نہیں۔

آپ لوگوں نے نسمہ اور جسم مثالی کو ایک ہی چیز قرار دیا۔ پھر یہ اقرار کیا کہ جسم مثالی تو روح کو عالم برزخ میں ملے گا۔ اسے اس خاکی بدن سے کوئی تعلق نہیں پھر یہی نسمہ بدن عنصری کی جزو اصلی کیسے بن گیا۔ جب جسم مثالی روح کا جسم ہے جو اسے برزخ میں ملے گا تو جسم عنصری سے تعلق تو کجا اس کا جزو اصلی کیونکر بنا دیا۔ جسم عنصری کے اجزاء بھی عنصری ہونے چاہئیں۔ مثالی اور وہی تو اس کے اجزا نہیں ہوسکتے۔ شریعت نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ جسم مثالی کو ثواب وعذاب برزخ میں ہوگا۔ جب جسم مثالی دار التکلیف دنیا میں آیا ہی نہیں اس کی طرف رسول آئے نہیں اس کو احکام دیئے نہیں گئے تھے تو اسے سزا دینا کیا ظلم نہ ہوگا؟ گناہ کئے جسم عنصری نے اور سزا ملی جسم مثالی کو کیا کہنا اس منطق کا، اس عقل کا، اس انصاف کا اور اس علم وفضل کا۔ شفاء الصدور کے عقیدہ کے مطابق معذب ومنعم خواہ انبیاء ہوں، صلحا ہوں کوئی ہوں کسی کو در حقیقت عذاب وثواب نہیں مل رہا۔ ان کے عکسوں یا تصویروں کو عذاب وثواب ہو رہا ہے۔ جزا وسزا کیا ہوئی بچوں کا کھیل ہوا۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزا وسزا اپنے علم قدیم ازلی کی وجہ سے نہیں دیتا۔ بلکہ ان کے عمل کی وجہ سے اور عمل کے مطابق دیتا ہے۔ جب جسم مثالی عمل کا مکلف نہیں۔ عمل کیا نہیں تو اسے جزا وسزا دینا کیا معنی؟

ممکن ہے کوئی بزرجمہر علم کے زور سے یہ بات بطور دلیل کہہ دے کہ شب معراج حضور ﷺ نے اجسام مثالیہ کو عذاب وثواب میں دیکھا اور وہ آپ کی امت سے تھے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

حدیث معراج کا مفہوم اگر یہی سمجھا جائے جو سوال یا اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کو عذاب دینا کیا اللہ تعالیٰ کی شان کے شایان ہے؟ کیا اسے انصاف کہہ سکتے ہیں اور کیا ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے یہ سب چیزیں ناممکن ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے مطابق عذاب نہیں دیتا بلکہ عمل کے مطابق عذاب دیتا ہے۔ فرعون کو دیکھئے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے مطابق اسے کفر پر زندہ رہنا تھا۔ کفر پر ہی مرنا تھا۔ مگر عذاب کا مستحق اس وقت بنا جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ہدایت کے لئے بھیجا اس نے انکار کیا اور عذاب کا مستحق بنا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ شب معراج جن کو معذب دیکھا ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا اور کیا انہوں نے انکار کیا؟ اگر نہیں تو عذاب کیوں؟ اور اجسام مثالیہ کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا؟ کیا وہ مکلف تھے؟ کیا انہوں نے اعمال کئے؟ اگر نہیں تو اجسام مثالیہ کو عذاب کیوں؟

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ سابقہ انبیاء کی امتیں بھی حضور ﷺ کی امت ہیں۔ آپ کی بعثت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کی امتوں کے لئے تھی۔ یہود اور نصاریٰ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے تھے۔ ان میں سے بےعمل علما بھی تھے، زانی اور شرابی بھی تھے، سود خوار بھی تھے اور انہیں کو عذاب ہو رہا تھا۔ مگر اجسام مثالیہ کو نہیں بلکہ معذب وہ خود مجسم تھے۔ پھر بھی اگر اسی پر اصرار ہے تو قول رسول یا قول صحابہ یا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول پیش کریں کہ یہ اجسام مثالیہ

تھے۔ وہ تو ارواح مجسم تھے اور بالتبع بدن عنصری کو عذاب ہو رہا تھا۔

اگر اسی پر اصرار ہو کہ حضور ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے اجسام مثالیہ کو عذاب ہو رہا تھا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو بتایئے کہ جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے انہیں کس گناہ کے بدلے عذاب ہو رہا تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ ظالم ہے۔

مختصر یہ کہ جسم مثالی کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول، اقوال صحابہ یا اقوال ائمہ اربعہ سے ہرگز نہیں ملتا۔

اسی وجہ سے توحیدی حضرات اہل کشف کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب ندائے حق میں فرماتے ہیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ جسم مثالی کے قائل ہیں۔ (ص ۱۷۳)

مگر ابن عربی کا قائل ہونا آپ کے لئے سند کیوں کر بنا۔ وہ تو صوفی ہیں اور اہل کشف ہیں اور کشف کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے وہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ پھر ابن عربی تو بہت سی چیزوں کے قدم کے قائل بھی ہیں۔ چنانچہ فیض الباری میں ہے: "ونسب بحر العلوم الی شیخ الاکبر قدم بعض الاشیاء وظنی ان تلک النسبة صحیحة" علامہ بحر العلوم نے شیخ اکبر رحمہ اللہ کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کی نسبت کی ہے اور ان کا یہ قول درست ہے۔ (ج ۱ ص ۱۶۶)

کیا آپ لوگ بھی اشیاء کے قدم کے قائل ہیں؟ ایک اور سہارا یوں تلاش کیا گیا ہے۔ نیلوی صاحب جسم عنصری پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "گو تمام ذخیرہ کتب میں سے عنصری کا لفظ نہیں دیکھا اس کے صرف تبادر سے کام لیا۔ تبادر الی الفہم ہونا کسی معنی کا خود حقیقت کی دلیل ہے۔ (ندائے حق ص ۲۴۰)

اب تبادر الی الفہم کی حیثیت سمجھئے:

مختصر المعانی میں اس امر کی بحث میں کہ امر کا صیغہ استعلاء کے لئے ہے اور یہی معنی تبادر الی الفہم ہیں اور تبادر الی الفہم ہی دلیل ہے حقیقی معنی کی۔ "وصیغة الامر موضوعة لطلب الفعل استعلاء لتبادر الفهم عند سماعها ذالک المعنی اعنی طلب الفعل استعلاء والتبادر الی الفهم من القوی امارات الحقیقة" امر کا صیغہ استعلاء کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے سنتے ہی ذہن اسی معنی کی طرف جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تبادر الی الفہم حقیقی معنوی کی قوی دلیل ہے۔ (ج ۴ ص ۲۲۶)

پھر (ص ۲۲۹) پر لکھا ہے: "کالامر فی الاستعلاء لانه المتبادر الی الفهم والتبادر علامة الحقیقة" جیسا صیغہ امر کہ اس کا استعمال استعلاء میں ہوتا ہے کیوں کہ فہم اسی طرف جاتا ہے اور تبادر ہی حقیقت کی دلیل ہے۔

یعنی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تبادر علامت حقیقت کی ہے۔ اس پر جمہور عقلاء متفق ہیں اور غیر تبادر عقل کے خلاف ہے۔ اس حقیقت سے ہٹ کر ایک بات کا جواب دیجئے کہ جب آپ کتب دینی حتیٰ کہ ذخیرہ احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں۔ جمہور اسلام و جمہور علماء اکابر و اصاغر کو، فرضی جمہور اور فرضی اکابر لکھ چکے ہیں اور کتب دینی کو بے کار ساقط الاعتبار قرار دے چکے۔ جیسا کہ مکمل عبارتیں معہ حوالہ جات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں تو پھر آپ اپنے قول کو ثابت کرنے کے لئے "ذخیرہ کتب" کا سہارا کیوں لیتے ہیں۔ وہ کون سا ذخیرہ کتب دینی ہے۔ جو آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار نہیں۔ اس سارے ذخیرہ کی نفی کرنے کے بعد اس کا سہارا لینا کیا معنی؟ اپنی اس جرأت کی حیثیت حضرت انور شاہ صاحب کی زبانی سنئے:

''وظن ان اعتراضه على البخاري تائيد للحنفية ولم يدر ان من سوء فعله هذا ينهدم اساس الدين'' اس نے بزعم خویش حنفیوں کی تائید میں بخاری پر اعتراض کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس فعل قبیح سے دین کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۱۱۰)

حضرت شاہ صاحب صرف بخاری پر اعتراض کرنے کو دین اسلام کی، بنیادوں کو منہدم کرنا قرار دے رہے ہیں اور نیلوی بندیالوی تمام ذخیرہ حدیث جس میں بخاری مسلم بھی ہیں کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ دین کے ٹھیکیدار بھی بنے ہوئے ہیں: چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

چلئے آپ کا عقیدہ آپ کو مبارک مگر یہ تو بتایئے کہ آپ نے دین لیا کس سے؟ دین تو سارے کا سارا نقل ہے اور نقل میں منقول عنہ پر پورا اعتماد چاہئے۔ جب صحابہ اور سلف صالحین سے اعتبار اٹھ گیا تو دین کیوں کر قابل اعتبار ٹھہرا۔

جب جسم کا لفظ بولا جائے تو ساری دنیا اسے جسم عنصری سمجھے، قرآن وحدیث اور لغت سے یہی جسم سمجھا جائے۔ اس کے لئے تو ثبوت طلب کیا جائے مگر غیر متبادر غیر معروف بلکہ وہمی اور فرضی چیز جسم مثالی جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ میں نہیں ملتا اس کو حقیقی جسم انسانی سمجھا جائے یہ حرکت کس منطق کی رو سے درست ہے۔

اصول یہ ہے کہ نفی فرع ہے مثبت کی۔ اس لئے پہلے تو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ، اجماع یا قیاس سے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ پھر نفی جسم عنصری پر دلائل پیش کریں۔

(شفاء القلوب ص ۶۷) قاضی صاحب لکھ چکے ہیں کہ نسمہ جسم مثالی اور روح ایک ہی چیز ہے اور یہی مذہب علماء متکلمین کا مان چکے ہیں۔ اس لئے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں ہوتا۔ لطف یہ کہ اقرار کر چکے ہیں کہ شرعی نصوص جسم مثالی کے بیان سے ساکت ہیں۔ پھر علماء اور متکلمین کا مذہب کیسے قرار پایا۔ کشف کو شرک قرار دے کر اسی کو دلیل بنانا خود اپنی تردید کرنے کے مترادف ہے۔ صاف اقرار ہے کہ جس بات کا کوئی شرعی ثبوت نہیں اسے آپ نے عقیدہ برزخی بنا کر پیش کیا۔ ایسی بودی بنیاد پر کیسی تعمیر ہوگی؟ دیکھئے روح کا والد حکمی فرشتہ ہے جس کی پھونک سے روح پیدا ہوا۔ بدن کی ماں مٹی جس سے یہ پیدا ہوا۔ آپ ذرا نسمہ کا حسب نسب بیان تو کریں۔

نسمہ

نسمہ کی بحث میں دو امور کی وضاحت ہوگی اوّل لفظ نسمہ کا مفہوم دوم نسمہ کے متعلق عقیدہ۔ لفظ نسمہ کا مفہوم ذیل کی احادیث سے واضح ہو جائے گا۔

۱...... ''قال رسول اللہ ﷺ او انكم لتفعلون قالها ثلاثا ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة الا هي كائنة'' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کیا تم یہ کرتے ہو، آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا! قیامت تک جسے بھی وجود میں آنا ہے وہ آ کر رہے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۸۴، طبع قدیمی کتب خانہ)

۲...... ''وانكم لتفعلون ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة الا وهي كائنة'' اور کیا تم یہ کرتے ہو، قیامت تک جسے وجود میں آنا ہے آ کر رہے گا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۶۴)

۳...... ''وانكم لتفعلون ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة الا ستكون'' (ایضاً)

۴...... ''وانكم لتفعلون ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة الا هي كائنة'' (مسلم ج ۱ ص ۴۶۵)

۵...... "فانہ لیست مخلوقۃ الا اللہ خالقھا" (مسلم)

۶...... "فانہ لیست من نسمۃ قضی اللہ لھا ای تکون الا ھی کائنۃ" (ابن ماجہ)

اور امام ذہبی نے اپنی کتاب "العبر فی خبر من غبر" میں فرمایا: "احصی ولد العباس فبلغوا ثلاثا وثلاثین نسمۃ" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کا شمار کیا گیا تو وہ ۳۳ آدمی بنے۔ (ج ۱ ص ۳۳)

احادیث مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ نسمہ اس کو کہا گیا جو مرد و عورت کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی اولاد، اور امام ذہبی کے قول سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعداد ۳۳ تھی۔ ان کو نسمہ کہا گیا تو نسمہ سے مراد جسم مع الروح ہے جو مرد کے نطفہ سے عورت کے بطن سے پیدا ہو۔

نیلوی صاحب نے علامہ التورپشتی کا ایک قول فیض الباری سے نقل کیا ہے: "التوربشتی الحنفی لما مر علی حدیث النسمۃ لم یفسرہ بالروح بل وضح ھذا اللفظ بعینہ ففھمت منہ شئی یغائر الروح عندہ" علامہ تورپشتی نے نسمہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کا ترجمہ روح نہیں کیا بلکہ نسمہ ہی کہا میں نے سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ، روح سے جدا کوئی چیز ہے۔

نیلوی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دیکھئے نسمہ اور روح میں کتنا فرق ہے۔ بات اتنی ہے کہ علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر کرتے وقت لفظ نسمہ ہی استعمال کیا۔ اس کے لئے روح کا لفظ نہیں بولا اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ حاصل کیا ہوا؟ علامہ تورپشتی نے نسمہ کے متعلق اپنا کوئی عقیدہ بیان نہیں کیا۔ شاہ صاحب نے اپنا قیاس ظاہر کر دیا۔ یعنی علامہ تورپشتی کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس مذہب نیلوی کی بنیاد بن گیا۔ ایک شخص کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس اگر اتنی وزنی دلیل ہے تو شاہ صاحب کا ایک حتمی فیصلہ اس سے زیادہ وزنی دلیل کیوں نہ بنے۔ سنئے فرماتے ہیں:

"ولیس الطریق ان یبنی الدین علی کل لفظ جدید بدون النظر الی التعامل ومن یفعل ذالک لا یثبت قدمہ فی موضوع ویخترع کل یوم مسئالۃ فان توسع الرواۃ معلوم" یہ کوئی طریقہ نہیں کہ تعامل کا لحاظ کئے بغیر صرف کسی نئے لفظ پر دین کی بنیاد رکھ دی جائے اور جو شخص یہ حرکت کرتا ہے اس کے قدم کسی ایک مقام پر نہیں ٹکتے۔ ہر روز ایک نیا مسئلہ گھڑ لیتا ہے۔ کیوں کہ روایات کی وسعت ظاہر ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۲۳۶)

یعنی دین کی بنیاد لفظ پر نہیں رکھی جاتی بلکہ تعامل امت کو دیکھنا چاہئے جب پوری امت کے علماء نسمہ کا صحیح مفہوم روح یا روح مع الجسم بیان کرتے ہیں تو ایک قول وہ بھی ادھورا کہ نسمہ بمعنی نسمہ مذہب کی بنیاد بن جائے اور نیلوی صاحب پھولے نہ سمائیں تو اس کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔

(ندائے حق ص ۱۵) اور (شفاء الصدور ص ۱۰۳) پر فرضی سلف فرضی جمہور اور فرضی اکابر کی جو رٹ لگائی گئی ہے تو فرضی گروہ سے تورپشتی کیسے بچ گئے۔ کیا توحیدی مذہب کا اصول یہ ہے کہ جس عالم کی بات اپنے حق میں مل جائے۔ خواہ وہ دور از کار تاویل سے ہی اپنے حق میں بنالی جائے وہ عالم اصلی اور علماء صلحاء کے گروہ کے گروہ جس بات کے قائل ہوں۔ مگر توحیدیوں کے نظریہ کے مخالف وہ علماء صلحاء اکابر سب فرضی ٹھہریں۔ لطف یہ اسی علامہ تورپشتی کا قول جب حیات انبیاء کے متعلق پیش کیا گیا تو وہ مردود ٹھہرا۔ آخر کیوں؟ اصل بات تو نسمہ کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے فیصلہ طلب ہے۔ (ندائے حق ص ۴۰) پر نسمہ کے متعلق آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ جسم مع الروح تھا۔

عاقل بالغ تھا مرد و عورت تھا، عالم ذر میں قیام پذیر تھا، وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوا۔
دوسرا عقیدہ جسم عنصری میں دو قسم کے اجزاء میں اصلی اور زائد، جزو اصلی نسمہ ہے۔

یہ دو عقیدے سلف خلف مسلمان علماء میں سے کسی ایک کے ثابت کر دیں۔ علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر روح سے کیوں نہ کی؟ اس کی وجہ ظاہر ہے جب نسمہ عام ہے، روح اور بدن کو تو روح سے تخصیص کیوں کی جاتی اور جب ساری امت کے علماء جانتے ہیں کہ نسمہ سے روح یا روح مع الجسم ہی مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نسمہ کا لفظ ہی استعمال کیا۔ اس پر بغلیں بجانے سے کیا حاصل؟

نیلوی صاحب نے روح اور نسمہ کو متغائر ثابت کرنے کے لئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ صرف روح کا یہ کام نہیں کہ کھائے پیے جب تک جسم مثالی یا جسم عنصری سے متصل نہ ہو جائے اور نسمہ تو کھاتا پیتا ہے۔ لہٰذا نسمہ لازماً روح سے غیر ہے۔ مگر دوسرے مقام پر (ص ۹۷) لکھا ہے کہ روح خود کھاتا پیتا ہے۔ اصل بات جو نیلوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی یہ ہے کہ روح کی نسبت جب ذات باری کی طرف ہوتی ہے تو اسے روح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب بدن سے مالوف ہو جاتا ہے، کسب اکتساب کرتا ہے تو نفس سے موسوم ہوتا ہے اور برزخ اور جنت میں جب کھانے پینے کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے تو نسمہ سے موسوم ہو جاتا ہے۔ چیز واحد ہے۔ روح خود مجسم ہے انسانی بدن کی شکل پر ہوتا ہے، کھاتا پیتا ہے۔

حدیثوں میں اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں:

۱...... ''انما نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجرة الجنة، قال الباجی وقال ابی الجوهری ان النسمة الروح والنفس والبدن'' مومن کا نسمہ (روح) ایک پرندے کی صورت میں جنت کے درختوں میں معلق ہوں گے۔ علامہ باجی کہتے ہیں کہ نسمہ، روح نفس اور بدن ہے۔ (موطا امام مالک ص ۸۴، تنویر الحوالک شرح موطا مالک)

۲...... ''اخرج الحاکم من حدیث ابی هریرة النسمة الروح'' حاکم نے ابو ہریرہ ؓ سے بیان کیا ہے کہ نسمہ روح ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۳۵)

۳...... ''عن مالک بن الحویرث قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اراد اللہ عزوجل ان یخلق النسمة فجامع الرجل المرأة طار ماءه فی عروق وعصب منها ثم قرأ فی ای صورة ما شاء رکبک وفی النهایة النسمة والروح والنفس وکل دابة فیها روح وفی القاموس النسم محرکة نفس الروح'' مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نسمہ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو مرد عورت سے جماع کرتا ہے تو مرد کی منی اس عورت کی رگوں اور پٹھوں میں چلی جاتی ہے اور آپ نے قرآن مجید کی آیت ''فی ای صورة ما شاء رکبک'' تلاوت فرمائی اور لغت کی کتاب نہایہ میں ہے نسمہ سے مراد روح ہے۔ اسی طرح اس سے مراد نفس اور بدن انسانی ہے اور ہر جاندار کے لئے جس میں روح ہے اور قاموس میں ہے کہ نسمہ نفس و روح کا محرک ہے۔ (المعجم الطبرانی ج ۱ ص ۴)

۴...... ''کل نسمة ای ذی روح وقیل کل نفس'' مرقاۃ میں ہے کہ نسمہ سے مراد ہر ذی روح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نفس ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۸۸)

۵...... ''قال رسول اللہ ﷺ انها لیست نسمة تولد الا ولدت علی الفطرة فما تزال علیها حتی یبین عنها لسانها فابواها یهودانه او ینصرانه'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نسمہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ

اسی فطرت پر رہتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اچھی طرح بولنے لگتا ہے تو اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۱)

احادیث رسول ﷺ سے واضح ہو گیا کہ نسمہ وہ چیز ہے جو مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہو اور مرد کے نطفہ سے پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے انسان کہتے ہیں اور وہ روح اور جسم سے مرکب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نسمہ روح سے غیر ہے حدیث کے خلاف ہے۔

تصدیقات علماء محدثین

یہ بیان ہو چکا ہے کہ نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم کے لئے بولا جاتا ہے اور نیلوی صاحب نے اس کے برعکس یہ دعویٰ کیا ہے کہ نسمہ روح سے مغائر ہے۔ علمائے کرام نے اس سلسلہ میں جو فیصلہ کن باتیں کی ہیں چند ایک بیان کی جاتی ہیں:

۱...... (فتح الباری ج ۱ ص ۳۱۴) شب معراج کی تفصیل کے سلسلے میں فرمایا: "قال جبرئیل انه آدم و هذا سورة عن یمینه و شماله نسم بنیه النسم بالنون و المهملة المفتوحة جمع نسمة و هی الروح" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ دائیں بائیں ان کے نسم (اولاد) ہیں اور نسم نسمہ کی جمع ہے اور وہ روح ہے۔

۲...... (نسائی ج ۱ ص ۲۹۲) "انما نسمة المؤمن هی بفتحتین الروح قال القرطبی نسمة المؤمن ای روح المؤمن" "نسمہ مومن سے مراد روح ہے اور قرطبی نے کہا کہ نسمہ مومن سے مراد مومن کی روح ہے۔

۳...... (الکشف عن مہمات التصوف ص ۵۲): روح کا نام حدیثوں میں نفس اور نسمہ بھی آیا ہے۔

۴...... (کتاب الروح ص ۶۷) "واما قوله نسمة المؤمن فالنسمة ههنا الروح یدل علیه ذالک الحدیث کما قال حتی یرجعه الله الی جسده یوم یبعثه" اور نسمۃ المومن سے مراد روح ہے اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "جب اللہ تعالیٰ اس روح کو قیامت کے دن اس کے جسم میں لوٹائے گا۔"

۵...... (شرح عقیدہ السفارینی ج ۲ ص ۵۹) "والنسم بالنون و السین المهملة المفتوحتین" اور نسم "لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد روح ہے۔ جمع نسمة و هی الروح۔

ان احادیث، شروح اور علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ نسمہ سے مراد روح ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ جو عالم ذر میں قیام پذیر ہے اور وہاں سے منتقل ہو کر بدن انسانی میں آتی ہے۔

۶...... (کتاب الروح ص ۱۷۱) "و اصل هذه اللفظ اعنی النسمة الانسان بعینه وان قلیل للروح نسمة و الله اعلم لان حیاة الانسان بروحه فاذا فارقه عدم و صار کالمعدوم و الدلیل علی ان النسمة الانسان قوله ﷺ والذی خلق الحبة و برأ النسمة و قال خلیل بن احمد النسمة الانسان قال و النسمة الروح و قال الخطابی و غیره هی النسمة نفس الانسان" دراصل لفظ نسمہ سے بعینہٖ انسان مراد ہوتا ہے اور اس کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی زندگی کا مدار روح پر ہے۔ جب وہ اس سے جدا ہوتی ہے تو بدن کو حکمِ عدم کر دیتی ہے اور اس کی دلیل کہ نسمہ سے مراد انسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا اور خلیل بن احمد کا قول ہے نسمہ سے مراد انسان ہے اور یہ بھی کہا کہ نسمہ روح کو بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ خطابی وغیرہ کا قول ہے کہ لفظ نسمہ کا اطلاق نفس انسان پر ہوتا ہے۔

۷...... اور نووی شرح مسلم میں ہے "النسمة تطلق على ذات الانسان جسما وروحا وعلى الروح مفردة" نسمہ کا اطلاق انسان کی ذات پر باعتبار جسم مع الروح کے ہوتا ہے اور مجرد روح پر بھی ہوتا ہے۔ (ج ا ص ۹۵)
معلوم ہوا کہ نسم، حیوان اور انسان کے سانس لینے پر بھی بولا جاتا ہے اور نسمہ انسان یا روح پر بولا جاتا ہے۔

لفظ نسمہ اور علمائے لغت

لسان العرب میں لفظ نسم کی تشریح یوں کی گئی ہے: "نسم والنسم والنسمة نفس الروح وما بها نسمة اى نفس يقال ما بها ذو نسم اى ذى روح نسم جمع نسمه وهو النفس النسمة فى الحديث بالتحريك هو النفس قال خالد النسمة النفس والروح وكل دابة فى جوفها روح فهى نسمة وفى حديث على والذى فلق الحبة وبرأ النسمة اى خلق ذات الروح قال بعضهم النسمة الخلق يقال للصغير والكبير والدواب وغيرها وكل من كان فى جوفها روح" نسم و النسم اور نسمہ سے مراد روح ہے اور جس میں سانس ہے اور ذی نسم کے معنی ذی روح ہے۔ نسم لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد نفس ہے خالد نے کہا نسمہ نفس روح ہے اور ہر چلنے والی چیز کو بھی نسمہ کہا جاتا ہے یعنی جس میں روح ہے اور ہر جاندار جس میں روح ہے اس پر بھی نسمہ کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث حضرت علی ؓ میں ہے قسم ہے اس خدا کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا یعنی روح والی چیز کو پیدا کیا۔ بعض کا قول ہے کہ نسمہ کا اطلاق ہر چھوٹی بڑی مخلوق اور چوپائے وغیرہ پر ہوتا ہے اور ہر اس چیز پر جس میں روح ہے۔ (ص ۵۷۳)

اور المنجد میں ہے "النسم نفس الروح النسمة نفس الروح الانسان او كل دابة فيها الروح" نسمہ نفس روح ہے اور نسمہ روح اور انسان کو بھی کہا جاتا ہے اور ہر جاندار جس میں روح ہو اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

نسمہ اور مفسرین

۱...... "نسمة بفتحتين اى ذى روح من التنسم وهو التنفس" نسمہ (دو زبروں کے ساتھ) سے مراد ذی روح ہے۔ یہ لفظ تنسم سے ہے اور اس سے مراد تنفس ہے۔ (تفسیر جمل ج ۳ ص ۵۰۱)

۲...... "قال تعالى ما ترك على ظهرها من دابة اى نسمة تدب عليها" اس آیت میں دابہ سے مراد نسمہ ہے اور نسمہ کے معنی ہیں جو زمین پر چلتا ہے یعنی انسان۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۶۶)

۳...... "ما ترك على ظاهرها من دابة اى نسمة تدب عليها يريد بنى آدم" اس آیت میں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے اور اس سے مراد بنی آدم ہیں۔ (کشاف)

۴...... "ما ترك على ظهرها من دابة اى نسمة تدب عليها" یہاں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے۔ یعنی انسان۔ (جلالین)

مفسرین نے وضاحت کر دی کہ نسمہ ہر جاندار چیز پر بولا جاتا ہے، خواہ انسان ہو خواہ حیوان پرندے ہوں یا حشرات الارض مگر اس کے برعکس نیلوی صاحب اسے عالم ذر کی مخلوق بتاتے ہیں اور لطف یہ کہ عالم ذر کا ثبوت ندارد۔ شیخ انور فرماتے ہیں: "اما عالم الذر عالم النسمة فقد ورد به الحديث ايضاً لكنا لا ندرى هل عالم برأسه ام لا" جہاں تک عالم ذر اور عالم نسمہ کا تعلق ہے یہ حدیث میں آیا ہے۔ مگر ہم نہیں جانتے یہ کوئی مستقل عالم ہے یا نہیں۔

شیخ انور جیسا محقق تو عالم ذر کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرے اور ندوی جیسا مدقق عالم ذر کو ایک مستقل عالم قرار دے کر نسمہ کو اس کی مخلوق بتاتا پھرے پہلے عالم ذر کا ثبوت تو پیش کریں۔

عالم ذر کی "ایجاد" اور اس کا ماخذ

قرآن میں عہد الست کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم" (اعراف: ۱۷۲) اس آیت کے مفہوم سے غلط نتیجہ اخذ کر کے نسمہ کے سلسلے میں عالم ذر ایجاد کر ڈالا گیا اس لئے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ حضرت آدم کی اولاد جو قیامت تک ان کی پشت یا ان کی اولاد کی پشت سے ظاہر ہونے والی تھی اس سے یہ عہد لیا گیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا میں آنے سے پہلے کائنات کی ہر شے کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ انور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قال النبی ﷺ وانت فی صلب آدم فیه دلیل علی انه کانت للذریة صورة وهی فی صلب آدم اما الفلسفی فانه یحمله علی کون مادتها فی صلبه" اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان "اور جب تم صلب آدم میں تھے اس پر دال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی اس وقت بھی کوئی صورت تھی جب وہ صلب آدم میں تھی۔ لیکن فلاسفہ اس کا اطلاق اس مادہ پر کرتے ہیں جو ان کی پشت میں تھا۔ (فیض الباری مع بخاری ج ۴ ص ۱۸)

اس وجود کا ثبوت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ثم اعلم ما یرونه الاولیاء من الاشیاء قبل وجودها فی العالم لها ایضاً نحو من الوجود کما ان ابایزید بسطامی لما مر من جانب مدرسة وهبت ریح قال انی اجد منها عبد من عباد اللہ فنشاء منه الشیخ ابو الحسن خرقانی وکما قال النبی ﷺ انی اجد نفس الرحمن من الیمن فنشاء منه الاویس القرنی فهذا ایضاً نحو من الوجود" پھر یہ بات خوب سمجھ لو کہ اولیاء اللہ جن چیزوں کو وجود میں آنے سے پہلے دیکھ لیتے ہیں ان کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جب ایک مدرسہ کے پاس سے گزرے ہوا کا جھونکا آیا آپ نے فرمایا مجھے یہاں سے اللہ کے بندے کی خوشبو آرہی ہے تو وہاں شیخ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے اور جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری تعالیٰ دیکھتا ہوں اور یہاں خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۲)

اسی طرح (بخاری ج ۳ ص ۳۴۴ و ۳۴۷) میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں فتنوں کو مدینہ کی دیواروں کے قریب پاتا ہوں۔ حالاں کہ وہ فتنے تو مدت مدید کے بعد اٹھے اور سامنے آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان فتنوں کا ایک قسم کا وجود پہلے موجود تھا گو مستقل وجود نہ تھا۔ اسی طرح اولاد آدم کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں تھا جس کو سامنے لا کر عہد لیا گیا۔ یہ مستقل وجود نہیں تھا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خواب میں کسی چیز کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیز دیدنی ہوتی ہیں بودنی نہیں ہوتی۔ ان کے لئے نہ کوئی مکان ہوتا ہے نہ وہ کہیں مکین ہوتی ہیں۔ عارضی طور پر سامنے آئیں پھر غائب ہو گئیں۔

عقیدۃ السفارینی میں اس سلسلے میں بیان کیا گیا ہے: "انما یدل علی انه سبحانه تعالی اخرجها

وخاطبھا ثم ردھا الی صلبہ ای آدم'' یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا ان سے خطاب فرمایا۔ پھر اس کی (یعنی آدم علیہ السلام) کی صلب میں لوٹا دیا۔ (ج ۲ ص ۴۸)

پھر فرماتے ہیں: ''اسعخرج ذریۃ آدم من صلبہ ثم اخذ المیثاق علیھم وردھم فی صلبہ'' حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے اس کی ذریت کو نکالا پھر اس سے عہد لیا اور پھر اس کو صلب میں لوٹا دیا۔ (ج ۲ ص ۴۷)

اور کتاب الروح میں ان کی پیدائش اور مستقر کے متعلق بیان ہوا ہے: ''اسعخرج تلک الصور من مادتھا ثم اعادھا الیھا'' ان صورتوں کو ان کے مادہ سے نکالا پھر اسی میں ان کو لوٹا دیا۔ (ص ۱۹۵)

پھر فرمایا: ''قال اخرجوا من صلب آدم حین اخذ المیثاق منھم ثم ردوا فی صلبہ'' فرمایا عہد لیتے وقت صلب آدم سے نکالے گئے۔ پھر اسی میں لوٹا دیئے گئے۔ (ص ۱۹۷)

پھر فرمایا: ''قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ مسح ظھر آدم فخرج منہ ذریتہ واخذ المیثاق علیھم ثم ردھم فی ظھرہ'' حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ کو چھوا تو اس سے ان کی اولاد باہر نکلی پھر اس کو ان کی پشت میں لوٹا دیا۔ (ص ۲۰۸)

پھر فرمایا: ''وانما غایتھا ان تدل علی اخراج صورھم امثالھم فی صور الذر واستنطاقھم ثم ردھم الی اصلھم'' اس سے مراد یہ ہے کہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کی صورتیں اور مثالیں ذر کی صورت میں نکالی گئی اور گفتگو کرانے پھر ان کو اپنے اصل پر لوٹا دینے پر۔ (ص ۲۱۱)

معلوم ہوا کہ ذریۃ آدم پشت آدم سے نکالی گئی۔ اخذ عہد کے بعد پھر صلب آدم میں لوٹا دی گئی۔ نہ وہ عالم ذر سے نکالی گئی نہ اس عالم میں لوٹائی گئی، نہ کسی عالم ذر کا کوئی وجود ہے۔ لفظ رد یعنی لوٹانا خود ظاہر کرتا ہے جہاں سے استخراج کا عمل ہوا وہیں رد کا عمل بھی ہوا۔ پھر رب العالمین نے جس طرح تقدیر علمی میں ان کی ترتیب رکھی اسی وقت اور اسی ترتیب کے مطابق خارج میں ان کا وجود ظاہر ہوتا رہا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

''نعم الرب سبحانہ یخلق منہ جملۃ بعد جملۃ علی الوجہ الذی سبق بہ القدر او لا فیجیء الخلق الخارجی مطابق لتقدیر السابق کشانہ تعالٰی فی جمیع مخلوقاتہ فانہ قدر لھا اقدارا وآجالا وصفات وھیئات ثم ابرزھا الی الوجود مطابقۃ لذالک التقدیر الذی قدرہ لھا لاتزید ولا تنقص منہ'' ہاں اللہ تعالیٰ مخلوق کو جملہ بعد جملہ اس طریقہ پر پیدا کرتا ہے جس پر تقدیر الٰہی گزر چکی ہے۔ پس مخلوق دنیا میں اس طریقہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جو رب العالمین نے اپنے علم ازلی میں مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے علم ازلی میں مخلوق کا وجود مقرر کرتا ہے اس وقت زندگی اور صفات وہیات مقرر کرتا ہے پھر اس تقدیر علمی کے مطابق مخلوق کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے۔ اس تقدیر یعنی انداز میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (کتاب الروح ص ۱۹۸)

یعنی حضرت آدم کی پشت سے جو اولاد نکالی گئی۔ اس وقت ان کا وجود تقدیری تھا حقیقی نہیں تھا۔ ان کی پیدائش، حیات، موت کا وقت ان کا رزق سب چیزیں تقدیری تھیں۔ ان کی پیدائش مقررہ وقت پر ہوئی اور تقدیر ازلی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کی۔ اخذ عہد کے وقت یہ پیدائش عارضی اور وقتی تھی ان کا بولنا سننا جواب دینا سب ان کے وجود کے مناسبت سے تھا۔ جو رب قادر چیونٹیوں سے کلام کرانے پر قادر ہے اس نے ان سے بھی کلام کرالی۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: "جاز ان یکون اللہ سبحانہ جعل امثال الذر الذی اخرجھا فھما تعلق بہ کما قال تعالیٰ قالت نملۃ یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم وقد سخر مع داؤد الجبال تسبح معہ والطیر" یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیونٹی جیسی مخلوق کو پشت آدم سے نکالا تھا اسے سمجھ دے دی ہو جیسا کہ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کی اور پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے۔ (کتاب الروح ص ۲۰۱)

علامہ سیوطی نے اس سلسلے میں اس سرچشمہ کی نشاندہی بھی کر دی۔ جہاں سے یہ فتنہ پھوٹا۔

"وزعم ابن حزم ان اللہ خلق الارواح جملۃ قبل الاجساد وجعلھا فی برزخ وذالک البرزخ عند منقطع العناصر بحیث لا ماء ولا ھواء ولا تراب ولا نار وانہ خلق اللہ الاجساد ادخل فیھا تلک الارواح ثم یعیدھا عند قبضھا الی ذالک البرزخ وھذا القول لم یقلہ احد من المسلمین ولا ھو من جنس کلامھم انما ھو من جنس کلام الفلاسفۃ" ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو جسموں سے پہلے اکٹھا پیدا کیا ہے اور ان کو ایک برزخ میں رکھا ہے جس میں نہ پانی ہے نہ آگ نہ ہوا نہ مٹی اور جب اللہ تعالیٰ جسموں کو پیدا کرتا ہے تو ان میں ان روحوں کو داخل کر دیتا ہے اور موت کے وقت پھر اسی برزخ میں لوٹا دیتا ہے اور یہ وہ قول ہے جو کسی مسلمان کی زبان و قلم سے نہیں نکلا۔ یہ تو محض فلاسفہ کے خرافات میں سے ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۰۶)

نیلوی صاحب نے نسمہ کے متعلق جو لکھا ہے کہ جسم مع الروح ہے صورت مرد عاقل بالغ ذی فہم تھا۔ عالم ذر میں قیام پذیر وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوتا ہے اور نسمہ ہی جسم کا جزو اصلی ہے۔ یہ وہی بات ہے جو نظام نے کہی اور یہ وہی عقیدہ ہے جو خارجی نظامی بکری، معمری صالحی اور کرامی فرقوں کا ہے اور بقول علامہ سیوطی کسی ایک مسلمان کی زبان سے آج تک یہ بات نہیں نکلی۔ ہاں فلاسفہ کا یہی مذہب ہے جنہیں دین اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۱۰) میں امام رازی نے تصریح کر دی ہے کہ "انسان" مکمل ہوا جسم عنصری سے جب اس میں استعداد پیدا ہوئی تو ماں کے رحم میں اس بدن میں روح پھونکی گئی۔ احادیث میں بھی یہی ترتیب مذکور ہے۔ نیلوی صاحب یہ بتائیں کہ نسمہ کس وقت جسد عنصری میں داخل ہوتا ہے؟ ماں کے رحم میں یا پیدائش کے بعد؟ اور اس کا ثبوت بحوالہ کتب دیں۔ دوسری بات کہ جب جسم عنصری کی اصل جزو عاقل بالغ ہے تو دار التکلیف میں داخل ہوتے ہی اس کو مکلف ہو جانا چاہئے۔ پندرہ بیس سال عمر گزارنے کے بعد مکلف ہونا کیا معنی۔ یہ اتنی لمبی چھٹی کس لئے؟

اخذ عہد کی تفصیل

اس سلسلے میں دو مذاہب پائے گئے ہیں۔ روح بدن سے پہلے پیدا ہوئی یا بعد۔ اس میں پھر دو مذہب ہیں:

اوّل: روح، بدن سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ مذہب ابن حزم ظاہری اسحاق بن راہویہ اور محمد بن نصر مروزی کا ہے۔ یہ تین حضرات کہتے ہیں کہ روح، بدن سے پہلے پیدا ہوئے انہیں برزخ میں رکھا گیا۔ علامہ سیوطی نے جس انداز میں اس قول کی تردید کی ہے ابھی گزر چکی ہے۔

دوم: روحوں کی پیدائش بدن کے بعد ہوئی۔ یہ جمہور علمائے اسلام کا قول ہے۔ اخذ عہد کے لئے روحوں کو علم تقدیری میں پیدا کیا گیا جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں دی جا چکی ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ انسانوں کو پیدا کر کے عاقل بالغ ہونے کے بعد ان کی طرف انبیاء بھیجے گئے۔

انہوں نے قانون الٰہی کے دلائل پیش کئے۔ پھر ان سے اقرار لیا گیا نہ کہ قبل از پیدائش اور علم تقدیری میں اخذ عہد لیا گیا جیسا کہ گروہ اول کا قول ہے۔ مگر ان دونوں میں کوئی بھی نیلوی صاحب کے نسمہ کا قائل نہیں ہے۔

مولانا حسین علی صاحب نے (بلغۃ الحیران ص ۱۴۲) میں بھی دوسرا مذہب اختیار کیا ہے کہ بعد بلوغت دلائل پیش کئے۔ مگر یہ طرفہ عقیدہ جو نیلوی صاحب نے پیش کیا ہے مسلمانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ نسمہ عاقل بالغ ذی علم ذی فہم تھا۔ جسم عنصری میں آیا۔ مگر قرآن مجید کہتا ہے:

''ھو الذی اخرجکم من بطون امھٰتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون'' (النحل: ۷۸) دونوں باتوں میں واضح تضاد معلوم ہوتا ہے۔ کون کہے کہ اللہ کی بات چھوڑ دو اور نیلوی صاحب کی بات پلے باندھو۔

پھر ''شیخ القرآن صاحب'' نے جواہر القرآن میں اخذ عہد کے بارے میں لکھا ہے کہ ارواح سے عہد لیا گیا تھا اور نیلوی صاحب کہتے ہیں کہ نسمہ سے لیا گیا اور ساتھ ہی نسمہ اور روح کو جدا جدا چیزیں بیان کرتے ہیں۔ استاد شاگرد میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

تحقیق عہد الست

اس سلسلے میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اخذ عہد کے لئے تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱...... جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں موجود ہوں جیسے بدن انسانی وغیرہ۔

۲...... جواہر جن میں مادہ نہیں کمیت ہے جیسا صوفیہ کے نزدیک اجسام مثالیہ۔

۳...... جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہیں جیسے صوفیہ کے نزدیک ارواح اور حکما کے ہاں جوہر مجردہ روح جوہر ہے۔ جوہر وہ ہے جو قائم بالذات ہو، وار دنیا میں روح کو مادی بدن اس لئے دیا گیا کہ مادی چیزوں کو دیکھنے سننے سنانے وغیرہ کے لئے مادی آلات کی ضرورت تھی۔ وار دنیا خود مادی چیز ہے۔

عالم برزخ مادی نہیں لطیف ہے اس کی سب چیزیں بھی لطیف ہیں۔ اگر روح کو برزخ میں بھی جسم مثالی کا محتاج بنایا جائے تو جوہر نہ رہے گا۔ بلکہ اسے عرض تسلیم کرنا پڑے گا۔

لطیف چیزوں کو سنانے سمجھانے کے لئے روح کسی جسم کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ جمہور اہل الشرع جسے روح کہتے ہیں۔ اسی کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں۔ جب صوفیہ کہتے ہیں کہ برزخ میں جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ اہل الشرع کے ہاں روح کو عذاب ہوتا ہے اور روح خود جسم عنصری کی شکل جسم رکھتا ہے وہی ناک نقشہ وہی قد و قامت تو صوفیہ کا یہ کہنا کہ جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ روح کو عذاب ہوتا ہے۔ جس کا جسم شکل جسم عنصری کے ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جسم مثالی کوئی الگ قسم کا جسم ہے۔

شیخ الور فرماتے ہیں: ''اما عند علماء الشرع فلیس ھناک الا عالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد یخطر بالبال ان ما سماہ الصوفیۃ عالم المثال ھو الذی سماہ اھل الشرع عالم الارواح لانھم عدوا الملائکۃ والنفوس من عالم المثال وھی بعینھا معدودۃ عند علماء الشرع فی عالم الارواح فلم یبق فرق الا فی التسمیۃ اما ما سماہ الصوفیۃ الارواح المجردۃ فلم یبحث عنھا العلماء'' علمائے شرع کے نزدیک عالم دو ہیں ایک عالم ارواح ایک عالم جسمانی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ صوفیہ نے جسے عالم مثال کہا ہے وہی ہے جسے

علمائے شرع نے عالم ارواح کہا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے ملائکہ جن اور نفوس کا عالم مثال میں شمار کیا ہے اور علمائے شرع کے ہاں بعینہ یہی چیزیں عالم ارواح میں شمار ہوتی ہیں اس لئے یہ فرق صرف نام کا فرق ہوا اور جس کو صوفیہ نے ارواح مجردہ کہا ہے۔ علمائے شرع نے اس پر کوئی بحث نہیں کی۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۶۵، اور عرف شذی ص ۹)

پھر اسی کے (ص ۶۶) پر فرماتے ہیں: "ثم عالم المثال لیس اسما للحیز کما یتوھم بل ھو اسم للنوع من الموجودات وعالم المثال وھی التی لا مادة فیھا مع بقاء الکم والمقدار کالشبح المرئی فی المرآة" اور عالم مثال کسی مقام یا مکان کا نام نہیں۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ وہ موجودات کی ایک قسم کا نام ہے۔ عالم مثال میں مادہ نہیں۔ البتہ کیت ہے اور مقدار بھی جیسا آئینے میں چیز کا عکس نظر آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ محقق بات یہ ہے کہ صوفیہ جو عالم مثال کے قائل ہوئے انہیں یہ بات کشف سے معلوم ہوئی۔ مگر وہی عالم مثال علمائے شرع کے ہاں عالم ارواح کہلاتا ہے۔ کوئی الگ شے نہیں یہ محض نام کا اختلاف ہے ذات میں نہیں۔ ذات ایک ہے۔ اسی کو صوفیہ نے عالم مثال کہا اور علمائے شرع نے عالم ارواح کہا۔ نیلوی صاحب کا عالم ذر محض ایجاد بندہ قسم کی شے ہے۔ ہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ اسی چیز کو کوئی تیسرا نام دے کر عالم ذر کہہ دے۔ مگر اس نئے نام کی وجہ سے وہ کوئی دوسری چیز نہیں بن جائے گی۔ لہٰذا نیلوی صاحب کے فرضی نسمہ اور فرضی عالم ذر کا شریعت محمدیؐ میں کوئی وجود نہیں اور نیلوی صاحب نے تسکین الصدور میں پیش کردہ اسلامی عقیدہ کے برعکس اپنا باطل اور من گھڑت عقیدہ پیش کر دیا۔ مگر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ جب ان کا اختراعی نسمہ باطل ہوا تو اس کا بدن انسانی کا جزو اصلی ہونا، برزخ میں اس سے سوال وجواب ہونا، اس کی طرف اعادہ روح کا ہونا سب باطل ٹھہرے۔ جب یہ باطل ٹھہرا کہ نسمہ جزو اصلی ہے۔ بدن انسانی کا تو نسمہ کی طرف اعادہ روح کا عقیدہ لازماً باطل ٹھہرا...... اب بدن انسانی ہی باقی رہا۔ سو اعادہ روح اسی بدن انسانی کی طرف ہوتا ہے اور یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔

نیلوی صاحب نے ندائے حق کے (ص ۱۷۲) پر اپنے عقیدے یعنی اعادہ روح جسم مثالی کی طرف ہوتا ہے کی تائید میں جو نام گنائے ہیں۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی مثال اہل علم کے ہاں تو کیا بازاری لوگوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ اگر ان میں صداقت کا شائبہ بھی ہے تو ان بزرگوں میں سے صرف چار کا قول مع حوالہ کتاب بقید صفحہ وعبارت پیش کریں اور ان الفاظ میں کسی ایک بزرگ کا قول پیش کریں کہ "النسمة جزو اصلی لجسم الانسان وھی المسماة بالانسان وھی مرکبة من جسم وروح وھی عاقلة بالغة ومنھا تسأل فی البرزخ وھی تعقد فی القبر وغیر"

مگر آپ یہ جرأت کیوں کر کریں گے؟ جب آپ تمام مذہبی کتب بخاری مسلم سمیت کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں تو معتبر کتب آپ لائیں گے کہاں سے جب آپ کہہ چکے ہیں کہ سلف صالحین اکابر جمہور علما سب فرضی اور مصنوعی ہیں تو آپ اصلی نئے وڈے اکابرین کہاں سے ڈھونڈ لائیں گے۔ آخر میں نیلوی بندیالوی اور ان کے ہم نوا "توحیدی" حضرات کے چند مخصوص عقائد اور ان کے ماخذ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ مسلمان ان کی حقیقی حیثیت سے آگاہ ہو جائیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔

توحیدی عقائد

۱...... اسلام کی بنیاد پانچ اصولوں پر ہے۔ مگر ان کے نزدیک چھٹا اصول بھی ہے اور حقیقتاً وہی ایک اصول ہے

جو اسلام اور غیر اسلام میں ما بہ الامتیاز ہے۔ وہ اصول یہ ہے جو آدمی توحیدی جماعت میں داخل ہو وہی مسلمان ہے ورنہ وہ کتنا فاضل متقی ولی اللہ ہی کیوں نہ ہو مشرک ہے اور اسی وجہ سے یہ لوگ علمائے دیوبند کو اپنی تقاریر میں برملا مشرک کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ انہوں نے بکر بن اخت عبدالواحد سے لیا۔ ''انہ شک فی جمیع عامۃ المسلمین وقال لا ادری لعل سر ائر العامۃ کلہا شرک و کفر''

۲...... قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ خارجیوں کا طریقہ ہے جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد ہے ''ھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی ایات اللہ نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین''

۳...... ''شیخ القرآن'' صاحب کا عقیدہ ہے کہ حیوانوں کی حشر نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کئی آیتوں اور احادیث کے خلاف ہے۔ بالخصوص، باب الزکوۃ میں اس کی تفصیل ملتی ہے کہ جن جانوروں کی زکوۃ نہیں دی گئی۔ میدان قیامت میں وہ جانوران کو سینگوں سے ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے۔ گویا شیخ القرآن قیامت کا جزوی انکار کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ فرقہ ثمامیہ سے لیا گیا ہے جو ثمام بن اشرس نمیری کے تابع ہیں۔ یہ شخص ۲۱۳ھ میں خلیفہ مامون معتصم اور واثق کے زمانہ میں ہوا تھا۔

۴...... نسمہ کے متعلق جو عقیدہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے یہ دنیا میں کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں رہا۔

۵...... ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بدن یہ گوشت پوست ہڈی خون چمڑا وغیرہ جو جسم نظر آتا ہے یہ انسان نہیں بلکہ پوشیدہ چیز ہے۔ جو جزو لا یتجزیٰ ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ یہ عقیدہ نظام ظاہری، معمر، بکر بن اخت عبدالواحد کا تھا۔ انہوں نے یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ، معمریہ، بکریہ سے لیا ہے جو باطل فرقے تھے۔

۶...... ان کا عقیدہ ہے کہ تواتر کوئی چیز نہیں کوئی حدیث رسول متواتر نہیں، جیسا (شفاء الصدور ص ۱۰۳) پر موجود ہے۔ یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ سے لیا ہے۔ ''وکان النظام دافعا لحجۃ التواتر (الفرق بین الفرق ص ۱۴۳)'' نظام نے تواتر کے حجت ہونے کی مخالفت کی۔

۷...... یہ لوگ اجماع امت کے منکر ہیں جیسا کہ (ندائے حق ص ۱۵) پر موجود ہے کہ سلف فرضی، ان کا دین فرضی، جمہور فرضی، یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا۔ ''وکان النظام دافعا لحجۃ الاجماع'' نظام نے اجماع کے حجت ہونے کی مخالفت کی ہے۔

۸...... ان کا عقیدہ ہے کہ آثار صحابہ و اقوال صحابہ قابل حجت نہیں۔ (ندائے حق ص ۱۹)

یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا ہے ''وطعن النظام فی اخبار الصحابۃ والتابعین من اجل فتاویلھم بالاجتھاد'' نظام نے اقوال صحابہ اور تابعین پر طعن کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ان کے اجتہادی فتوے ہیں۔ (ص ۱۴۷)

۹...... ان کا عقیدہ ہے کہ جس گڑھے میں میت کو دفن کیا جاتا ہے یہ قبر نہیں۔ نہ اس میں سوال وجواب نکیرین ہوتا ہے نہ عذاب وثواب۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کم از کم ۱۰ آیات اور حدیث کے دفتر کے دفتر کی تکذیب ہے۔

۱۰...... ان کا عقیدہ ہے کہ بدن انسانی کو قبر میں عذاب وثواب نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بدن انسان ہی نہیں ہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے یا کفار ہند کا ہے۔

۱۱...... ان کے نزدیک کشف شرک ہے۔ خواہ کشف انبیاء ہو یا اولیاء۔

۱۲...... ان کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب معیارِ حق ہے جو شخص اس سے اختلاف کرے وہ باطل ہے اسی وجہ سے یہ لوگ علامہ شامی کی مذمت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیوں وضاحت کی کہ "شیخ الاسلام" کے عقائد وہی ہیں جو خوارج کے ہیں۔

۱۳...... ان کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم، اولیاء اللہ اور صلحائے امت طاغوت ہیں۔ (معاذ اللہ) اسی طرح ملائکہ بھی طاغوت ہیں جیسا کہ جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان میں بیان کیا گیا ہے۔ ہاں اقامۃ البرہان میں یہ فرق بیان ہوا ہے کہ طاغوت دو قسم ہیں ایک وہ جس میں مادہ طغیان ہو یعنی گمراہی کی دعوت دے۔ دوم وہ جس میں مادہ طغیان نہیں ہوتا جیسا انبیاء، اولیاء اور ملائکہ۔ (اقامۃ البرہان اور ہلفہ ص ۴۳)

اجزائے اصلیہ انسان

نیلوی صاحب نے بتایا ہے کہ جسم کے اجزاء دو قسم کے ہیں۔ ایک اصلی دوسرے زائد۔ پھر یہ فرمایا کہ نسمہ انسان کا جزو اصلی ہے۔ مگر اس پر دلیل کوئی نہیں پیش کی۔ پہلی بات تو درست ہے کہ جسم کے اجزاء دو ہیں۔ مگر اس کی تفصیل جو ادھوری بیان کی وہ بھی غلط ہے۔ اس امر کی وضاحت درکار ہے کہ جزو اصلی کون ہے ان کا مادہ کیا ہے اور زائد کون سا ہے۔ وہ کس مادہ سے پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔ "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ" (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر انسانی پیدائش نطفہ سے ہوئی۔ جو اجزائے انسانی غذا سے پیدا ہوئے وہ اجزائے زائد ہیں۔

نبراس شرح شرح عقائد میں اس کی تفصیل یوں دی گئی ہے:

"اعلم أن لکل بدن الاجزاء الاصلیۃ والفضلیۃ والمراد بالاصلیۃ ما یکون لکل بدن قبل الاکل والشرب والفضلیۃ ما حصلت بالغذاء قال بعضہم الاجزاء الاصلیۃ التی حصلت من نطفۃ الابوین وقال شارح الحاجبیہ اعلم ان المراد بالاعادۃ البدنیۃ انما ھو الاجزاء الاصلیۃ التی ھی حاصلۃ وباقیۃ من اول العمر الی آخرہ والی تلک الاجزاء الاصلیۃ الاشارۃ بقولہ علیہ السلام کل ابن آدم یفنی الا عجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب" (ص ۳۲۳)

خوب سمجھ لو کہ ہر بدن کے اجزاء اصلی اور زائد ہوتے ہیں اصلی سے مراد وہ اجزاء ہیں جو کھانے پینے سے پہلے ہوں اور زائد وہ ہیں جو غذا سے حاصل ہوں۔ بعض کہتے ہیں اجزائے اصلی وہ ہیں جو ماں باپ کے نطفہ سے حاصل ہوں۔ شارح حاجبیہ کہتے ہیں کہ اعادہ بدن سے مراد اجزائے اصلی کا اعادہ ہے۔ جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور حدیث رسول کا اشارہ انہی اجزائے اصلی کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے سوائے عجب الذنب کے۔ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جزو اصلی وہ ہے جو اکل و شرب سے پہلے وجود میں آئی اور ماں باپ کے نطفہ سے وجود میں آئی اور حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جزو اصل عجب الذنب ہے۔ نیلوی صاحب نے صرف "علم" کے زور سے نسمہ کو جزو اصلی قرار دیا ہے۔ دلیل کوئی نہیں پیش کی۔

شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں: "والحق ان الجوھر التی منھا تالیف البدن تنعدم کلھا الا بعضا منھا منصوصا علیہ فی الحدیث الصحیح وھو عجب الذنب فیما رواہ البخاری والمسلم واحمد وابن حبان" حقیقت یہ ہے کہ وہ جوہر جس سے بدن تیار ہوتا ہے وہ سارا معدوم ہو جاتا ہے سوائے اس حصہ کے جس کا ذکر حدیث صحیح میں موجود ہے اور وہ عجب الذنب ہے۔ (مسامرہ ص ۲۱۹)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "یبلی کل شئی من الانسان الاعجب الذنب اخذ بظاھرہ الجمھور فقالو لا یبلی عجب الذنب ولا یاکلہ التراب" عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ جمہور نے اس کے ظاہر سے اخذ کیا اور کہا عجب الذنب بوسیدہ نہیں ہوتی ہے اور نہ اسے مٹی کھاتی ہے۔ (بخاری مع فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۱)

اور حضرت انور شاہ صاحب فرماتے ہیں: "ویبلی کل شئی من الانسان الاعجب الذنبہ دل علی ان بنیۃ الانسان ھی عجب الذنبہ اعنی بھا بنیۃ کبنیۃ البیت فان البیت اوّل ماترفع منہ بنیۃ ثم ترفع العمارۃ منھا فانحل مابحث فی علم الکلام فی تحقیق ماذا یکون منہ الاعادۃ فی المحشر۔" عجب الذنب کے بغیر انسان کے ہر جز کا بوسیدہ ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی بنیاد عجب الذنب ہے یعنی یہ بدن انسانی کی بنیاد ہے جیسے مکان کی بنیاد ہوتی ہے۔ کیوں کہ مکان کی بنیاد پہلے اٹھائی جاتی ہے پھر اس پر عمارت کھڑی کی جاتی ہے اور علم الکلام میں اس بات میں جو بحث کی گئی ہے کہ محشر میں اعادہ کس کی طرف ہوگا۔ وہ مسئلہ حل ہو گیا۔

"ودل علیہ الحدیث انہ عجب الذنب فی الانسان ولذا یبلی منہ کل شئی الاھذا" حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حصہ انسان میں عجب الذنب ہے۔ اس لئے اس عجب الذنب کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۲۳۵)

اور موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں ہے: "عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ قال کل ابن آدم تاکلہ الارض الاعجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب" حضور ﷺ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ اسی سے اس کی پیدائش ہوئی اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "فانہ قاعدۃ البدن کقاعدۃ الجدار فلاتاکلہ الارض لانہ من خلق ای ابتداء خلقہ ومنہ یرکب خلقہ عند قیام الساعۃ" وہ بدن کی بنیاد ہے جیسے دیوار کی بنیاد ہوتی ہے تو اسے مٹی نہیں کھاتی۔ کیوں کہ وہ اسی سے پیدا کیا گیا اس کی پیدائش کی ابتداء اس سے ہوئی اور قیامت کے دن اس کے جسم کی ترکیب بھی اسی سے ہوگی۔ (موطا مع شرح زرقانی ج ۲ ص ۸۴)

اور شرح عقیدہ سفارینی میں ہے "ولیس من الانسان شئی الایبلی الاعظم واحد وھو عجب الذنب منہ یرکب الخلق یوم القیامۃ قالوا ای عظم ھو یا رسول اللہ قال عجب الذنب رواہ مالک وابوداؤد والنسائی باختصار قال کل ابن آدم تاکل الارض الاعجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب وقد روی الامام احمد وابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی سعید قال قال رسول اللہ یاکل التراب کل شئی من الانسان الا عجب الذنب قیل ماھو یارسول اللہ قال مثل حبۃ خردل منہ تنبتون" (عقیدہ السفارینی مع شرح ج ۱ ص ۱۶۵)

ایک ہڈی کے بغیر انسان کے تمام اعضاء بوسیدہ ہو جاتے۔ اس ہڈی کا نام عجب الذنب ہے۔ قیامت کے دن اسی ہڈی سے جسم کی ترکیب ہوگی۔ پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی ہڈی ہے فرمایا۔ عجب الذنب۔ مالک، ابوداؤد اور نسائی نے یہ روایت کی ہے کہا ہے کہ انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ سوائے عجب الذنب کے اسی سے پیدا کیا گیا اسی سے مرکب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ رائی کے دانے کے برابر ہے۔ اسی سے تمہاری پیدائش ہوتی ہے۔

احادیث رسول، شارحین حدیث، علماء متکلمین اور فقہائے کرام کے اقوال سے یہ امر واضح ہو گیا کہ انسان کے اجزائے اصلیہ وہ ہیں جن سے انسان کی ابتداء ہوئی۔ ان میں سے عجب الذنب وہ ہڈی ہے جسے نہ مٹی کھاتی ہے نہ آگ جلا سکتی ہے۔ اسی سے انسان کی ابتداء ہوئی۔ برزخ میں اسی عجب الذنب سے انسان کی ترکیب ہوگی۔ اس حقیقت کا انکار دراصل حدیث رسول کا انکار ہے اور نیلوی صاحب نے اس انکار کی جرأت کر ہی ڈالی اور اپنے ذہن سے ایک بات پیدا کر دی کہ نسمہ جزو اصلی ہے اور اس ایجاد بندہ کے لئے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا تو کیا کوئی مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے کہ حدیث رسول کو پس پشت ڈال کر نیلوی صاحب کا مخترعہ قول قبول کر لے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ مسلمان کہلانے والے بلکہ اسلام کے ٹھیکیدار صرف اسے قبول کرنے کی جرأت نہیں بلکہ اس باطل عقیدہ کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں اور اسے تسلیم نہ کرنے والوں کو مشرک بھی قرار دیتے ہیں: چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد!

نیلوی صاحب کے لئے ایک صورت اختیار کر لینے کی گنجائش موجود ہے کہ وہ اعلان کر دیں کہ یہی عجب الذنب تو ہمارے نزدیک نسمہ ہے۔ ندائے حق میں یہ تفصیل کر دینا لغزش قلم کی وجہ سے رہ گیا۔ مگر نیلوی صاحب نے ایسا جال خود بنا ہے جس میں سے نکل نہیں سکتے۔ اگر یہ بات کہہ بھی دیں تو اپنے اس قول کی تاویل کیا کریں گے کہ نسمہ عاقل بالغ مرد عورت وغیرہ ہے۔ کیا عجب الذنب میں یہ اوصاف ثابت کر سکیں گے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سماع سے انکار کی حقیقت

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سماع سے انکار کی حقیقت ملاحظہ ہو: (مشکوٰۃ ص ۳۴۵) "فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء آبائھم یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان ایسر کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم" پھر حضور ﷺ نے مقتولین بدر کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنا شروع کیا اور فرمایا کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرتے تو ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ حضور ﷺ! آپ بے جان لاشوں سے گفتگو فرما رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۴) "فی روایت حمید عن انس فنادی یا عتبۃ بن ربیعۃ ویا شیبۃ بن ربیعۃ ویا امیۃ بن خلف ویا اباجھل بن ھشام اخرجہ ابن اسحاق واحمد وغیرھما وکذا وقع عند احمد ومسلم من طریق ثابت عن انس فسمی الاربعۃ لیکن قدم واخر وسیاقہ اتم قال فی اولہ ترکھم ثلاثۃ ایاما حتی جیفوا المذکرہ

وفیہ من الزیادۃ فسمع عمر صوتہ فقال یا رسول اللہ اتنادیہم بعد ثلاث وھل یسمعون ویقول تعالٰی انک لا تسمع الموتٰی فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منہم ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا"

حضرت انس ﷛ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے آواز دی اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! اور اے ابوجہل بن ہشام! اس روایت کو ابن اسحاق اور احمد وغیرہ نے اخراج کیا اور طریق ثابت سے احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ انس سے چاروں نام گنائے اور اس کا سیاق اتم ہے۔ حدیث کے شروع میں فرمایا کہ تین دن کے بعد خطاب کیا۔ جب ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے تھے اور اس میں یہ زائد ہے کہ حضرت عمر ﷛ نے حضور ﷺ کی آواز سنی تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ تین روز کے بعد ان سے مخاطب ہو رہے ہیں کیا وہ سنتے ہیں اور اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (یعنی وہ جواب جسے تم سن سکو)

اس حدیث سے یہ گروہ استدلال کرتا ہے کہ حضرت عمر ﷛ سماع موتٰی کے قائل نہ تھے۔ مگر یہ استدلال الٹا ہے۔

۱...... حضرت عمر ﷛ نے انک لا تسمع الموتٰی کے تحت اظہار تعجب کیا۔

۲...... حضور اکرم ﷺ نے بتید حلف بیان فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر ﷛ نے کیا کہا۔ حدیث میں یہ نہیں ملتا تو سوچنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ کے اس حلفیہ بیان کے بعد حضرت عمر ﷛ کا رویہ کیا ہونا چاہئے۔

الف: کیا یہ کہ میں قرآن کو حضور ﷺ سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں اس لئے میرا کہنا ٹھیک ہے؟

ب: یا یہ کہ قرآن لانے والا مجھ سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے۔ اس لئے اپنی غلط فہمی کے احساس کے بعد اس پر اڑے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر پہلا ردعمل صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت تو ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر ﷛ سماع موتٰی کے قائل نہیں تھے۔ مگر حضرت عمر ﷛ کے ایمان کا ثبوت کہیں سے تلاش کرنا پڑے گا۔

اگر دوسرا ردعمل تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر ﷛ سچے مومن تھے۔ جب کسی بات میں شک ہوتا اور حضور ﷺ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے تو حضرت عمر ﷛ سچے مومن کی طرح حضور ﷺ کی بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ مگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر ﷛ کو میت کے سننے کے متعلق جو حیرت تھی وہ ختم ہو گئی اور یقین کامل ہو گیا کہ واقعی وہ ہم سے بہتر سنتے ہیں۔

"جدید محققین" نے پہلا ردعمل تسلیم کیا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا مبارک مگر اس سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے اس پر بھی غور فرمالیں کہ: آیت "انک لا تسمع الموتٰی" مکہ میں نازل ہوئی اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا۔ اتنی طویل مدت میں رسول خدا ﷺ کو اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکا اور کفار بدر کو پکارنا شروع کیا اور حضرت عمر ﷛ کے سمجھانے پر حضور ﷺ کو اتنی مدت کے بعد قرآن کی ایک آیت کا مطلب معلوم ہوا۔ (معاذ اللہ) یا اگر معلوم تھا تو عمداً قرآن کے خلاف مردوں کو پکارنا شروع کیا۔ (معاذ اللہ) کیا اس کا تصور کوئی مومن کر سکتا ہے؟

یہ ہے "جدید محققین" کے نزدیک نبوت اور رسالت کا مقام اور یہ ہے ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے متعلق عقیدہ۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے مزعومہ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی حرکت کرے جس

سے مقام نبوت اور رسالت کی توہین لازم آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سماع موتیٰ

حضور اکرم ﷺ نے مقتولین بدر کو جو خطاب فرمایا تھا اس سلسلے میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے انکار کیا تھا۔ کیوں کہ وہ بھی آیت انک لا تسمع الموتیٰ کا مفہوم وہی سمجھتی تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے وجہ حیرانگی بنا تھا۔

اس موقعہ پر پھر وہی صورت قابل غور ہے کہ آیت انک لا تسمع الموتیٰ کی ایک تفسیر وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ جانتے تھے۔ دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھی تھیں۔ حضور ﷺ نے اس مفہوم کے ذہن میں ہوتے ہوئے مقتولین بدر کو خطاب کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی وہ نہیں جو اوّل نظر میں لوگ سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھے اور قرآن کی کسی آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے معیار فہم رسول ہوگا۔ قول رسول کے مقابلے میں کوئی قول حجت نہ ہوگا۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کے فعل کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول حجت نہیں ہوگا۔

۲...... اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اجتہادی غلطی کی بناء پر اس موقع پر عقیدہ عدم سماع موتیٰ ہی رکھتی تھیں تو بعد کی روایات سے ان کا رجوع ثابت ہے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔

اور (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۵) ”وفی المغازی لابن اسحاق روایت یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشة مثل حدیث ابی طلحه وفیه ما انتم باسمع ما اقول منهم واخرجه احمد باسناد حسن فان کان محفوظا فکانها رجعت عن الانکار لما ثبت عندها من روایت هولاء الصحابة لکونها لم تشهد للقصة“ مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت باسناد جید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مثل حدیث ابوطلحہ رضی اللہ عنہ موجود ہے اور اس میں ہے کہ جو کچھ میں انہیں کہہ رہا ہوں تم ان سے بہتر نہیں سنتے۔ اسے امام احمد نے باسناد حسن اخراج کیا۔ اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع سے رجوع کر لیا۔ جب انہیں ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہو گیا۔ کیوں کہ وہ خود تو اصل واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

اگر کوئی بزرگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع تسلیم نہ کریں اور اسی پر مصر ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ کے لئے اسی عقیدہ پر قائم رہیں تو پھر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایک طرف متواتر احادیث اور اجماع صحابہ ہے، دوسری طرف صرف عائشہ رضی اللہ عنہا، کون سا پہلو راجح ہوگا اور کون سا مرجوح؟ چنانچہ سلف کی رائے یہ ہے۔

الف: (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) ”وهذا مصیر من عائشة الی رد روایت ابن عمر المذکورة وقد خالفها الجمهور فی ذالک وقبلوا حدیث ابن عمر لموافقة من رواه غیره علیه“ اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رد کرنا ہے اور اس بارے میں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ام المؤمنین کی مخالفت کی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو قبول کیا کیوں کہ وہ دوسری روایات کے موافق ہے۔

(ب) مولانا عبدالحیٔ لکھنوی حاشیہ وقایہ (ج ۲ ص ۲۵۴) ”وما رد عائشة بعض تلک الاحادیث فلم یعتد به جمهور الصحابة ومن بعدهم“ بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایسی بعض احادیث کے رد کرنے کا معاملہ

ایسا ہے کہ جمہور صحابہ اور تابعین نے اسے غیر معتبر قرار دیا۔

(ج) (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸) "والصحیح عند العلماء روایۃ عبداللہ بن عمر لمالھا من الشواھد علی صحتھا من وجوہ کثیرۃ ومن اشھر ذالک ماروا ہ بن عبدالبر مصححالہ من ابن عباس مرفوعا" اور علماء کے نزدیک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے۔ کیوں کہ کثیر وجوہ سے اس کی صحت کے شواہد موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مشہور وہ روایت ہے جو ابن عبدالبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا بیان کی اور اسے صحیح کہا۔

اس حدیث پر ابن رجب کی جرح مبہم ہے جو قابل حجت نہیں۔ حدیث کی صحت اور تعدیل بھی موجود ہے۔ اس لئے درجہ حسن سے نہیں گر سکتی اور سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں۔

(د) (کتاب الروح ص ۴) "والسلف مجموعون علی ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ" سلف صالحین امت کا اس (سماع موتی) پر اجماع ہے۔ ان سے متواتر روایات آ چکی ہیں کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

(ر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بہرحال ان کا اجتہاد ہے۔ قول رسول کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

"قال الاسماعیل کان عند عائشۃ من الفھم والذکاء وکثرۃ الروایۃ والغوص علی غوامض العلم ما لا یزید علیہ لاکن لا سبیل الی رد روایۃ الثقۃ الابنص مثلہ یدل علی نسخہ او تخصیصہ او استحالتہ" محدث اسماعیل کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی ذہین تھیں۔ کثرت سے روایتیں بھی ان سے آئی ہیں۔ علمی مسائل پر غور و فکر میں سب سے بڑھ کر تھیں لیکن ثقہ راویوں سے جو روایت موجود ہو اس کا رد تو نص سے ہی ہو سکتا ہے جو اسی پائے کی ہو اور جو پہلی روایت کے نسخ یا تخصیص یا محال ہونے پر دلالت کرے۔

(فتح الملہم ج ا ص ۳۳۷) "ومن المروزی قلت لاحمد انھم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمدا رای ربہ فقد اعظم علی اللہ فبای شئی یدفع قولھا قال بقول النبی ﷺ رایت ربی قول النبی ﷺ اکبر من قولھا" امام مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ پس کس چیز سے ام المؤمنین کا قول رد کیا جائے گا تو امام صاحب نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے قول سے تو حضور ﷺ کا قول کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بہت بڑا ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا قول کہ قول عائشہ رضی اللہ عنہا کو قول رسول ﷺ رد کر سکتا ہے۔ مگر قول رسول ﷺ کو قول عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں رد کر سکتا۔

پہلا زریں اصول

فتح الملہم میں ایک اصول بیان ہوا ہے کہ: "واذا جمع الناس علی امر وخالفھم واحد والثان لم یلتفت الی قولہ ولم یصدق دعواہ" جب تمام علماء ایک دینی حکم پر جمع ہو جائیں اور ایک یا دو آدمی مخالفت کریں تو ان کے اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور نہ ان کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی۔ (ج ا ص ۷۴)

یہ وہ اصول ہے جسے غیر شعوری طور پر "جدید محققین" حضرات تسلیم کر چکے ہیں۔ (شفاء الصدور ص ۹۰)

دوسرا ازریں اصول

"والثانی ان الصحابۃ اذا قال قولاً خالفہ غیرہ لم یکن ذالک القول حجۃ" ثانی یہ کہ صحابہ جب کوئی بات کہیں اور کوئی ایک ان کی مخالفت کرے تو یہ قول حجت نہ ہوگا۔ (ایضاً ص ۵)

تیسرا ازریں اصول

"ضعف الھاتف وفعل الاعرابی وقول الصحابی المخالف لجماھیر الصحابۃ وکذا فعلہ وقول احدمن الناس غیر النبی وکذا فعلہ الی ان قال لیس واحد منھا بحجۃ" ہاتف کی آواز، اعرابی کا فعل اور صحابی کا قول جو جمہور صحابہ کے خلاف ہو اور اسی طرح صحابہ کا فعل، اسی طرح نبی ﷺ کے بغیر کسی کا قول، اسی طرح اس کا فعل کوئی بھی حجت نہ ہوگا۔

منصفانہ مشورہ

جس قانون کو آدمی خود تسلیم کرے بلکہ تسلیم کرائے اسی قانون کے مطابق اپنے من گھڑت عقیدے پر زد پڑے تو مکر جائے۔ یہ صورت تو موزوں نہیں کہ لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مقابل جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم سماع موتی کے قائل رہے تو جمہور کا اجماعی عقیدہ رد کرتے ہوئے اس قانون کا خیال نہ آیا۔

جدید معتزلہ کی ایک نئی راہ

ہاں ان حضرات نے ایک اور راہ نکالی جو (شفاء الصدور ص ۷۰) پر بیان فرمائی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر صحابہ کا اجماع سکوتی قرار دیا۔

یہ دعویٰ غالباً اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کیا گیا ہے۔ حضرت کسی صاحب علم کا قول پیش کریں کہ صحابہ کا اجماع سکوتی ہوا۔ کیا سکوت اسی کو کہتے ہیں کہ صحابہ ایک دو نہیں کئی حضرات سماع موتی کی روایات بیان کر رہے ہیں اور جمہور صحابہ ان روایات کو سن رہے ہیں اور قبول کر رہے ہیں اور اجماع سکوتی ہو جاتا ہے عدم سماع موتی پر۔ یہ عجیب منطق ہے تو عدم سماع پر اجماع سکوتی کا کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ سماع موتی کے حق میں۔

اقوال کا خلاصہ

۱...... حضور اکرم ﷺ کی متواتر احادیث موجود ہیں۔ اگر کوئی حدیث متکلم فیہ یا ضعیف بھی ہو تو تواتر معنوی تک پہنچنے سے جرح و تعدیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر اس تواتر سے اجماع بھی مل گیا تو اشکال باقی نہیں رہتا۔

۲...... جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے خلاف تھے۔

۳...... سماع موتی پر سلف کا اجماع تھا اور اجماع خود ایک مستقل قطعی دلیل ہے۔

۴...... اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ام المؤمنین کے ادب کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش ہو جائیں تو کیا اس کو اجماع سکوتی کہا جائے گا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ''انھم یسمعون ما اقول انما قال انھم الأن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق'' حضور ﷺ کا یہ قول کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ وہ سنتے ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ اب وہ جان گئے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا وہ حق تھا۔

اس پر (شفاء السقام ص ۲۰۳) پر بیان ہوا ہے ''واما عائشۃ اعترفت بالعلم وقالت انما قال انھم الأن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق واذا جاز العلم جاز السماع لانھما جمیعا مشروطان بالحیاۃ'' رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو انہوں نے میت کے علم کا اعتراف کیا اور کہا...... وہ اب جانتے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا حق ہے اور جب علم جائز ہوا تو سماع بھی جائز ہوا۔ کیوں کہ دونوں کے لئے حیات شرط ہے۔

حصول علم موقوف ہے سماع اور بصر وغیرہ پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے علم ثابت ہوا تو سماع بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

علامہ ابوالقاسم سہیلی کا استدلال

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے (روض الانف ج ۲ ص ۷۴) پر فرمایا: ''فقال رسول اللہ ﷺ ما انتم باسمع لما اقول منھم واذا جاز ان یکونوا فی تلک الحال عالمین جاز ان یکونوا سامعین'' فرمایا حضور ﷺ نے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور جب یہ جائز ہوا کہ مقتولین بدر کو اس وقت علم تھا تو یہ بھی جائز ہوا کہ وہ سن رہے تھے۔

غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے تو سماع ہی نہیں علم بھی ثابت ہوا حیات بھی ثابت ہوئی۔

عقیدہ سماع موتیٰ سے مفر کی ایک اور صورت و چالاکی

عقیدہ سماع موتیٰ سے مفر کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے: (اقوال مرضیہ ص ۸۸) کہ مقتولین بدر کو خطاب خاص وقت کا معجزہ تھا۔

الجواب: (۱) صحابہ کو اتنی تمیز تھی کہ معجزہ اور غیر معجزہ میں فرق معلوم کر لیتے۔ اگر یہ معجزہ ہوتا تو اس واقعہ کے متعلق نہ بحثیں ہوتیں نہ آیت ''انک لا تسمع الموتیٰ'' کی تاویلیں کی جاتیں۔

۲...... کیا سماع موتیٰ کے متعلق صرف یہی ایک حدیث ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چلو ایک خاص وقت کے لئے معجزہ تسلیم کرنے میں معقولیت بھی ہوتی۔ لیکن سماع موتیٰ کے متعلق متواتر اور صحیح حدیثیں بیسیوں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

۳...... اگر اسے معجزہ تسلیم کیا جائے تو فرمائیں کہ معجزہ کس نے طلب کیا تھا؟ قریش مکہ نے جو بھاگ گئے تھے یا مسلمانوں نے جو موجود تھے؟ اس کا جواب بحوالہ کتاب فرمائیں۔

۴...... اگر یہ معجزہ تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیوں کیا اور اختلاف کیوں کیا؟

۵...... اگر یہ معجزہ تھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اظہار حیرت کے جواب میں حضور ﷺ فرما دیتے کہ آیت کا مطلب تو وہی ہے لیکن یہ کام میں بطور معجزہ کر رہا ہوں۔ لیکن حضور ﷺ نے تو ''ما انتم باسمع لما اقول منھم'' فرما دیا۔ معجزہ تو اس وقت دکھایا جاتا ہے جب کفار کی طرف سے مسلسل انکار ہو۔ نبوت کے ثبوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور معجزہ بطور سند ثبوت

پیش ہوتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کفار موجود ہیں نبی کی نبوت پر ایمان لائیں اور عذاب سے بچ جائیں۔ مقتولین بدر کے خطاب میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ نہ کسی نے مطالبہ کیا نہ کفار مخاطبین اس حالت میں تھے کہ حضور ﷺ کا خطاب سن کر ایمان لا سکیں اور عذاب سے بچ سکیں۔ پھر اس کو معجزہ قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

(مرقاۃ ج ۸ ص ۱۱) "وتارۃ بان تلک خصوصیۃ له ﷺ معجزۃ وزیادۃ حسرۃ علی الکافرین القول وھذا قول قتادۃ الاتی ویردہ ان الاختصاص لا یصح الا بدلیل فھو مفقود ھنا بل السوال والجواب ینافیانه۔ قال المازری اخذ الاختصاص من ھذا القول وھو خلاف قول الجمھور" منکرین سماع کبھی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ معجزہ کے طور پر حضور ﷺ کی خصوصیت تھی اور کافروں کے لئے حسرت کی زیادتی کا سبب میں کہتا ہوں اور یہ قتادہ کا قول ہے اور وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ یہ تخصیص صحیح نہیں بغیر دلیل کے اور دلیل یہاں موجود نہیں۔ بلکہ آپس میں سوال وجواب معجزہ ہونے کے منافی ہیں۔ علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس قول سے اختصاص کا مفہوم لینا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مخالف ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو معجزہ پر محمول نہیں کیا۔

آداب زیارت القبور

"جدید محققین" نے سماع موتی کے مسئلہ کی نئی تحقیق کے تحت زیارت قبور کے آداب بھی مقرر فرمائے ہیں بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے وہ آداب سکھائے ہیں کہ حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم "کمال درجے کی" ظاہر ہوتی ہے۔

(شفاء الصدور ص ۱۰۰) "ولقد السلف الصالح التوحید واحموا جانبه حتی کان احد ھم اذا سلم النبی ﷺ ثم اراد الدعا استقبل القبلة وجعل ظھرہ الی جدار القبر ثم دعا وقال سلمه بن وردان وان رأیت انس بن مالک یسلم علی النبی ﷺ ثم یسند ظھرہ الی جدار القبر ثم یدعو ونص علی ذالک الائمة الاربعة الی ان قال فقول ابن الھمام مردود لیس کما ینبغی فافھم" سلف اہل توحید اور ان کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نبی ﷺ کو سلام کہے پھر دعا کا ارادہ کرے تو قبلہ کی طرف منہ کر لے اور اپنی پیٹھ حضور ﷺ کی قبر کی طرف کر لے۔ پھر دعا کرے اور سلمہ بن وردان کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نبی ﷺ کو سلام کر کے قبر کی دیوار کے ساتھ پیٹھ کر کے ٹیک لگا کر دعا کرتے تھے اور ائمہ اربعہ نے اسے نص قرار دیا ہے۔ اس لئے ابن الہمام کا قول کہ یہ "مردود" ہے۔ نامناسب ہے۔ خوب سمجھ لو۔

مذکورہ عبارت میں زبان کی غلطیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نفس مضمون کی طرف توجہ فرمایئے۔

نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم اور آپ سے عقیدت کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ قبر مبارک کی طرف پیٹھ کر لے۔ گویا کمال توحید نام ہے توہین رسول کا۔ کیا کہنا اس توحید کا۔

سلف صالحین کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا طریقہ

سلف صالحین کے ہاں زیارت قبر النبی ﷺ کا طریقہ وآداب ملاحظہ ہوں۔

(مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۵) "واعلم ان زیارۃ المیت کزیارۃ فی حال حیاته یستقبله فی وجھه فان کان فی الحیاۃ اذا زارہ یجلس منه علی القرب فی حیاته کذالک یجلس بقربه اذا زارہ وان کان یجلس منه علی

البعد لکونہ عظیم القدر فکذالک فی زیارة یقف او یجلس علی البعد منہ" خوب سمجھ لو کہ میت کی زیارت کا طریقہ وہی ہے جیسے زندگی میں اس کی ملاقات کی جاتی ہے کہ منہ اس کی طرف کرے جیسے زندگی میں ہوتا ہے۔ زندگی میں اس کی مجلس میں قرب کے اعتبار سے جتنی فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے۔ اگر زندگی میں اس کی عظمت کے اعتبار سے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے یا کھڑا ہو۔

صاحب نسیم الریاض کے نزدیک آداب زیارت قبر النبی ﷺ

"ان حرمتہ ﷺ میتا کحرمتہ حیا" حضور ﷺ کا احترام اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اسی طرح کرنا ضروری ہے جیسا حضور ﷺ کی اس دنیوی زندگی میں واجب تھا۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۷)

شفاء الصدور کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ اگر یہ توحیدی حضرات حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو حضور ﷺ کی مجلس میں حضور ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے ورنہ ان کی توحید کا آبگینہ پاش پاش ہو جاتا۔ نسیم الریاض کی اور مرقاة کی مذکورہ عبارتوں میں جو آداب سکھائے گئے ہیں وہ تو گویا توحید کے بالکل منافی ہوئے اور توحید کی خیریت اسی میں ہے کہ رسول کی طرف رخ بالکل نہ کیا جائے۔ واہ رے توحید! جس کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ رسول سے منہ موڑ لو جب تک رسول کی توہین نہ کر لو گے توحیدی نہیں بن سکتے۔ خیر اس بغض رسول پر مبنی توحید سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سلمہ بن وردان کا مقام

جس روایت پر اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ذرا اس کے راوی سلمہ بن وردان کا مقام سن لیجئے: "قال ابو حاتم لیس بالقوی عامة ما عندہ عن انس منکر۔ وقال ابو داؤد ضعیف، وقال ابن معین لیس بشئی وقال احمد منکر الحدیث وقال معاویة بن صالح عن یحیی لیس حدیثہ بذالک وقال الحاکم روایاتہ عن انس اکثرھا مناکیر وصدق الحاکم" محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں، حضرت انس سے جو کچھ وہ روایت کرتا ہے وہ منکر ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ضعیف ہے اور محدث ابن معین کہتے ہیں کہ لیس بشئی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں منکر الحدیث ہے اور معاویہ بن صالح یحییٰ کہتے ہیں اس کی حدیث قابل سند نہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ حضرت انس سے اس کی روایت اکثر منکر ہیں اور سچ کہا ہے حاکم نے۔ (میزان الاعتدال ترجمہ سلمہ بن وردان)

منکرین سماع پر اظہار تعجب

تعجب ہے کہ سماع موتی کی بحث چلے تو لوگ میزان الاعتدال سے سہارے تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مگر اپنی شہادت پیش کرتے وقت اپنے گواہ کے لئے میزان الاعتدال کو کھولنے کی توفیق نہ ہو۔ بہر حال اس بنیاد کو پہچان لینا چاہئے۔ حضرت انس ایسے توحیدی نہ تھے کہ توہین رسول کے بغیر ان کی توحید محفوظ نہ رہ سکتی ہو۔ ان کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری نے نقل کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری کی زبانی

"قال بعضھم رأیت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف ای بین یدیہ فرفع یدیہ" بعض نے کہا

کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آئے اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۷)

ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب

اب ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب ملاحظہ ہو: (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۷) "واستقبال وجهه ﷺ واستدبار القبلة مذهب الشافعي والجمهور ونقل عن ابي حنيفة وقال ابن الهمام ما نقل عن ابي حنيفة انه يستقبل القبلة مردود لما روى عن ابن عمران من السنة ان يستقبل القبر المكرم ويجعل ظهره للقبلة وهو الصحيح من مذهب ابي حنيفة وقول الكرماني ان مذهبه بخلافه ليس بشئي لانه ﷺ حيي في قبره يعلم بزائره ومن يأتيه في حياته انما يتوجه اليه" اور رسول اکرم ﷺ کی زیارت کے وقت منہ قبر مبارک کی طرف کرنا اور پیٹ قبلے کی طرف کرنا امام شافعی کا اور جمہور کا مذہب ہے اور امام اعظم سے بھی منقول ہے۔ ابن الہمام نے کہا جو امام صاحب سے منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اور قبر مبارک کی طرف پیٹھ کرنا مردود مذہب ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر مبارک کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔ امام صاحب کے مذہب میں بھی صحیح ہے۔ کرمانی کا قول کہ امام صاحب کا مذہب اس کے خلاف ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں زائر کو جانتے ہیں اور جو شخص حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں حضور ﷺ کے پاس آتا حضور ﷺ کی طرف منہ کرتا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ پشت قبلہ کی طرف ہو اور رخ قبر النبی ﷺ کی طرف ہو اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

اور (طحاوی معہ مراقی الفلاح ص ۴۴۳) "ثم تخفض متوجها الى القبر الشريف فتقف بمقدار اربعة اذرع بعيدا عن المقصورة الشريفة لبناية الادب مستدبر للقبلة قوله مستدبر القبلة اى كما هو السنة فى زيارة الاموات" پھر قبر شریف کی طرف متوجہ ہو کر روضہ اطہر سے چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو نہایت ادب سے کھڑا ہو۔ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے (مراقی الفلاح کا قول) مستدبر القبلہ یعنی جیسا کہ میت کی زیارت کا مسنون طریقہ ہے۔

امام اعظم کی طرف منسوب شدہ مذہب کی تحقیق

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف جس بناء پر یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ قبر کی طرف پشت کر کے سلام و دعا کرنے کے قائل تھے اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں: (شفاء السقام ص ۱۵۳) "ذكره ابو الليث السمرقندى فى الفتاوى عطف على حكاية حكاها الحسن بن زياد عن ابى حنيفة فقال السروجى حنفى يقف عندنا مستقبل القبلة قال الكرمانى الخ" ابو اللیث سمرقندی نے اپنے فتاوی میں امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک حکایت پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے اور السروجی حنفی نے کہا کہ زیارت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور کرمانی نے بھی یہی کہا۔

اس حکایت پر عقیدہ کا مدار رکھنے سے پہلے راوی کو دیکھئے حسن بن زیاد ہے جس کے متعلق خود صاحب (شفاء الصدور ص ۹۹) پر لکھ چکے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ کیا کہنا اس بنیاد کے استحکام کا جسے خود کذاب کہہ رہے ہیں بس اس کی حکایت پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ ابو اللیث سمرقندی نے یہ حکایت کی اور کرمانی اور سروجی تو ان کے تابع ہیں۔

(المسلک المتقسط ص ۳۴۱)"ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعه کالکرمانی والسروجی انه یقف الزائر مستقبل القبلة کذا رواه الحسن عن ابی حنیفة" ہمارے مشائخ میں سے بعض مثلاً ابواللیث سمرقندی اور ان کے اتباع کرمانی اور سروجی نے ذکر کیا کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اس طرح حسن نے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔

اس پر ملا علی قاری نے فرمایا: "قال ابن الهمام وما عن ابی اللیث من ان الزائر یقف مستقبل القبلة مردود بما روی ابو حنیفة عن ابن عمر انه قال من ان تأتی قبر رسول الله ﷺ فتستقبل القبر" ابن الہمام کہتے ہیں کہ ابواللیث کا قول کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو مردود ہے۔ کیوں کہ امام صاحب نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے کہ اگر قبر رسول کی زیارت کو آئے تو قبر کی طرف منہ کرے یہ پوری روایت مسند امام اعظم میں یوں ہے۔

(مسند امام اعظم ص ۲۷)"عن نافع عن ابن عمر قال من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر لوجهک ثم تقول السلام علیک یا رسول الله ﷺ" نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ سنت طریقہ یہ ہے قبر مبارک کی زیارت کے لئے کہ قبلہ کی طرف سے آئے اور اپنی پیٹھ قبر کی طرف اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے پھر کہے السلام علیک یا رسول اللہ!

فتح القدیر میں ابواللیث کرمانی اور سروجی کی تردید موجود ہے۔

ابواللیث کرمانی اور سروجی کی تردید صاحب فتح القدیر کی زبانی

"روینا عن الامام ابن المبارک قال سمعت ابا حنیفة یقول قدم ابو ایوب السختیانی وانا بالمدینة فقلت انظرن ما یصنع فجعل ظهره ممایلی القبلة ووجهه ممایلی وجه رسول الله ﷺ فبکی غیر متباک فقام مقام الفقیه وفیه تنبیه علی ان هذا هو مختار الامام بعد ما کان متردداً" امام عبداللہ بن مبارک نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے ابو ایوب سختیانی آئے اور میں مدینہ میں تھا۔ میں نے کہا آج میں ضرور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے پیٹھ قبلہ کی طرف کی اور منہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کے مقابل کیا پھر سلام کہا اور بے اختیار رو دیئے اور بڑے فقیہ کی طرح قیام کیا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس میں تنبیہ ہے کہ امام صاحب کا مذہب مختار یہی ہے۔ اس سے پہلے انہیں تردد تھا۔ (المسلک المتقسط ص ۳۴۱)

ملا علی القاری نے وضاحت فرمادی کہ اس سے پہلے حضرت امام متردد تھے مگر اس کے بعد تردد نہ رہا اور امام صاحب کا مذہب مختار وہی ہے جو امام صاحب سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

باقی ائمہ کرام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے: (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)"فان مذهب مالک واحمد والشافعی استحباب استقبال القبر الشریف فی السلام والدعاء وهو مسطور فی کتبهم" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت منہ قبر شریف کی طرف کرے۔ یہی مذہب ان کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

اور (شفاء السقام ص ۱۵۳)"بل مقتض کلام اکثر العلماء من الشافعیة والمالکیة والحنابلة

الاستقبال عند السلام والدعاء'' اکثر شافعی، مالکی اور حنبلی علماء کے کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت قبر مبارک کی طرف منہ کیا جائے۔

اور (شفاء السقام ص ۱۵۹) ''عن مالک بن انس الامام انه قال اذا اراد الرجل ان یأتی قبر النبی ﷺ فیستدبر القبلة ویستقبل النبی ﷺ'' امام مالک نے فرمایا کہ جب آدمی حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا ارادہ کرے تو پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب مختار تو یہ ہے جو مندرجہ بالا حوالہ جات میں پیش کر دیا گیا۔ مگر صاحب شفاء الصدور کس وثوق سے فرما گئے ہیں ائمہ اربعہ کا مذہب یہ تھا کہ پشت قبر کی طرف ہو۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کا مذہب یہی تھا تو مجتہدین کرام بھلا کوئی نئی راہ نکال سکتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۲۸۶) ''وآداب الزیارة ان یقوم مستقبل القبر و مستدبر القبلة حذا الوجه'' زیارت قبر کے آداب یہ ہیں کہ آدمی قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

اس مسئلہ میں اشعۃ اللمعات اور کتاب الاذکار سے تائید

و از جملہ آداب زیارت است کہ رو بجانب قبر و پشت بجانب قبلہ مقابل روئے میت باید و سلام دہد۔ زیارت قبور کے آداب میں سے ہے کہ آدمی قبر کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور سلام کہے۔

(کتاب الاذکار امام نووی ص ۱۸۴) ''وقد قدمناه فی اول الکتاب فاذا صلی تحیة المسجد اتی القبر الکریم فاستقبله واستدبر القبلة'' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تحیۃ المسجد پڑھ چکے تو قبر مکرم کے پاس آئے اس کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

قبر کی طرف پشت کرنا اور کعبہ کی طرف رخ کرنا ان حضرات کے نزدیک آداب زیارت قبر میں شامل ہے۔ اس کی وجہ کوئی نقلی دلیل تو ہے نہیں جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ البتہ اس کی وجہ ان کا اپنا ''جذبہ توحید'' ہے۔ چنانچہ ''تعلیم القرآن'' میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مشابہ بالشرک ہے۔

یہ دعویٰ بھی ان کے دوسرے دعاوی کی طرح بلا دلیل ہے بلکہ خلاف حقیقت ہے۔ ایک مومن کا یقین کامل یہ ہونا چاہئے اور ہوتا ہے کہ توحید اور شرک کی حقیقت جس قدر حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھی کسی اور شخص کو اس قدر معلوم ہونا ممکن ہی نہیں اور شرک سے اور شبہ شرک سے اجتناب جس قدر حضور اکرم ﷺ کرتے تھے بھلا اور کون کرے گا۔ اب حضور ﷺ کے عمل سے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ کیا قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شبہ شرک میں داخل ہے۔ اگر ایسا ہے تو:

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حضور ﷺ سے عملاً ثابت ہے

(مسلم ج ۱ ص ۳۱۳) پر ہے طولانی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا متعلقہ حصہ ''حتی جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاثة مرات'' حتی کہ حضور ﷺ بقیع میں آئے دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

اور (نسائی ص ۲۸۶) پر یہی حدیث منقول ہے اور امام نووی نے اس کے متعلق فرمایا ''فیه استحباب اطالة الدعاو تکریرہ ورفع الیدین فیه'' مستحب یہ ہے کہ دعا لمبی کی جائے۔ مکرر کی جائے اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

حضرات غور فرمائیں کہ حضور اکرم ﷺ کے کسی فعل کو توحید مشابہ بالشرک قرار دے تو اس توحید کو کوئی صاحب ایمان کیونکر قبول کرے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی جو توحید سکھانے آیا ہو وہ خود ایسا عمل کرے جو منافی توحید ہو۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے (السعی المشکور ص ۴۵۸) میں فرمایا: "الا تری ان النبی ﷺ لما خرج فی لیلۃ عائشۃ الی البقیع و اطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاثۃ مرات" کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور ﷺ جس رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے تو آپ جنت البقیع میں گئے طویل قیام کیا پھر تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

رہا یہ سوال کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کو قبلۂ دعا بنایا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے کہ دعا کا قبلہ تو آسمان ہے نہ کعبہ ہے نہ قبر ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے (الاقتصاد فی الاعتقاد) میں فرمایا: "فکذالک السماء قبلۃ الدعا کما ان البیت قبلۃ الصلوۃ" جس طرح نماز کا قبلہ بیت اللہ ہے اسی طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے۔

پھر فرمایا: "ثم فی الاشارۃ بالدعاء الی السماء سر لطیف" دعا میں آسمان کی طرف اشارہ کرنے میں لطیف راز ہے۔

حجۃ الاسلام کے اس قول سے ہٹ کر عقلی طور پر بھی سوچا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ خدا جانے وہ کون سے ایسے برگزیدہ اور مقدس لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حقیقت اپنے نبی سے مخفی رکھی اور وہ ان پر منکشف فرما دی۔

آخر میں المہند کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ بعض لوگ جس طرح اہلسنت ہیں اسی طرح کے فقہی کتب فکر کے لحاظ سے دیوبندی بھی ہیں۔ سوال سادس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ: "لکن المختار ان یستقبل وقت الزیارۃ مما یلی وجہہ الشریف ﷺ عندنا وعلیہ عملنا وعمل مشائخنا و ھکذا الحکم فی الدعاء" لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ زیارت کے وقت منہ قبر کی طرف ہو۔ ہمارے نزدیک یہی مذہب مفتی بہ ہے۔ اسی پر ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عمل ہے اور دعا میں بھی یہی حکم ہے۔

گویا جدید محققین کے نزدیک اہلسنت وہ ہے جو متقدمین و متاخرین اہلسنت کی مخالفت کرے۔ اسی طرح دیوبندی مسلک کا متبع وہ ہے جو مشائخ دیوبند کے عقائد اور عمل کی مخالفت کرے۔ اللھم احفظنا!

سماع موتیٰ کے متعلق قرآن مجید کی چند آیات کی وضاحت

مولوی غلام اللہ خان صاحب نے جواہر القرآن میں فرمایا:

۱...... "فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھادی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا فھم مسلمون" بیشک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر جائیں اور تم اندھوں کو ان کے الٹے راستے سے سیدھے پر نہیں لا سکتے۔ تم بس انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی ماننے والے ہیں۔ (الروم: ۵۲، ۵۳)

۲...... "وما انت بمسمع من فی القبور" اور تو اہل قبور کو سنانے والا نہیں۔ (فاطر: ۲۲)

۳...... "انک لا تسمع الموتیٰ الخ" تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ (النمل: ۸۰)

"نفی سماع موتیٰ پر قرآن مجید کی یہ تین آیتیں دلیل حجت ہیں۔ ان آیتوں کو وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک نفی سماع پر بطور دلیل و برہان پیش کیا جاتا ہے۔"

ان آیات کی صحیح تفسیر پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "فتح القرآن" کے نزدیک:

۱...... قرآن مجید میں صرف یہ تین آیتیں نفی سماع پر دلیل حجت ہیں اور کوئی آیت نہیں۔

۲...... ان آیات کو نفی سماع پر بطور دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک پیش کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ نفی سماع کے حق میں ان آیات کے علاوہ دوسری آیات کا سہارا لیتے ہیں وہ ان کی ذاتی رائے ہے اور چونکہ وہ چودہ سو سال کے دوران دلیل کے طور پر کبھی پیش نہیں کی گئیں۔ لہٰذا ان مجتہدین کا قول مردود ہے۔

ان آیات کی تفسیر

اب ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو:

۱...... (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۰) "انک لا تسمع الموتی ای الکفار شبھھم بالموتی لعدم الانتفاع لھم بتسامع ما یتلی علیھم ان تسمع یعنی لا تسمع ولا ینفع اسماعک القرآن احدا الا من یؤمن بآیتنا من قدرنا ایمانہ" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کافروں کو۔ ان کو مردوں سے تشبیہ دی کہ جو کچھ انہیں پڑھ کر سنایا جائے اسے سن کر نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ انک لا تسمع یعنی آپ نہیں سنا سکتے اور آپ کے قرآن سنانے کا فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے جسے ہماری آیات پر ایمان ہو۔ یعنی جس کے لئے ہم نے ایمان لانا مقدر کر دیا ہو۔

دوسری جگہ فرمایا: "او انک لا تسمع الموتی سماعا یترتب علیہ الفائدۃ" اور آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ ایسا سنانا جس پر کوئی فائدہ مترتب ہو۔

۲......صاحب ابن کثیر کی زبانی

(ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۴) "انک لا تسمع الموتی ای لا تسمعھم شئیا ینفعھم فکذالک ھولاء علی قلوبھم غشاوۃ وفی اذانھم وقر الکفر" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کوئی چیز نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع دے سکے۔ پس اس طریقہ سے یہ کفار بھی ایسے ہیں کہ ان کے دلوں پر پردہ ہے اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔

۳......صاحب روح المعانی کی زبانی

(روح المعانی ج ۲۳ ص ۵۰) "وقال بعض الاجلۃ ان معناھا لا تسمع الا ان یشاء اللہ تعالٰی او لا تسمع سماعا ینفعھم وقد ینفی الشئی لانتفاء فائدۃ وثمرتہ کمافی قولہ تعالٰی ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس" اور بعض جلیل القدر علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں آپ نہیں سنا سکتے ہاں جو اللہ تعالیٰ چاہے یا آپ ایسا نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے اور کبھی ایسی چیز کی نفی اس کے عدم فائدہ کی وجہ سے کی جاتی ہے جیسا قرآن مجید میں ہے "ولقد ذرأنا لجھنم"

۴......صاحب فتح الباری کی زبانی

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) "واما استدلالھا (ای عائشۃ) بقولہ تعالٰی انک لا تسمع الموتی فقالوا معناھا لا تسمع سماعا ینفعھم او لا تسمعھم الا ان یشاء اللہ تعالٰی" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل "انک

لاتسمع الموتی" کے متعلق علماء نے کہا اس کا معنی آپ ایسا نہیں سنا سکتے کہ انہیں کچھ نفع ہو یا آپ نہیں سنا سکتے ہاں اللہ چاہے تو۔

۵......صاحب اشعۃ اللمعات کی زبانی

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) "ومراد سماع عدم اجابت است حق را دلیل آنکہ ایں دو آیت نازل شدہ در دعوت کفار بایمان وعدم اجابت ایشاں مرحق را"۔ سماع سے مراد یہ کہ حق کو قبول نہیں کر سکتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دو آیتیں کفار کو ایمان کی دعوت دینے میں نازل ہوئی ہیں اور اس امر کی نشاندہی میں کہ انہوں نے حق کو قبول نہ کیا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) "ونیز گفتہ اند کہ مراد بموتی، موتی القلوب اند وقبور اجساد ایشاں کہ درو دلہائے مردہ افتادہ است"۔ علماء نے کہا ہے کہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے جسم گویا ان کی روح کی قبریں ہیں اور ان قبروں میں ان کے مردہ دل پڑے ہوئے ہیں۔

صاحب فتح الباری کی رائے گرامی

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۵) "والمراد بالموتی وبمن فی القبور الکفار شبھوا بالموتی وھم احیاء والمعنی ھم فی حال الموتی او حال من سکن القبر وعلی ھذا لا یبقی فی الایۃ دلیل علی مانفتہ عائشۃ" موتی اور من فی القبور سے مراد کفار ہیں۔ انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ حالاں کہ وہ زندہ ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا حال مردوں کا سا ہے جو قبر میں پڑا ہو مزید برآں آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی کی ہے۔

علامہ خازن کی تفسیر

خازن "انک لا تسمع الموتی یعنی موتی القلوب وھم الکفار" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی ان کو جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔

صاحب معالم التنزیل کی تفسیر

معالم التنزیل "انک لا تسمع الموتی یعنی الکفار" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کفار کو۔

علامہ خازن کی تفسیر

خازن "وما انت بمسمع من فی القبور یعنی الکفار شبھھم بالاموات فی القبور حین لا یجیبون" من فی القبور، یعنی کفار ان کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ وہ قبول نہیں کرتے۔

صاحب شرح وقایہ کا فیصلہ

(حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۲) "ان الصحیح ان المراد بالموتی ھناک موتی القلوب وھم الکفار لا الاموات العرفیہ" درست بات یہ ہے کہ اس جگہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں وہ مردے مراد نہیں جو عرف عام میں ہوتے ہیں۔

قرآن اور حدیث میں تعارض

(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۰) سوال: "فیما روی عن رسول اللہ ﷺ من کلم لاهل بدر و قد ردوا الی القلیب وقیل کلمت موتی لا سماع لهم فقال لستم باسمع جاء فی الکتب وقال لا تسمع الموتی و ذا معارض للذی قلنا فی الرتب۔ جواب: سماع موتی کلام الحیی معتقد جاءت به عندنا الاثار فی الکتب و اية النفی معنها سماع هدی لا یقبلون و لا یصنعون الادب فالنفی جاء علی معنی المجاز فخذو اجمع بین ذا مع هذه تصب"

حضور اکرم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ جب مقتولین بدر سے حضور ﷺ نے کلام کی تو کہا گیا کہ آپ مردوں سے کلام فرما رہے ہیں جو سن نہیں سکتے تو حضور ﷺ نے فرمایا تم ان سے اچھا نہیں سنتے۔ ایسا ہی کتابوں میں آچکا ہے اور اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور یہ حدیث اور قرآن میں تعارض ہے۔

جواب: میت کا زندہ آدمی کی کلام سننا یہ عقیدہ چلا آتا ہے اہل سنت کا اور آثار صحابہ میں یہ بات آچکی ہے اور سماع کی نفی کی آیت کا مطلب نفی ہدایت کی ہے کہ وہ نہ کان دھرتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں اور نفی مجازی معنوں میں ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں تعارض نہیں بلکہ تطابق ہے اس پر جمے رہو ہدایت پاؤ گے۔

آیات کی تفسیر کا خلاصہ

ان آیات کی تفسیر مفسرین، محدثین اور فقہاء نے جو بیان کی اور جو بھی اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱...... موتی سے مراد کفار ہیں اور موت سے مراد دل کی موت ہے۔ موت عرفی نہیں۔

۲...... سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ سماع مطلق نہیں۔ آیت میں اطلاق مطلق علی المقید ہے۔

۳...... یہ آیتیں کفار کو دعوت ایمان دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔

۴...... دعوت ایمان زندوں کو دی جاتی ہے انبیاء مردوں کو دعوت ایمان نہیں دیا کرتے ان آیتوں میں قرینے بھی موجود ہیں۔

(الف) "ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا (النمل: ۸۱) (ب) ان انت الا نذیر" (فاطر: ۲۳)

آیت (الف) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقابل موت اور حیات کا ہے۔ اسلام اور موت کا نہیں۔ یعنی آپ کی تبلیغ مومن سنتا ہے کافر نہیں سنتا۔ ان دو آیات کے علاوہ قرآن کی کئی آیات میں یہ قرینہ موجود ہے مثلاً "وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین" (الذاریات: ۵۵) تبلیغ کا نفع مومن کو ہوتا ہے۔ ضدی اور عنادی کافر کو تبلیغ نافع نہیں یا "فاعرض اکثرهم وهم لا یسمعون" (حم السجدۃ: ۴) اعراض کی وجہ سے عدم سماع قبولیت کا بیان ہے یا "وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" (الملک: ۱۰) یعنی کفار بالکل بہرے اور کورے نہیں تھے بلکہ سن کر قبول نہ کرنا نہ سننے کے برابر ہوا اور فہم سلیم سے کام نہ لینا عدم عقل کے مترادف ہوا۔

کفار پر لفظ موتی کے اطلاق کی شہادت قرآن مجید کی زبانی

اب رہی یہ بحث کہ کفار پر موتی کے لفظ کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کفار کے لئے یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

۱...... "او من کان میتا فاحیینه وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس" بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے

زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی دی کہ اسے لوگوں میں لئے پھرتا ہے۔ (انعام:۱۲۲)

جس طرح قوت نامیہ کے فقدان کی وجہ سے قرآن مجید زمین کو مردہ کہتا ہے اسی طرح فقدان نور معرفت کی وجہ سے کفار کو مردہ کہتا ہے۔

۲...... ''لینذر من کان حیاً ویحق القول علی الکافرین'' تاکہ جو زندہ ہے اسے ڈرائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے۔ (یٰسین:۷۰)

حیی کے مقابل میت ہے اور یہاں کافرین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی کافر بمنزلہ مردہ کے ہیں۔

۳...... ''ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون'' اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں کہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں اور وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ (اعراف:۱۷۹)

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آلات جس جس کام کے لئے دیئے ہیں اگر انسان ان کو ان کاموں میں استعمال نہیں کرتا تو ان آلات کو کالعدم قرار دے کر ان کی نفی کی جاتی ہے۔

۴...... ''ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضلّ سبیلا'' (الفرقان:۴۴)

یا تو خیال کرتا ہے کہ اکثر ان میں سے سنتے یا سمجھتے ہیں یا تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اس حقیقت کو (جواہر القرآن ج ۱ ص ۲۵) پر تسلیم کیا گیا ہے کہ کفر موت ہے اس واسطے کفار کو مردہ کہا جاتا ہے۔

''جعلھم اصابعھم فی اذانھم لئلا یسمعوا القرآن فیؤمنوا بہ ذومحمد ﷺ وذالک عندھم کفر والکفر موت'' مولوی غلام اللہ خان صاحب نے یہ عبارت بحوالہ قرطبی نقل فرمائی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں موتیٰ سے مراد کفار ہیں جو زندہ ہیں اور موتۃ القلوب ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے۔ لہٰذا ان آیات کو عدم سماع پر دلیل لانا بے محل ہے۔

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے اس پہلو کو زیر بحث لانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قول فیصل

کفار کو میت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ شبہ کیا ہے؟ منکرین سماع فرماتے ہیں کہ وجہ شبہ عدم سماع ہے۔ مگر یہی وہ مغالطہ ہے جو حقیقت کے قریب آنے نہیں دیتا۔ بات یہ ہے کہ وجہ شبہ اتفاقی چاہیے اختلافی نہیں اور مشبہ اور مشبہ بہ ایک وصف میں مشترک ہوں۔ اگر عدم سماع کو وجہ شبہ قرار دیا جائے تو یہ غلط ہے۔ وصف دونوں میں مشترک نہیں ہے۔ کیوں کہ کافر بہرے تو نہیں ہوتے اس لئے سنتے ہیں تو عدم سماع وجہ شبہ نہیں بن سکتی۔ ہاں عدم اجابت اور عدم انتفاع وصف مشترک ہے اور یہی وجہ شبہ ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں حقیقت ہوتی ہے۔ درست! اگر عدم انتفاع میت میں حقیقت ہے میت کو تبلیغ کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔

اس لئے ثابت ہوا کہ وجہ شبہ عدم انتفاع اور عدم اجابت ہے۔ پس یہ آیات عدم سماع کی دلیل میں پیش کرنا قرآن مجید کے مدلول، مفسرین کی وضاحت محدثین کے بیان اور فقہاء کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

چند مزید آیات قرآنی پر تفصیلی بحث

''شیخ القرآن'' نے اپنی نادر تصنیف جواہر القرآن میں تین آیتوں کا ذکر کیا ہے جو نفی سماع موتی پر دلیل و حجت ہیں۔ مگر اس فن کے دیگر ''شیوخ'' عدم سماع کے حق میں کچھ اور آیات کی معنوی تحریف کر کے دلیل و حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان آیات کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱...... ''والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون'' (النحل:۲۰)

۲...... ''وما یستوی الاحیاء ولا الاموات'' (فاطر:۲۲)

۳...... ''یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب'' (مائدہ:۱۰۹)

۴...... ''ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم وشرکاؤکم فزیلنا بینھم فقال شرکاؤھم ما کنتم ایانا تعبدون'' (یونس:۲۲)

۵...... ''ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون'' (احقاف:۵)

۶...... ''انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرین'' (النمل:۸۰)

۷...... ''ان اللہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر:۲۲)

۸...... ''والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر۔ ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم'' (فاطر:۱۳،۱۴)

ان آیات کی صحیح تفسیر اور مسلمہ مفہوم معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کفار و مشرکین عرب کا برزخ اور حشر کے متعلق عقیدہ معلوم کر لیا جائے کیوں کہ یہ بات آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مدد دے گی۔

۱...... مشرکین عرب موت کو عدمی چیز سمجھتے تھے اور یہ کہ جس چیز کو موت مس کرتی ہے اسے معدوم کر دیتی ہے اور اعادہ معدوم محال ہے۔

۲...... وہ حیات برزخ کے منکر تھے۔

۳...... وہ انبیاء کی نبوت کے منکر تھے لہٰذا کسی ولی اللہ کی قبر پر جانا اور صاحب قبر سے استمداد کرنا ان کے بنیادی عقیدہ کی عین ضد تھی۔ اس لئے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قبر پرست تھے یا اہل قبور سے مدد مانگتے تھے یا ان کی عبادت کرتے تھے۔ معدوم کی عبادت کرنا کون ذی ہوش قبول کر سکتا ہے۔

۴...... اگر وہ لوگ کسی ولی اللہ کی قبر پر جا کر استمداد کرتے تھے تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے یا ان اولیاء اللہ کے نام بتائے جائیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ اس سلسلے میں اصحاب کہف کا نام پیش کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ وہ لوگ اصحاب کہف کی قبروں پر جا ہی نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا ان کی پوجا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵...... وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان بتوں کو انبیاء یا کسی اور مخلوق کی طرف نسبت کر دیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کے وقت ان کا خیال تو اس ہستی کی طرف ہوتا تھا۔ جس سے وہ بت منسوب ہوتا ہے اس لئے جن کے وہ بت ہوتے ان سے حاجتیں مانگتے تھے اور ان کے سننے کی نفی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ بت ملائکہ سے منسوب ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ تو زندہ ہیں ان کے سماع میں تنازعہ ہی نہیں۔ اگر شیاطین اور جنات کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں اور بحث تو سماع موتی میں ہے۔ زندوں کے سماع میں تو بحث ہی نہیں۔ رہا سوال اہل قبور کا تو وہ ان کے عقیدے کے مطابق معدوم ہو چکے۔ جب وہ حیات برزخ کے قائل نہیں تھے تو سماع موتی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا عقیدہ بالکل بندیالوی، نیلوی اور خارجی عقیدہ سے ملتا جلتا تھا۔ جیسا کہ نیلوی صاحب نے (ندائے حق ص ۱۵۷) پر فرمادیا کہ برزخ میں روح بھی نہیں سنتا بدن کا تو قصہ ہی چھوڑو۔ روح بھی نہیں سنتا اور سماع روح کا انکار واجب ہے۔ مگر (ص ۹۵) پر لکھ آئے ہیں کہ اسماع موتی ثابت ہے جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ یعنی مردے کو سنانا ثابت ہے مگر مردے کا سن لینا ثابت نہیں تو پھر وہ سنانا کس لئے ہے۔ عجیب منطق ہے کہ سنانے کا انکار کفر اور سننے کا اقرار کفر۔

اب ہم آیات بالا کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں متقدمین، مفسرین اور محدثین فقہاء اور علماء کا حاصل تحقیق بیان ہوگا اور یہاں یہ حال ہے کہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سے کسی نے کہا کہ سماع موتی پر کتاب لکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن "شیوخ" کو تم بات سمجھانا چاہتے ہو وہ تو بدرالدین عینی، شیخ ابن الہمام، علامہ آلوسی، علامہ شامی، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حجر عسقلانی، ملا علی القاری اور علامہ ابن حجر مکی جیسے لوگوں کو بھی پلے نہیں باندھتے اور جمہور کو زنبور کہتے ہیں۔ میں بھلا کس شمار میں ہوں کہ میری بات پر کان دھریں گے۔

مگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق ہیں ان کے سامنے حق واضح ہو جائے اور طالب ہدایت میں ان کے لئے رہنمائی کا سامان مہیا کر دیں۔ ورنہ "شیوخ" تو اس راستے میں جہاں تک پہنچ چکے ہیں وہاں سے پلٹنا محال ہے۔ صرف امید کی ایک کرن نظر آتی ہے کہ اللہ قادر ہے۔

آیت نمبر ۱: "والذین یدعون الخ"

اس میں سماع و عدم سماع کا اشارہ تک نہیں ہے۔ یہاں صرف خالقیت غیر کی نفی ہے۔ "وما یشعرون الخ" میں نفی علم قیامت کی ہے اور علم قیامت کے بھی دو حصے ہیں ایک علم بالوقوع دوسرا علم بوقت الوقوع۔ یہاں نفی ہو رہی ہے علم بوقت الوقوع کی۔ اس کی نفی سے سماع کی نفی کیسے ہو گئی؟ یہ تو وہی بات ہوئی ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ قرآن کے پیچھے چلنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔

آیت نمبر ۲: "وما یستوی الاحیاء الخ" یہاں زندہ اور مردہ کی مساوات کی نفی ہو رہی ہے اور وہ بھی علی العموم نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ انبیاء، اولیاء، شہداء سے زندہ کافر (مشرک افضل ہو) بہرحال زندہ اور مردہ کی عدم مساوات سے عدم سماع موتی کیوں کر ثابت ہو گیا۔

آیت نمبر ۳: "یوم یجمع اللہ الرسل الخ" مفسرین نے مختلف احتمالات بیان کر کے آخر میں آیت کا صحیح مفہوم یہ پیش کیا ہے۔ "لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا" (ابن جریر ج ۴ ص ۷۶)

اور ابن جریر نے یہی معنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کئے ہیں اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے کہا "واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناہ لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا"

علامہ خازن نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

امام رازی نے ایک اور قول صحیح لکھ کر کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہی قول ہے کہ "لا علم لنا الا انت اعلم بہ منا" حضرات انبیاء کا جواب یہ ہوگا کہ "لا علم لنا انک انت علام الغیوب" جس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں۔ مگر بار خدایا آپ اس کے متعلق ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ مگر "شیخ القرآن" نے اپنی تفسیر (جواہر القرآن ج اوّل حصہ دوم ص ۳۰۱) پر فرمایا ہے "اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء کرام سے ان کی وفات سے بعد کے حالات سے متعلق ہوگا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں اور کیا تم کو اس کا علم ہے تو اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ اے خدایا بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں جیسا اگلی آیت اس آیت کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے "کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم" بہت سے مفسرین نے اس سوال کو بعد الوفات کے حالات سے متعلق قرار دیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "لا علم لنا ان علمنا جوابہم لنا وقت حیاتنا ولا نعلم ما کان بعد وفاتنا" (کبیر)

گو "شیخ القرآن" نے تفسیر کے پردے میں اپنے مخصوص عقائد پھیلانے کی مہم تو چلا دی۔ مگر آپ سے یہ پوچھنے کا حق چھینا نہیں جا سکتا کہ حضرات! جن بہت سے مفسرین نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے ذرا ان کے نام تو بتا دیں۔ پھر اکثر مفسرین کہہ کر اپنی بات میں اور وزن پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو اور بھی بڑی جرأت ہے۔ مفسرین نے اس کے جو معنی صحیح اور راجح قرار دیئے ہیں وہ تو ہم اوپر بیان کر چکے۔ آپ بھی ذرا ان اکثر مفسرین کا حاصل تحقیق بیان تو فرما دیتے۔ آپ نے امام رازی کی ایک عبارت تو لکھ دی۔ مگر یہ بات کیوں بھول گئے کہ امام رازی نے تین احتمال بیان کئے۔ زیادہ اور صحیح وہی ہی جو میں نے اوپر بیان کر دی ہے اور جو شیخ القرآن کے بیان کردہ احتمال کے مقابلے میں صحیح تر ہے۔ پھر امام رازی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جو جواب ان لوگوں نے ہمیں دیا اس کا ہمیں علم ہے ہماری وفات کے بعد کے حالات کا ہمیں علم نہیں۔ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور تبلیغ رسالت کے متعلق ہوگا۔

جس تبلیغ رسالت کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور دار التکلیف دنیا میں اس تبلیغ کے مکلف تھے۔ برزخ نہ تو دار التکلیف ہے نہ برزخ میں وہ تبلیغ کے مکلف ہیں اور نہ برزخ میں جانے کے بعد ان سے دنیا کی باتوں یا اہل دنیا کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ امام رازی کی بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جواب دیں گے کہ اے اللہ! جب ہم دنیا میں تھے تبلیغ کے لئے مکلف تھے اور مخلوق کو تبلیغ کی جب ہم عالم برزخ میں آ گئے تو ہم مکلف نہ رہے۔ ان کے اعمال کا ہمیں جتنا علم ہے آپ خوب جانتے ہیں وہ علم ہے جس کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ "لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا" سے واضح ہے اور اسی قول کو امام رازی نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

رہا "وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم" سے متعلق اشکال تو یہ وہی گھسا پٹا سوال ہے جو مرزائیوں کا مایہ ناز اعتراض ہے اور اس کا جواب بلکہ، جواب مسکت دیا جا چکا ہے۔ مضمون بالکل صاف ہے کہ: "ءأنت قلت

للناس اتخذونی و امی الٰھین " تو جواب ہے "مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق " یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہوں گے۔ برزخ کا ذکر ہی کہاں ہے۔ مگر جسے تفسیر لکھنے کا شوق چرائے اور تفسیر کے پردے میں حق سے ہٹے ہوئے مخصوص عقائد پھیلانا مقصود ہو وہ اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ اس مسئلے کی زیادہ تحقیق درکار ہو تو علامہ انور شاہ کاشمیری کی التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اور پیر مہر علی شاہ صاحب کی سیف چشتیائی ملاحظہ فرمائیں۔

ان حقائق سے ہٹ کر اگر "شیخ القرآن" کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ علم کی نفی ثابت ہو گی سماع موتی کی نفی کہاں ثابت ہوئی اور سماع موتی سے اس آیت کا تعلق کیا ہے۔ تفسیر اسے نہیں کہتے کہ جس بات پر جس آیت کو چاہا فٹ کر دیا اور مفسر بن گئے۔ لفظ اور معنی میں جو تعلق ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دینا تفسیر نہیں کہلاتا۔

مختصر یہ کہ یہ سوال قیامت کے دن ہوں گے اور دار التکلیف دنیا میں تبلیغ کے متعلق سوال ہو گا جس کے لئے مبعوث ہوئے برزخ میں جانے کے بعد مکلف نہ رہے۔ پھر سوال کیسا؟

قرآن حکیم ایک اصول بیان کرتا ہے: "تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعملون (البقرۃ: ۱۳۴) نیز فما بال القرون الاولی، (طٰہٰ: ۵۱) قال علمھا عند ربی فی کتاب لا یضل ربی و لا ینسی " (طٰہٰ: ۵۱، ۵۲) یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہو گی۔ فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

معلوم ہوا جو لوگ مر کر برزخی جہنم یا جنت میں داخل ہو گئے ان کے متعلق انبیاء سے سوال نہ ہو گا تو جب انبیاء علیہم السلام برزخ میں چلے گئے ان سے دنیا والوں کے متعلق سوال کیوں کر ہو۔ رہا برزخ والوں کو دنیا والوں کے متعلق علم ہونے کا سوال تو اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ برزخ والوں کو دنیا والوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میدان قیامت تک بھی دنیا کا علم ہو گا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی قطعی نصوص اور احادیث نبوی میں موجود ہے۔ مثلاً:

۱...... "حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلّی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا" یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب مجھے پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں میں پھر جا کر نیک کام کروں۔ (مومنون: ۹۹، ۱۰۰)

۲...... "قیل ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی و جعلنی من المکرمین " ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔ (یٰسین: ۲۶، ۲۷)

برزخ میں قوم یاد ہے قوم کی بد اعمالی یاد ہے۔

علامہ تفتازانی سے شرح مقاصد میں شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں اجماعی عقیدہ بیان کیا ہے کہ برزخ میں میت کو دنیا والوں کا علم ہوتا ہے۔ انور شاہ صاحب نے عرف شذی (ص ۴۸۷) پر علامہ تفتازانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ان علم المیت مجمع علیہ" قرآن حکیم میں ۳۰ آیات موجود ہیں جو صاف دلالت کرتی ہیں کہ برزخ والوں کو دنیا کا علم ہوتا ہے۔ جو مسئلہ قرآن کی ایک آیت سے ثابت ہو۔ مثلاً محرمات کی تعیین اس پر عمل کرنا تو لازم ہو اور جو بات ۳۰ آیات میں بیان ہوئی ہو اس کا انکار کر دیا جائے بلکہ اس کا انکار کرانے کی مہم چلائی جائے اور جو قرآن

کا انکار نہ کرے اسے کافر قرار دیا جائے اور مزے سے "فتح القرآن" اور مفسر قرآن کہلوایا جائے۔

آیت نمبر ۴: "یوم نحشرھم جمیعا" (یونس:۲۸)

اس آیت میں دو مختصر سے جملے خاص طور پر قابل غور ہیں۔

اوّل "ما کنتم ایانا تعبدون" (یونس:۲۸) اس میں مطلق عبادت کی نفی نہیں بلکہ مقید کی نفی ہے۔ جو ایانا سے ظاہر ہے۔ یعنی تم عبادت تو کرتے تھے۔ مگر ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے اور ہم تمہارے معبود تھے ہی نہیں۔ تم عبادت کرتے تھے اپنی خواہشات کی اور تمہارا معبود تمہاری ہوائے نفس تھی۔ "ارأیت من اتخذ الھه ھواہ" (الفرقان:۴۳) تو یہ بھی صورت عبادت ہے۔ اصل عبادت تو جب ہو جب وہ حقیقی معبود بھی ہو۔ بہرحال یہاں نفی ہے تو علم عبادت ایانا کی۔ آخر اس سے نفی سماع کیوں کر ثابت کی جا سکتی ہے۔ ہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب بزرگوں کی قبروں پر لوگ جاتے ہیں۔ سجدے کرتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں اگر وہ بزرگ ان کی سنتے تو قیامت کے دن یہ کیونکر کہیں گے کہ "ما کنتم ایانا تعبدون" (یونس:۲۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو سمجھ لینا چاہئے کہ آیت مشرکین عرب کے حق میں نازل ہوئی اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ہاں قبروں پر جانا تھا نہ اہل قبور سے مراد مانگنا تھا۔ نہ قبروں پر سجدے کرنے کا دستور تھا۔ پھر ان پر اس کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے۔ چلئے آیت کو عام مان لیں تو اس سے بھی عبادت کا انکار کب ہو رہا ہے۔ انکار ایانا کا ہو رہا ہے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے نہ ہم معبود، نہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا ہاں تم نے اپنی خواہش نفس پوری کی اور خواہش نفسانی پر اعمال عبادت نہیں بنتے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ برزخ والوں کو ان لوگوں کی عبادت کے فعل اور اس کی حقیقت تک علم ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ کہیں گے کہ تم عبادت تو کرتے تھے مگر ہماری عبادت نہیں تھی۔ یہ جملہ تو سماع موتی کے اثبات میں قوی دلیل بنتا ہے۔

دوم: "ان کنا عن عبادتکم لغفلین" (یونس:۲۹) اس حصے کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے لئے لفظ غفلت کا مطلب سمجھ لینا ضروری ہے۔

قاموس میں ہے: "الغفلة اسم لترک الشئی و ذھاب القلب عنه الی غیرہ" غفلت نام ہے کسی چیز کو چھوڑنے کا اور قلب کی توجہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف چلے جانے کا۔

معلوم ہوا غفلت عدم سماع کو مستلزم نہیں بلکہ عدم حیات اور عدم علم کو بھی مستلزم نہیں۔ اس پر متعدد آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

۱...... "وان کنت من قبله لمن الغافلین" نزول قرآن سے پہلے اس قصہ سے آپ غافل تھے۔ (یوسف:۳)

۲...... "ودخل المدینة علی حین غفلة من اھلھا" حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اہل شہر غافل تھے۔ (قصص:۱۵)

۳...... "یاویلنا قد کنا فی غفلة من ھذا" افسوس ہم اس سے غافل تھے۔ (انبیاء:۹۷)

۴...... "لقد کنت فی غفلة من ھذا" آپ اس حکم سے غافل تھے۔ (ق:۲۲)

۵...... "واخاف ان یاکله الذئب وانتم عنه غافلون" (یوسف:۱۳)

۶...... "ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا" (الکہف:۲۸)

۷...... "والذین ھم عن ایاتنا غافلون" (یونس:۷)

۸...... "والذین یرمون المحصنٰت الغافلات" (نور:۴)

یہ تمام آیات زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کی توجہ کسی نہ کسی وجہ سے کسی کام سے ہٹی ہوئی تھی۔ حالاں کہ ان کی سماعت اور بصارت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ غفلت مستلزم عدم سماع کو نہیں ہے۔

اس لئے اس حصے سے عدم سماع ثابت کرنا قرآن فہمی تو نہیں البتہ خود فریبی اور ابلہ فریبی ضرور ہے۔ اس حصے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برزخ والے بعض لوگوں کے افعال کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ پھر بے توجہی کی دو صورتیں ہیں۔ اگر مراد بت ہوں تو بے توجہی ظاہر ہے۔ کیوں کہ وہ آلات توجہ سے ہی محروم ہیں اور اگر مراد ذی روح اور ذی عقل ہیں تو بے توجہی دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اگر وہ معذب ہیں تو وہ بیچارے ان لوگوں کی طرف توجہ کیوں کرنے لگے اور اگر جنت کی راحتوں میں ہیں تو وہ سرور ولذت انہیں دوسری طرف متوجہ کیسے ہونے دے۔

مختصر یہ کہ آیت کا یہ حصہ بھی اثبات سماع پر دال ہے کہ سن لینے باوجود ادھر متوجہ نہیں ہوئے۔ مگر جدید خوارج نے اپنے علم سے زور سے اثبات کی دلیل کو نفی کی دلیل بنا دیا۔

آیت نمبر ۵: "ومن اضل" (احقاف:۵)

اس آیت میں آخری جملہ سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ "وھم عن دعائھم غافلون" پس اس غافلون سے مراد عدم سماع لے لی۔ غفلت پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ لہٰذا یہ آیت بھی عدم سماع کی دلیل صرف دھاندلی سے ہی بن سکتی ہے۔

آیت نمبر ۶: "انک لاتسمع الموتٰی" اور آیت نمبر ۷: "ان اللہ یسمع من یشاء"

یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سناتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک فیصلہ کن بات فرمائی ہے کہ: "ان سماع الموتٰی ثابتۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع العباد ایاھم فنفی ببیان القرآن العزیز۔" مردوں کا سننا کثیر التعداد صحیح احادیث رسول سے ثابت ہے۔ رہا لوگوں کا مردوں کو سنانا تو قرآن کی راہنمائی سے اس کی نفی ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۷)

یعنی یہاں اسماع کی نفی ہو رہی ہے سماع کی نہیں۔

فیض الباری میں ہے: "اذا مر احدکم بقبر رجل یعرفہ یرد اللہ روحہ فدل علی رد الروح علیہ فلا یسمع فی کل وقت" یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ میت ہر وقت نہیں سنتا۔ (ج ۴ ص ۹۱)

اس حدیث سے یہ امر واضح ہے کہ جب کوئی شخص قبر کے پاس سے گزرے اور السلام علیکم کہے تو میت اس کو سنتا ہے۔ مگر جب قبر کے پاس سے گزرے کوئی نہیں اور سلام کوئی نہ کہے تو میت سنے کیا؟ یعنی کوئی کہے تو سنے بن کہے کیا سنے۔

تمام مفسرین، محدثین متکلمین اس پر متفق ہیں کہ روح کا تعلق برزخ میں بدن عنصری سے ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جس ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ جس قدر مطلع فرما دے وہ قادر ہے۔ مگر عام تعلق کی کیفیت مجہول ہے جیسا کہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

"وحیث کان بھا علی الصحیح تعلق لا یعلم حقیقتہ و کیفیتہ الا اللہ عزوجل کلہ او بعضہ بعد الموت وھو غیر التعلق بالبدن الذی کان لھا قبلہ" اور صحیح مذہب یہ ہے کہ روح کا تعلق بدن سے ہے جس کی

کیفیت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے بدن کے بعض حصہ سے ہے یا کل سے ہے اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے جو دنیا میں روح کا بدن سے ہوتا ہے۔　　(روح المعانی ج ۲۳ ص ۵۸)

بدن کے ساتھ روح کا تعلق اجماعی عقیدہ ہے۔ سوائے دو مدعیان علم جاہلوں کے سب مانتے ہیں۔ حتیٰ کہ قاضی شمس الدین صاحب نے (تسکین القلوب ص ۷۰) پر اس کا اقرار کیا ہے۔ بہر حال تعلق مسلم ہے اور بدن عنصری سے تعلق مانا گیا ہے اور ہر وقت ہوتا ہے۔ رہی کیفیت تعلق تو وہ معلوم نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کی روایت "اذا مر الرجل الخ" سے صاف ظاہر ہے کہ میت جب سلام کا جواب دیتا ہے تو یہ فعل اس تعلق ہی کی وجہ سے ہوتا ہے جو روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے یرد اللہ روحہ سے مراد روح کا بدن کو سلام کی طرف توجہ دلانا ہے یہ نہیں کہ بار بار روح کو نکالا اور لوٹایا جاتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مٹی اور پتھر بھی سن لیتے ہیں تو اعادہ روح کی حاجت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو سماع کی نوعیت جدا ہے۔ پھر سننا اور چیز ہے اور سن کے جواب دینا دوسری چیز ہے۔ روح کا تعلق جسم عنصری کے ہر ذرہ سے ہوتا ہے بالذات روح سنتا ہے اور بدن کو سلام کا جواب دینے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ "وما انت بمسمع من فی القبور" (فاطر: ۲۲) ترجمہ: آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ اس کا مفہوم اور اس کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

اسباب طبعیہ عادیہ کے تحت کسی فاعل کا فعل اثر و نتیجہ کی طرف پہنچائے تو اس اثر اور نتیجہ کو اس فعل اور فاعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے "ضرب زید عمروا، قتل زید عمروا" ضرب اور قتل کے فعل کے اثر کو جو اسباب عادیہ کے تحت ہے۔ زید کی طرف منسوب کیا ہے اور جب اثر و نتیجہ کا ترتب محض قدرت خداوندی سے ہو اور خرق عادت کے طریقہ سے ہو بلکہ نظام عالم کے خلاف واقع ہو تو اس فعل کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خواہ کسی انسان کے ہاتھ سے بھی صادر ہو مگر خرق عادت کے طور پر ہو تو خدا کی طرف منسوب ہوگا کیوں کہ خدا کی قدرت سے اس بندہ کے ہاتھ سے صادر ہوا۔

کما قال تعالیٰ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی"　　(الانفال: ۱۷)

اسی طرح ان اللہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور (فاطر: ۲۲) اور انک لا تسمع الموتیٰ (النمل: ۸۰) سے مراد یہ ہے۔

"ان سماع الموتٰی کلام الاحیاء لیس داخلاً فی دائرۃ الاسباب الطبعیۃ العادیۃ ولھذا لیس لنا قدرۃ علی اسماعھم ولکن اللہ قادر علی ان یخرق العادۃ او ینشئ اسباب خفیۃ مجھولۃ فیسمعھم" مردوں کا زندوں کی کلام سننا اسباب عادیہ طبعیہ کے دائرہ میں داخل نہیں اس وجہ سے ہمیں قدرت حاصل نہیں کہ ان کو سنا سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خرق عادت کے طور پر سنائے یا کوئی خفیہ اسباب پیدا کر کے انہیں ہماری بات سنا دے۔

اس سلسلے میں یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سنانا زندوں کا فعل ہے اور سننا مردوں کا فعل ہے۔ مردے تو سنتے ہیں اسی وجہ سے کثیر التعداد صحیح احادیث میں سماع موتیٰ کا اثبات موجود ہے اور اسماع کی نفی قرآن حکیم سے معلوم ہوتی ہے جو زندوں کا فعل ہے۔ چونکہ مردے عالم برزخ میں ہیں وہ دوسرا جہان ہے غیر ملک ہے وہاں کے آداب مختلف وہاں کا نظام جدا اور دونوں جہانوں کے درمیان اتنا بعد پھر زندہ لوگ اس جہاں میں رہ کر اس جہان والوں کو اپنی بات کیسے سنا سکیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماع کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ ان اللہ یسمع من یشاء

یعنی اہل دنیا کی آواز برزخ تک پہنچنا۔ اسباب عادیہ طبعیہ کے تحت نہیں آسکتی اور اللہ تو اسباب عادیہ طبعیہ کا پابند نہیں لہٰذا فرمایا کہ (وما انت بمسمع من فی القبور)

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں نہ سماع کی نفی ہے نہ اسماع کی بلکہ زندوں کی آواز بالذات برزخ میں پہنچنے کی نفی ہے یعنی تم خود بالذات اپنی آواز مردوں تک نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک قدرت باری شامل نہ ہو بتایا کہ تمہاری آواز ان تک جائے تو مردے لازماً سنتے ہیں۔ مگر وہاں تک تمہاری آواز کی رسائی قدرت باری پر موقوف اور امور خرق عادت میں داخل ہے۔ اصل فعل کی نفی نہیں ہو رہی۔ فعل تو یقیناً صادر ہوا ہے جیسے "فلم تقتلوھم" میں فعل قتل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیوں کہ صحابہ کے ہاتھوں کفار قتل تو ہوئے اور "وما رمیت" میں مٹھی پھینکنے کے فعل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیوں کہ یہ فعل تو ہوا اس لئے نفی فعل کی نہیں بلکہ اس فعل کا جو اثر اور نتیجہ مرتب ہوا۔ اس کی نسبت اپنی طرف کر رہا ہے اور صحابہ اور رسول کریم ﷺ کی طرف نسبت کی نفی کر رہا۔ اس لئے "وما انت بمسمع من فی القبور" میں نفی فعل السماع کی نہیں ہو رہی بلکہ اس فعل کا ثمرہ اثر اور نتیجہ جو آواز کا پہنچانا ہے۔ اس کی نسبت کی نفی ہو رہی ہے کہ یہ تیرا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی اشکال یا تعارض نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب نے اس نفی کی توجیہ ایک اور انداز سے کی ہے "او نفیه بحسم عالمنا فان السماع ان کان فهو فی عالم اخر اومافی عالمنا فهو کالمعدوم" سماع کی نفی ہمارے جہاں کے اعتبار سے ہے۔ اگر وہ سنتے ہیں تو دوسرے عالم یعنی برزخ میں سنتے ہیں۔ ہمارے عالم میں وہ ہیں نہیں تو یہاں سنیں کیسے؟

(فیض الباری ج ۴ ص ۹۰)

حضرت شاہ صاحب نے "من فی القبور" اور "ولا تسمع الموتی" سے زندہ کفار مراد لئے ہیں اور عدم سماع سے عدم عمل مراد ہے۔ فرماتے ہیں: "قلت عدم السماع والسمع والاستماع کلها بمعنی عدم العمل لان السمع یکون للعمل فاذا لم یعمل به فکانه لم یسمعه تقول قلت له مراراً ان لا یترک الصلوٰة ولکنه لم یسمع کلامی ای لا یعمل به یقال فی الفارسیة نشنود یعنی عمل نمی کند۔ بل الاحسن ان یقال ما نتا نہیں۔" میں کہتا ہوں عدم سماع، عدم سمع اور عدم استماع سب بمعنی عدم عمل ہیں سننے کا مقصد عمل کرنا ہوتا ہے۔ جب عمل نہیں کیا تو گویا سنا ہی نہیں۔ تم کہتے ہو میں نے اسے کئی بار کہا کہ نماز نہ چھوڑو مگر اس نے میری ایک نہ سنی یعنی میری بات پر عمل نہ کیا۔ فارسی میں کہتے ہیں وہ نہیں سنتا مراد ہے کہ عمل نہیں کرتا۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ بات مانتا نہیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

چونکہ کفار نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے تھے یعنی سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق کہا گیا کہ یہ کلام کو سنتے ہی نہیں۔

پھر فرمایا: "او اله علی حد قوله تعالی صم بکم عمی مع وجود السمع والنطق والبصر کما اجاب السیوطی وایة النفی معناها سماع هدی لا یقبلون" یا وہ اس حالت پر ہیں جیسے بہرے گونگے اندھے حالاں کہ ان کے کان، زبان اور آنکھیں موجود ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطی نے جواب دیا کہ قرآن میں سماع کی جو نفی آئی ہے وہ سماع ہدایت ہے یعنی آپ کی تبلیغ سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی نہ آپ کی بات قبول کرتے ہیں۔

یہ حکم کفار کے حق میں اکثر بیان ہو چکا ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا: "انهم کانوا قوماً عمین" تو کیا قوم کے تمام افراد نابینا تھے؟ نہیں آنکھیں تو موجود تھیں ان میں بصارت بھی تھی مگر جہاں تک حق

دیکھنے کا تعلق ہے وہ اندھے تھے۔

پھر فرماتے ہیں: ''وحاصل الأیۃ علی طورہ ان ھولاء الکفار کالموتی فلا تنفع ھدایتک فیھم لان نفعھا انما کان فی حیاتھم وقد مضی وقتھا کذالک ھولاء (ای الکفار) وان کانوا احیاء الا ان ھدایتک غیر نافعۃ لھم لکونھم مثل الاموات فی عدم الانتفاع فلیس الغرض منہ نفی السماع بل نفی الانتفاع'' امام سیوطی کے طریقہ پر آیت کا حاصل یہ ہے کہ کفار مردہ کی مانند ہیں۔ آپ کی ہدایت سے مردہ کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ نفع تو دنیوی زندگی میں اٹھایا جا سکتا تھا۔ وہ یہاں سے جا چکے۔ اسی طرح یہ زندہ کفار بھی ہیں کہ آپ کی ہدایت ان کے لئے سودمند نہیں۔ کیوں کہ فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے یہ بھی مردوں کی طرح ہیں تو یہاں سماع کی نفی نہیں بلکہ انتفاع یعنی فائدہ اٹھانے کی نفی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

آیت نمبر ۸: ''والذین تدعون'' آیت میں کئی امور قابل غور ہیں۔

۱...... تدعون صیغہ حاضر کا ہے، حاضرین سے مراد کون ہیں؟ آیت مکی ہے لہٰذا اس سے مراد مشرکین مکہ ہی ہو سکتے ہیں جو آیت کفار کے حق میں نازل ہوا سے مسلمانوں پر چسپاں کرنا خوارج کی خصوصیت ہے۔ خواہ وہ قدیم خوارج ہوں یا ماڈرن۔

۲...... آیت میں عموم ہے یا خصوص۔ اگر خصوص ہے تو مراد بت ہوئے کیوں کہ مخاطبین مشرکین مکہ بت پرست تھے۔

۳...... جواب قولی ہے یا فعلی ہے۔

۴...... دعاء کم سے مراد عام ہے یا خاص؟ ظاہر ہے کہ عام تو مراد ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا خاص مراد ہوگی۔ یعنی جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو وہ اسے سن نہیں سکتے۔ دعا کا لفظ جو کم سے مقید ہے۔ اس کو سن نہیں سکتے۔ مراد بت ہوں یا جدید خوارج کے خیال کے مطابق عام ہو۔ بہرحال ان کی بات سننا ان کی قدرت سے باہر ہے۔ یہ عدم سماع دو وجہ سے ہوا۔ بت ہو تو وجہ فقدان آلات سماع، عام ہو تو بوجہ عدم قدرت یعنی ان کی مطلب برآری نہیں کر سکتے۔

''من دونہ'' سے مراد عام لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تدعون کے فاعل جو مشرکین ہیں۔ اللہ کے بغیر جسے بھی بلائیں وہ نہیں سنتا۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ یا حاضر ہو یا غائب۔ کیوں کہ آیت میں من دونہ مطلق ہے۔ زندہ مردہ کی کوئی قید مذکور نہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عام مراد لینا تو غلط ہے۔ لہٰذا مراد خاص ہے اور وہ بتوں کے بغیر کوئی اور ہو نہیں سن سکتا۔ لہٰذا بلانا سے مراد بتوں سے اپنی حاجت طلب کرنا ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ اگر خاص ہے تو ''ان تدعیتو بھم فی النوائب والمصائب لا یسمعون دعاء کم لکونھا جمادات'' اگر تم ان کو مصائب میں پکارو تو یہ سن نہیں سکتے۔ کیوں کہ پتھر جو ہوئے۔

اور اگر عام ہو تو ''لا یسمعون دعاء کم الذی دعوتموھم الیہ من الکفر والشرک'' جس تکلیف کے لئے تم انہیں پکارتے ہو وہ اسے دور نہیں کر سکتے۔

یعنی سن تو لیتے مگر مصائب دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا ان کا سننا گویا نہ سننا ہوا۔ آیت میں ان تمام احتمالات کو سامنے رکھئے اور نیلوی صاحب کے اس دعوے کا وزن کیجئے کہ یہ آیت عدم سماع پر نص قطعی ہے۔ نص قطعی کی اصطلاح کی بھی وہ خبر لی کہ علم سر پیٹ کے رہ گیا۔ نیز آپ نے ''وھم عن دعائھم غافلون'' کو بھی عدم سماع کے لئے نص قطعی قرار دیا۔ اس ''نص قطعی'' کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

ایک نادر تحقیق

(ندائے حق ص ۹۵) پر ایک نادر تحقیق درج ہے۔ فرماتے ہیں "سماع موتی کی نفی قطعی ہے جیسے طلاق کے مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ "انت طالق ان شاء اللہ" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیوں کہ شرط تو مشیت ایزدی کے علم میں ہے۔ لہٰذا اس کی اصل عدم طلاق تھی اس لئے ابھی تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے۔ اسی پر مسئلہ سماع کا بھی قیاس کر لینا۔"

اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ معلق ہو گیا مشیت باری سے اور مشیت باری کا علم نہیں لہٰذا شرط معدوم ہو گئی۔ نتیجہ یہ کہ جزا بھی معدوم ہو گئی گویا سماع معدوم ہو گیا اور سماع موتی کی نفی قطعی ہو گئی۔

یہ قیاس اور اجتہاد صورۃً بڑا علمی کارنامہ نظر آتا ہے۔ مگر حقیقۃً اس کا ہر جزو جہالت کا شاہکار ہے۔ اس نیلوی کلیہ کے نتائج ملاحظہ ہوں:

۱...... "قال تعالیٰ یغفر لمن یشاء ویعذب من یشآء" (فتح: ۱۴) نیلوی کلیہ کے مطابق پہلے جزو میں مخلوق کے لئے مغفرت مشیت ایزدی کی شرط کی وجہ سے معلق ہو گئی اور مشیت ایزدی کا علم نہیں۔ لہٰذا شرط کے معدوم ہونے سے جزا جو مغفرت ہے معدوم ہو گئی۔ معاملہ اپنی اصل پر قائم رہا اور مغفرت کا قصہ ختم، مخلوق خدا مغفرت سے محروم ہو گئی۔

۲...... "یھدی من یشآء" اسی کلیے کے تحت ہدایت کے لئے شرط مشیت ایزدی ہے جو معلوم نہیں پس شرط معدوم ہوئی تو جزا بھی معدوم۔ یعنی ہدایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بات اپنی اصل پر قائم رہے گی۔

۳...... "یضل من یشآء" اسی کلیے کے تحت ضلالت کا وجود ہی نہیں پایا جاتا۔ کفار شیاطین حتیٰ کہ اس تحقیق کے فاضل محقق بھی ضلالت سے بچ گئے اور دنیا میں کفر و شرک کا وجود ہی نہ رہا۔ بلکہ یہ الفاظ ہی بے معنی ہو گئے۔

۴...... "یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر" یعنی رزق کی تنگی و فراخی محض الفاظ اور بہلاوے رہ گئے۔ (الرعد: ۲۶)

کیا ٹھکانا اس جہالت کا۔ اوّل تو خالق کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف پر قیاس کیا۔ پھر یہ تو دیکھا کہ طلاق کی پیش کردہ صورت میں لفظ ان شرطیہ ہے۔ اس وجہ سے یہ جملہ شرطیہ ہے اور "ان اللہ یسمع من یشآء" جملہ خبریہ ہے۔ اللہ اسم ہے۔ انّ کا اور یسمع من یشآء جملہ خبر ہے انّ کی۔ اس جملے میں حرف شرط کہاں ہے کہ جملے میں شرط و جزا بنائی جائے۔ معلوم ہوتا ہے محقق صاحب کو دونوں جملوں اور ان میں تمیز کرنے کی توفیق نہ ملی۔

"ندائے حق" کیا ہے برعکس نہند نام زنگی کافور کی مجسم مثال۔ اہلسنت والجماعت کے مسلہ اور اجماعی عقائد سے سادہ لوح مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی سعی نامشکور اور جہالت کے نادر نمونوں کا شاہکار۔

جدید معتزلہ اور ماڈرن خوارج کے عقائد اور ان کا جائزہ

۱...... صاحب (اقامۃ البرہان شیخ القرآن) کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(الف) سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ (ص ۶۷)

(ب) یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے۔ (ص ۶۷)

(ج) امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماء کرام کی یہ

رائے ہے کہ مردے سنتے ہیں جب کہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بنا پر سماع موتی کی نفی کی ہے۔ (ص ۶۷)

(د) علمائے کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں۔ جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظاہر قرآن اور احادیث صحیح سے ہے۔ جب کہ قائلین سماع موتی بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (ص ۶۷)

(ر) حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور احوال برزخ کا علم وحی کے سوا ممکن نہیں۔

۲...... میر کارواں حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب اپنی کتاب مسالک العلماء میں فرماتے ہیں "اور بہت سے یہ حفاظ کرام سمع موتی کے بھی قائل ہیں۔"

۳...... بندیالوی صاحب اپنی کتاب (اقوال مرضیہ ص ۴) پر فرماتے ہیں: "محمد امیر تمام برادران اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مسئلہ سماع موتی اگرچہ ذاتی طور پر قابل بحث نہ تھا اور نہ ہے۔"

یعنی یہ مسئلہ ضروریات دین اور اعتقادیات سے تعلق نہیں رکھتا۔

۴...... (تفسیر جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۳) پر وہی عبارت ہے جو اقامۃ البرہان کے حوالہ سے اوپر درج کی گئی ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں کہ جن کے نفی اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہو۔"

اس جماعت کے مختلف بزرگوں کے ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) سماع موتی کا مسئلہ اعتقادات ضروریہ سے تعلق نہیں رکھتا جس کی نفی یا اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہو۔

(۲) یہ مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

(۳) علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں دو رائیں رہی ہیں اور دونوں کے پاس دلائل ہیں۔

(۴) یہ مسئلہ قابل بحث تھا، نہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ باتیں صرف کہنے کی ہیں یا عمل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے۔ اگر ہے تو آپ نے ایک رائے منوانے کے لئے جو ورق سیاہ کئے اس کا محرک کون سا جذبہ تھا۔ جب صحابہ میں مختلف فیہ رہا اور اس کے باوجود نہ جھگڑا ہوا نہ بحث ہوئی نہ تکفیر تک نوبت پہنچی تو آپ نے یہ شغل اختیار کیوں کیا۔

جب اس مسئلہ کے نفی و اثبات پر کفر واسلام کا مدار نہیں تو آپ نے اسے مدار کیوں بنایا۔ جب علمائے امت میں دو رائیں رہی ہیں اور ہر رائے استدلال پر مبنی ہے تو آپ نے ایک رائے منوانے اور دوسری رائے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں صرف کر دیا۔

جب یہ مسئلہ قابل بحث نہیں تھا تو آپ نے ایک رائے کو جو استدلال پر مبنی تھی غلط قرار دے کر دوسری رائے منوانے کے لئے اسے قابل بحث کیوں بنایا۔ آپ کے قول و فعل میں یہ تضاد کس بات کا آئینہ دار ہے؟

ان ارشادات میں سے دو امور تفصیل طلب ہیں:

۱...... صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کون سی جماعت عدم سماع کی قائل تھی۔ ذرا اس جماعت کے اتنے افراد کے نام تو بیان فرمائیں کہ انہیں دوسری جماعت کے مقابلے میں جماعت کہا جا سکے۔ اب تک آپ سے یہ تو نہ ہو سکا۔ لے دے کے ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام آپ پیش کرتے ہیں۔ اس پر اسی کتاب کے باب "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور

سماع موتی'' میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... حضرت عائشہ ﷝ کا رجوع ثابت کیا جا چکا ہے۔

۲...... حضرت عائشہ ﷝ کا قول جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

۳...... کسی صحابی نے حضرت عائشہ ﷝ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔

۴...... حضرت عائشہ ﷝ بدر کے واقعہ میں وہاں موجود نہ تھیں۔

۵...... بدر کے مقام پر تین سو کے قریب جماعت صحابہ کے سامنے مردہ کفار قلیب بدر سے کلام کی۔ جس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

صرف حضرت عمر ﷜ نے از راہ تعجب استفسار کیا۔ جس کے جواب میں حضور ﷺ نے جتید حلف فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر ﷜ کا ردعمل کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا کوئی قول پیش کیجئے۔ جس سے ظاہر ہو کہ وہ نفی سماع کے قائل تھے۔ اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں ''حضرت عمر ﷜ کے سماع سے انکار کی حقیقت'' کے عنوان کے تحت دی جا چکی ہے۔ خدا کا رسول اللہ کی قسم کھا کر ایک حقیقت کا اثبات بیان کر رہا ہے اور آپ حضرات رسول خدا کی بات کو بے وزن قرار دے کر حضرت عمر ﷜ اور حضرت عائشہ ﷝ کو رسول خدا کا مخالف ثابت کر رہے ہیں۔ کیا ٹھکانہ اس جرأت رندانہ کا؟ حضرت عمر ﷜ کا واقعہ صاف بتاتا ہے کہ سماع موتی پر بدری صحابہ ﷡ کا اجماع ہوا۔

دوسری بات جو ان ارشادات میں غور طلب ہے جز ''د'' کے تحت بیان ہوئی ہے کہ ''جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔'' ہماری یہ تحدی ہے کہ ایک صحیح حدیث عدم سماع موتی کے حق میں پیش کی جائے۔ ان حضرات کی اتنی کوششوں کے باوجود آج تک ایک صحیح حدیث بھی پیش نہیں کر سکے۔ پھر یہ کہنا نفی سماع کا عقیدہ احادیث صحیحہ پر مبنی ہے۔ خدا جانے یہ خود فریبی ہے یا ابلہ فریبی۔ صحیح حدیث تو ایک طرف، عدم سماع کے حق میں کوئی ضعیف حدیث ہی پیش کی جائے۔ ہاں موضوع حدیث قابل قبول نہ ہوگی۔ کیا ان حضرات کی نگاہ سے یہ حدیث نہیں گزری کہ من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار!

رہا سوال ظواہر قرآن کا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظاہری الفاظ قرآن سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیجئے ان آیات سے ظاہر الفاظ قرآن سے دلیل پکڑ کے مطلب بیان کریں۔

۱...... ''من كان في هذه اعمى فهو في الأخرة اعمى'' (بنی اسرائیل:۷۲)

۲...... کفار و منافقین کے حق میں فرمایا: ''صم بكم عمى فهم لا يرجعون'' (البقرۃ:۱۸)

۳...... قوم نوح کے حق میں فرمایا: ''انهم كانوا قوما عمين'' (اعراف:۶۴) یقیناً آپ ان آیات میں اندھے بہرے گونگے وغیرہ کے وہ معنی لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے جن کے لئے بظاہر یہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں۔ لیجئے اب ان آیات پر غور فرمائیں۔

۱...... ''ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات'' (البقرۃ:۱۵۴)

۲...... ''ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا'' (آل عمران:۱۶۹)

دیکھئے قرآن حکیم ظاہر الفاظ سے کھلا کھلا اعلان کر رہا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ یہ دل میں خیال تک نہ لاؤ۔ کیا صرف سماع موتی کے مسئلہ میں ظاہر قرآن کا سہارا لینا ضروری ہے۔ باقی امور میں ظاہر قرآن سے کچھ سروکار نہیں؟

ان حضرات کا ایک سہارا وہ ہے جس کا اظہار (اقامۃ البرہان ص ۷۸) پر شیخ القرآن کی تائید میں کیا گیا ہے۔
"لوگوں میں جو عرف قائم ہوتا ہے اس کی بھی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے۔ بلا دلیل کوئی عرف قائم نہیں ہوتا۔ مثلاً دیوار سے، درخت سے، پتھروں وغیرہ سے کلام کرنے کو بھی عرف عام میں کلام نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام سے جو مقصود ہوتا ہے یعنی اسماع اور افہام سنانا اور سمجھانا وہ یہاں مفقود ہوتا ہے اسی طرح میت میں بھی مفقود ہے۔"

یعنی یہ اس بات کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ایمان کا مبنی عرف ہوتا ہے۔ مگر جواب کی بنیاد ہی غلط ہے۔

۱...... عرف میں کلام اس کو کہا جاتا ہے جو جانبین میں، دنیوی امور یا دینی امور کے متعلق دنیا میں ہو۔ جن امور کے متعلق فریقین دنیا میں محتاج ہوں۔

۲...... کلام بالذات بدن سے ہو، روح سے بالذات نہیں۔

۳...... کلام بطور عادت ہو نہ کہ بطور خرق عادت۔ یعنی کلام جس سے ہو رہی ہو وہ حقیقتاً یا حکماً سامنے ہو اور کلام مادی آلہ یعنی زبان سے کرے اور فریق ثانی مادی آلہ زبان سے جواب دے۔

ان وجوہات کی بناء پر فقہائے احناف نے حکم دیا ہے کہ قسموں کی بنا عرف پر ہے اس سے شریعت کا تعلق نہیں اور بیان کردہ شرائط بالذات بدن میت میں مفقود ہیں۔ نہ یہ کہ بدن میت سنتا نہیں یا سمجھتا نہیں۔ چوں کہ میت عالم برزخ میں ہے۔ اس پر عالم برزخ کے احکام جاری ہوں گے۔ برزخ لطیف، وہاں کی تمام اشیاء لطیف، کلام لطیف اس لئے عالم دنیا اور عالم برزخ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور عالم برزخ والوں سے کلام عادت کے طور پر نہیں بلکہ خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے۔

اس لئے صاحب اقامۃ کے بیان میں یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ میت میں کلام کا مقصود یعنی سنانا اور سمجھانا ہی مفقود ہے۔

ان کا آخری سہارا "فتاویٰ الغرائب فی تحقیق مذاہب" میں امام صاحب سے منسوب ایک قول ہے۔ اس کا تفصیلی جواب تو گزر چکا ہے۔ اجمالاً یہ تو بتاؤ کہ کیا فتاویٰ الغرائب کا وجود بھی دنیا میں کہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے مصنف کا نام بتائیں کیا یہ طبقہ علماء میں سے ہے۔

"من یاتی القبور" میں من سے کون شخص مراد ہے۔ کس شہر کے قبرستان کا واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "فتاویٰ" فرضی کتاب مجہول، مصنف مجہول اور ناقل جاہل۔ اس پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ امام صاحب کے کسی شاگرد امام ابو یوسف یا امام محمد کا قول تو پیش کیا ہوتا۔ سن لیجئے امام صاحب کا قول تو پیش کیا ہوتا۔ سن لیجئے امام صاحب کا مذہب وہی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ملا علی القاری ترجمان حنفیت کا قلمی رسالہ ہم نے دیکھا ہے جس نے فرضی فتاویٰ الغرائب کا پول کھول دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ان المشهور علی السنة الناس ان ابا حنیفة ینکر سماع الموتی لیس له اصل من الائمة اصلا واما الحکایة بان ابا حنیفة رأی من یاتی لقبور باهل الصلاح فیسلم ویتکلم ویقول یا اهل القبور هل لکم من خبر وهل عند کم من الر الخ۔ فسمع ابو حنیفة یقول مخاطبة لهم فقال هل اجابو الک قال لا فقال له سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجساد لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ

انک لا تسمع الموتی فلیس له اصل فی الکتب المشهورة ولم ینقل من الائمة الثلاثة بل اخذ هذا من مسئلة فی باب الایمان۔ الخ''

لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحب سماع موتی کے منکر ہیں، ہمارے ائمہ سے اس کی کوئی اصل نہیں۔ رہی یہ حکایت کہ امام صاحب نے ایک آدمی کو دیکھا جو نیک لوگوں کی قبروں پر جاتا۔ انہیں سلام کہتا ان سے خطاب کرتا۔ اے اہل قبور کیا تمہیں خبر ہے کہ کتنی مدت سے میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ تو امام صاحب نے سن کر فرمایا کیا انہوں نے تمہیں کوئی جواب دیا۔ کہا نہیں! تو فرمایا تو ہلاک ہو جائے کیا تو ایسے بدنوں سے کلام کر رہا ہے جو جواب کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے پاس کوئی چیز ہے نہ وہ آواز سنتے ہیں۔ پھر امام صاحب نے قرآن حکیم کی آیت پڑھی ''انک لاتسمع الموتی الخ'' پس اس حکایت کی کوئی اصل نہیں نہ تو یہ کتب مشہورہ میں موجود ہے۔ نہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے بلکہ یہ مسئلہ قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔

لیجئے اس جھوٹی حکایت کی قلعی کھل گئی۔ ان بزرجمہروں نے امام صاحب کے مذہب کی بنیاد محض ایک حکایت پر رکھی اور وہ بھی جھوٹی۔ دلیل کتنی وزنی ہے۔ لطف یہ ہے کہ اسی حکایت میں میتوں کے لئے السلام علیکم کا لفظ بھی موجود ہے۔ جیسے احادیث میں السلام علیکم دار قوم مؤمنین موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب السلام علیکم سن لیتے ہیں تو باقی کلام سن لینے میں کون سا ہمالیہ حائل ہو جاتا ہے۔

شیخ انور نے (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں یہ بات بھی واضح کر دی: ''واعلم ان مسئلة الکلام وسماعه واحدة'' خوب جان لو میت سے کلام کرنا السلام علیکم کہنا اور میت کا سننا ایک ہی بات ہے۔

پھر ایک نئی بحث چھیڑتے ہیں کہ موضح القرآن میں ہے کہ ''دھڑ نہیں سنتا جو قبر میں پڑا ہے روح سنتا ہے۔'' یہاں بھی بات وہی ہے کہ سمجھ کا پھیر ہے۔ سنئے حالتیں دو ہیں۔ دنیا میں بدن بالذات مکلف ہے اور روح بالتبع دنیا میں بالذات بدن دیکھتا سنتا بولتا ہے۔ مخاطب بھی بالذات بدن ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ روح دیکھنے سننے بولنے سے عاری ہے۔ دونوں سنتے دیکھتے بولتے ہیں فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔

دوسری حالت برزخی ہے، برزخ میں روح مکلف بالذات ہے اور بدن بالتبع کلام بالذات روح کرتا ہے اور روح سنتا ہے ثواب وعذاب بالذات روح پر ہوتے ہیں۔ مگر اس سے یہ مراد کہاں ہے کہ بدن سنتا ہی نہیں، اسے عذاب وثواب کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں بھی فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔ بدن بالتبع سنتا ہے، بالذات نہیں سنتا۔ جہاں بھی علماء نے بدن کے سننے کی نفی کی ہے وہ بالذات کی نفی ہے۔ جب پہلے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ مٹی زمین آگ پتھر پانی ہوا آسمان وزمین حجر وشجر تمام چیزیں سنتی ہیں تو بدن میت جب مٹی ہو جاتا ہے تو اس مٹی کو سننے میں کون سی چیز مانع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد ہوتی ہے بدن بالذات نہیں سنتا۔

آیت ''انک لاتسمع الموتی'' اور ''وما انت بمسمع من فی القبور'' کی تفصیل تفسیر حقانی سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سورہ روم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث واقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتی باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقعہ نہیں مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتی کا اشارہ تک بھی نہیں۔ اس لئے ان آیات سے استدلال

کرنا بے فائدہ بات ہے۔ رہے احادیث واقوال ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میت نہیں سنتا۔ بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ ازانجملہ وہ احادیث جو زیارت قبور کے باب میں وارد ہوئی ہیں جن میں مردوں سے خطاب کر کے کلام کیا جیسا ترمذی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو فرمایا السلام علیکم یا اھل القبور اسی طرح مسلم نے حضرت عائشہ ؓ سے روایت کیا کہ رسول خدا نے جنت البقیع میں جا کر یہی فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔

ازانجملہ احادیث عذاب وثواب قبر میں جیسا بخاری، مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس ہوتے ہیں تو ''انه يسمع قرع نعالهم'' ازانجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمر ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ سنتے ہیں فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ لیکن جواب نہیں دیتے۔ اس کو بھی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

نقلی دلائل کے جوابات ہو چکے۔ اب رہی بحث عقلی دلائل کی۔ تو عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے۔

موضح القرآن کے حوالہ سے بحث چھیڑی تھی کہ روح سنتا ہے۔ دھڑ نہیں سنتا۔ لیجئے نیلوی صاحب نے اس کا بھی تیا پانچا کر دیا۔ (ندائے حق ص ۱۵۸) فرماتے ہیں ''البتہ روح کے سننے نہ سننے میں حنفیہ اور شوافع کا اختلاف ہے۔ ارجح یعنی راجح بلحاظ دلائل کے عدم سماع ہے اور زمانہ حال میں جب کہ قبر پرستی اور کفر وشرک کا دور دورہ ہے۔ انکار سماع کا فتویٰ دینا علماء اسلام پر واجب ہے۔''

لیجئے روح کا سننا بھی ختم، دعویٰ دیکھئے اور مشورہ سنئے۔ یعنی جسم کا کوئی عضو بیمار ہے تو اس کا علاج نہ کرو بلکہ عضو ہی کاٹ دو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ صاحب موضح القرآن کے عہد میں روح سنتا تھا۔ نیلوی صاحب کے زمانہ میں روح بھی بہرا ہو گیا۔

نیلوی صاحب نے جابجا علماء دیوبند کو بناسپتی دیوبندی لکھا ہے اور اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں کیوں کہ بناسپتی مسلمان اس کے بغیر کیا لکھ سکتا ہے۔ بندیالوی تو خیر مسلمہ اور مستند جاہل تھے۔ نیلوی کا کچھ بھرم قائم تھا۔ مگر شفاء الصدور اور ندائے حق نے تو ثابت کر دیا کہ مصنف صاحب عقائد اہلسنت سے مطلق جاہل ہیں اور مذاہب اہلسنت سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور ندائے حق کے (ص ۱۵۶) پر اعتراف بھی کیا ہے کہ مؤلف شفاء الصدور اور مترجم دونوں جاہل ہیں۔

بہرحال ان دو کتابوں کا امتیازی وصف ائمہ دین کی توہین، علمائے متقدمین کی توہین، عبارتوں میں خیانت اور علمائے دیوبند کو بناسپتی دیوبندی کی پھبتی کے بغیر اور کوئی نہیں۔ کتب دینی کا انکار اور احادیث رسول کا انکار کر کے مصنف نے ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق نہ دین سے ہے نہ رسول سے۔ پھر دعویٰ یہ کہ خدمت اسلام ہو رہی ہے۔ اسلام بھی کیا یاد کرے گا۔ کیسے ہمدرد اور بہی خواہ ملے تھے۔

ضمیمہ

حدیث مشکوٰۃ: ''اكتبوا كتاب عبدى فى عليين واعيدوه الى الارض فانى منها خلقتهم وفيها اعيدهم ومنها اخرجهم تارة اخرى''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اعادہ روح زمین کی طرف ہوتا ہے اور زمین میں جسم خاکی عنصری مدفون ہوتا ہے اس لئے اعادہ روح اسی جسم خاکی کی طرف ہوتا ہے۔

اس حدیث سے نیلوی صاحب کے فاسد عقیدہ کی برملا تردید ہوتی ہے۔ لہٰذا نیلوی صاحب نے اپنے علم کے زور سے اس پر خاص توجہ فرمائی ہے۔

۱...... فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی حدیث ضعیف ہے۔ اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حدیث قابل التفات نہیں۔ لہٰذا عود روح کا مسئلہ ثابت نہیں۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ وہ حضرات جنہیں آپ معتبر سمجھتے ہیں وہ آپ کے ہم نوا نہیں ہیں مثلاً (الف) علامہ ابن تیمیہ نے (شرح حدیث النزول ص ۸۲) پر فرمایا ہے کہ عود روح کی احادیث متواتر ہیں۔ "مع ان سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن"

(ب) علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس کی تائید کی ہے۔

(ج) علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں تواتر کی تصدیق فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور علامہ سیوطی جیسے زعماء فرماتے ہیں کہ عود روح الی الجسد کا مسئلہ متواترات سے ہے اور "علامہ" نیلوی (ندائے حق ص ۸۶) پر فرماتے ہیں کہ منکر تواتر کافر ہے اور حضرت نیلوی خود اس کے منکر ہیں۔ لہٰذا ان کی اپنی حیثیت ان کے ہی قول سے ظاہر ہے۔

(د) تحقیق کا دوسرا پہلو ملاحظہ ہو (ندائے حق ص ۷۷) پر فرماتے ہیں کہ "ارض" سے خاکی زمین مراد نہیں بلکہ مراد مستقر ہے یعنی ارض برزخیہ مراد ہے جسے جنت برزخیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ جنت پر بھی ارض کا اطلاق ہوا ہے جیسے قال تعالیٰ:

۱...... "الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض" (الزمر: ۷۴)

۲...... "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا من عبادی الصالحون" (انبیاء: ۱۰۵)

اسی طرح حدیث میں ارض کا جو لفظ آیا ہے۔ اس سے بھی مراد برزخی ارض ہے۔ (ص ۹۷) پر فرمایا "یقال للارض التئمی علیہ" اس سے برزخی دوزخ کی زمین ہے۔

اپنے اس دعویٰ کی تائید کے لئے قرآن حکیم سے دلیل پیش فرمائی۔

۱...... "وضاقت علیکم الارض بما رحبت" (توبہ: ۲۵)

۲...... "وضاقت علیھم الارض بما رحبت" (توبہ: ۱۱۸)

۳...... "وضاقت علیھم انفسھم" (توبہ: ۱۱۸)

پھر (ص ۷۳) پر امام راغب کے حوالہ سے لکھا کہ ارض سے مراد مستقر میت ہے پھر فرماتے ہیں کہ میت کیا چیز ہے؟ جواب دیتے ہیں یاد رہے میت کا لفظ جیسا بدن پر بولا جاتا ہے ویسا ہی روح پر بھی بولا جاتا ہے۔

پھر کتاب الروح سے عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مقصد اپنے موقف کو تقویت دینا ہے۔ "الروح توصف بالوفات والقبض والامساک والارسال" اور شرح الصدور سے عبارت پیش فرمائی۔ "ان النبی ﷺ اذا داخل المقابر قال السلام علیکم ایتھا الروح الفانیۃ والارواح البالیۃ وعظام النخرۃ" علامہ ابن قیم نے خود اس عقدہ کا حل پیش کیا ہے اور "محقق" صاحب نے وہ حل نقل بھی کیا ہے۔ مگر سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: "والصواب ان یقال موت الروح هی المفارقة عن الجسد" اور فنا کی حقیقت بھی علامہ سیوطی نے بیان فرما دی "والمراد بفناء هذه الروح ذهابها من الاجساد"

ظاہر ہے کہ روح کی بدن سے مفارقت کے عمل پر وفات کا لفظ بول دیا جاتا ہے اور بدن سے روح کی جدائی پر فنا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ رہا لفظ قبض اور امساک کا استعمال تو مجتہد صاحب کو کون بتائے کہ یہ الفاظ موت پر دلالت نہیں کرتے۔

مجتہد صاحب کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ حمل مشتق کا قیام مبدأ کو چاہتا ہے بلکہ حمل مشتق کی علت بھی مبدأ ہوتا ہے۔ لہٰذا میت اور اس کو کیا جائے گا جس کے ساتھ موت قائم ہوگی اور میت مشتق موت سے ہے۔ اب ذرا اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیا روح کے ساتھ مبدأ میت جو موت ہے قائم ہوئی؟ جب روح پر موت وارد نہیں ہوئی تو اس کو میت کہنا کہاں کی عقل مندی دیانت یا علمیت کی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ مستقر میت سے مراد مستقر بدن ہے۔

شرح الصدور سے مجتہد صاحب نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی اپنی روایتی دیانتداری پر برابر قائم ہیں پوری روایت یوں ہے "اخرجه ابن السنی عن ابن مسعود ان النبی ﷺ كان اذا دخل المقابر قال السلام عليكم ايتها الارواح والابدان البالية والعظام النخرة التی خرجت من الدنيا وهی بالله مومنة اللهم ادخل عليهم روحا منک وسلاما منا فانه مع ضعف مؤل"

نیلوی صاحب نے حدیث کے ضعیف ہونے کو نظر انداز فرما دیا کیوں کہ اس کا ذکر کرنے سے اپنا فاسد عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا فن کاری کا تقاضا یہی تھا کہ حدیث میں کتر بیونت کر لی جائے۔

اب ہم مشکوٰۃ شریف کی اصل حدیث پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ نیلوی صاحب نے اس حدیث سے ذیل کے نتائج اخذ کئے ہیں۔

۱...... ارض سے ارض خاکی مراد نہیں بلکہ مستقر میت مراد ہے۔
۲...... ارض سے زمین برزخی مراد ہے۔
۳...... ارض سے مراد برزخ کی جنت لی جا سکتی ہے۔
۴...... جنت پر ارض کا اطلاق ہوا ہے۔

اوّل تو منزل پر پہنچنے کے لئے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لینا پڑا۔ پھر بات ایک مجاز پر ختم نہیں ہوئی بلکہ مجاز در مجاز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلے ارض سے مراد میت کا مستقر لیا یہ ہے مجاز اوّل۔ پھر برزخی ارض برزخی زمین مراد لی یہ ہے مجاز دوم۔ پھر برزخی ارض سے جنت کی ارض مراد لی۔ مجاز سوم حقیقت سے فرار کا نتیجہ اس کے بغیر اور کیا نکل سکتا ہے۔ حالاں کہ جس شرح الصدور کا آپ نے سہارا لیا۔ اسی کے (ص ۶۳) پر علامہ سیوطی نے وضاحت فرما دی ہے کہ "ارض سے حقیقی قبر مراد ہے اور عذاب و ثواب بھی حقیقی مراد ہیں نہ کہ مجازی کہ صرف غم اور پریشانی مراد ہو۔ یہ نہیں بلکہ حقیقی عذاب مراد ہے۔"

فرماتے ہیں: "وقال ﷺ فی القبر القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار۔ محمول عندنا علی الحقيقة لا المجاز وان القبر يملأ علی المؤمن خضراء" یہ حدیث اہلسنت والجماعت کے نزدیک اپنی اصل حقیقت یعنی حقیقی معنوں پر محمول ہے۔ اس میں مجاز در مجاز کے طویل چکر کا تکلف ہرگز نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث "يقال الارض التئمی عليه" بھی اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اگر نیلوی صاحب کو اسی پر اصرار ہے کہ

مجاز ہے تو ثبوت پیش کریں ہاں ثبوت معتزلہ خارجیہ اور کرامیہ کے گھر سے نہ لایا جائے۔

پھر ''ارض'' کے لفظ میں اپنے من مانے معنی پہنانے کے لئے قرآن کریم کی دو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اوّل تو وہ بے محل ہیں پھر ان میں بھی فنکاری سے کام لیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں یا حدیث رسول میں جہاں کہیں لفظ ارض واقع ہوا ہے وہاں یہی خاکی زمین مراد ہے جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں اور جس سے ہماری تخلیق ہوتی ہے۔ مطلق ارض بول کر کہیں جنت مراد نہیں لی گئی۔

پہلی آیت صرف وہاں تک نقل کی جہاں تک دھوکہ دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ حالانکہ ''واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء'' سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ اگر ارض سے جنت ہی مراد ہے تو ''من الجنۃ'' کا حصہ زائد ہوا۔ ظاہر ہے کہ مطلق ارض پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ من الجنۃ میں بیان ارض آ گیا۔ نیلوی صاحب کو کوئی نئی آیت پیش کرنی چاہیے جس سے آسمان زمین جنت، دوزخ، عذاب ثواب سب مثالی ثابت ہوں آیت نہ ملے تو کوئی صحیح حدیث ہی پیش کر دیں مگر بیچارے لائیں کہاں سے؟

پھر (ندائے حق ص ۷۸) پر قبر کی تنگی اور وسعت بیان کرتے ہوئے نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں ''وضاقت علیکم الارض بما رحبت'' اور ''حتی اذا ضاقت علیکم الارض بما رحبت'' اور ''ضاقت علیھم انفسھم'' جو آتا ہے ''ضیق الارض'' کا لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے اہل دنیا پر استعمال کیا گیا ہے۔

اس سے نیلوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قبر میں ثواب و عذاب حقیقی معنوں میں مراد نہیں ہے بلکہ مجاز ہے یعنی خفت سوال، امن، طیب عیش مراد ہے۔ حقیقی جنت نہیں مگر امام سیوطی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ محمول عندنا علی الحقیقۃ اسی طرح علامہ قرطبی بھی اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ مگر نیلوی کسی سیوطی اور قرطبی سے کیا کم ہے کہ اسلاف کے پٹے ہوئے راستے پر چلے۔ کمال اسی میں ہے کہ بات وہ کہو جو پہلے کسی شریف آدمی نے نہ کہی ہو تاکہ بعد میں آنے والے نام تو لیں یہ اور بات ہے کہ ''بدنام تو ہوں گے مگر کیا نام نہ ہوگا۔''

یوں بھی ثواب و عذاب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے اور اس میں تاویل حرام ہے۔ لہٰذا نیلوی صاحب جب اس حرام کا ارتکاب نہ کریں تو ان کی شخصیت اور ان کا صحیح مقام متعین کیسے ہو سکتا ہے۔

ضیق الارض کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''یہ لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والی مخلوق کو شامل ہے۔'' معانی میں جو وسعت آپ نے پیدا کی آیت کا شان نزول اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ یہ آیت تو ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو حنین کی جنگ میں ہوازن پر حملہ آور ہوئے۔

قال تعالیٰ: ''لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین'' (توبہ: ۲۵)

دوسری آیت ''وضاقت علیھم الارض بما رحبت'' جنگ تبوک میں حاضر نہ ہونے والے تین آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ نے اس میں روئے زمین کی مخلوق کو کیونکر شامل کر لیا۔

پھر یہ کہ یہ دونوں آیتیں تو زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ آپ نے صرف علم کے زور سے خوارج کی طرح انہیں مردوں پر چسپاں کر دیا۔ اس لئے وہ آیت پیش کریں جس سے ارض مثالی اور عذاب و ثواب مثالی ہوں جیسے خواب میں ہوتا ہے۔ آیت یا حدیث آپ بھلا کہاں سے لاتے البتہ آپ نے ایک ایسا سہارا جس کے خود آپ منکر ہیں۔ آپ

فرماتے ہیں کہ "کشف سے صوفیہ کو معلوم ہوا ہے کہ جنت دوزخ مثالی ہیں" مگر صوفیہ کو معلوم ہوتا رہے آپ کو اس سے کیا تعلق؟ اوّل یہ کہ آپ کی پارٹی کشف کو شرک قرار دے چکی ہے پھر یہ کہ کشف دلیل شرعی نہیں۔ ادلۂ اربعہ سے دلیل لائیے۔ پھر یہ بتائیں کہ یہ کس صوفی کا قول ہے۔ حضرت تھانوی تو خود صاحب کشف نہ تھے۔ نیلوی صاحب تو صوفیہ کو معلوم ہوا تک جا کر ہی رک گئے۔ اس قافلے کے ایک اور راہرو جناب سجاد صاحب (اقامۃ البرہان ص ۱۶۵) پر فرماتے ہیں "عالم مثال اور اجساد کا وجود دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔" یہ بھی خوب کہی۔ مگر ان دلائل قطعیہ میں سے نمونہ کے طور پر کوئی ایک دلیل تو پیش کی ہوتی۔ قطعی کیا وہمی دلیل بھی آپ پیش نہیں کر سکتے کہ برزخ میں جسم مثالی ملتا ہے جس پر ثواب وعذاب مترتب ہوتا ہے۔ ثواب وعذاب کے لئے جسم مثالی دلیل قطعی سے ثابت کیجئے۔

(ندائے حق ص ۲۵۱) پر نیلوی صاحب نے ایک اور گل کھلایا ہے فرماتے ہیں کہ ایمان اور نبوت ورسالت صفات روح کی ہیں یعنی جسم خاکی کی نہیں اور عالم برزخ میں روح کو جسم مثال مل جاتا ہے اور جسم عنصری سے روح کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کا مسلمہ قانون ہے کہ نبی اور رسول دنیا برزخ اور آخرت میں نبوت اور رسالت کے ساتھ موصوف رہتے ہیں۔ ولی اپنی ولایت کے ساتھ اور مومن اپنے ایمان کے ساتھ موصوف رہتا ہے۔ نبوت رسالت، ولایت اور ایمان بالذات روح کی صفات ہیں۔ روح چوں کہ بدن کے ہر جزو میں حلول کئے ہوتی ہے یا جیسے آگ لوہے کے ہر ذرے کو حلول کئے ہوتی ہے۔ اب صورت یہ بنتی ہے کہ عالم برزخ میں اگر روح کا تعلق جسم خاکی سے منقطع ہو گیا تو جسم خاکی ایمان نبوت رسالت کی صفات سے خالی ہو جائے گا۔ یعنی کوئی آدمی برزخ میں ایمان کی صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے گا۔ کیوں کہ تعلق منقطع ہو گیا۔ لہٰذا جسم عنصری تو ایمان، نبوت رسالت کا محل نہ رہے گا گویا برزخ میں کوئی مومن مومن نہیں کوئی نبی نبی نہیں۔

صوفیہ جو برزخ میں جسم مثالی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ روح مع جسم مثالی کا تعلق جسم عنصری سے رہتا ہے۔ مگر آپ نے صوفیہ کی بات مانی بھی تو آدھی۔

ایمان مرکب ہے قول وعمل سے۔ قول بھی دو قسم اور عمل بھی دو قسم رکھتا ہے۔ قول قلب اعتقاد ہے قول اعضاء جوارح زبان سے لاالہ الا اللہ پڑھنا ہے۔ عمل قلب نیت اور اخلاص ہے عمل اعضاء وجوارح عبادات ہیں۔ ان چار چیزوں کی ترکیب کا نام ایمان ہے۔ ان میں اساس تصدیق قلبی ہے۔ اگر یہ نہیں تو ایمان نہیں۔ اس میں خلوص نہیں تو نفاق ہے۔ اگر برزخ میں روح کا تعلق ان سے منقطع ہو جائے تو ایمان کہاں رہا۔

کلمہ طیبہ کی بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ محل مشتق کا قیام مبداء کو چاہتا ہے بالخصوص وقت تحقیق قضیہ، لہٰذا رسول تب ہوگا جب اس کے ساتھ رسالت قائم ہوگی۔ جیسا کہ (شامی ج ۴ ص ۵۰) "وھو الرسول فیکون مبدأ الاشتقاق علتہ وھو الرسالۃ" رسول کو محمد پر محمول کرنا اس کی علت اس کا مبدأ ہوگا جو رسالت ہے۔ رسول کے ساتھ رسالت قائم ہوئی تو رسول بنا۔

اب نیلوی صاحب فرمائیں کہ جب رسالت صفت روح کی ہوئی۔ جب عالم برزخ میں روح کا تعلق بدن عنصری یعنی محمد ﷺ سے نہ رہا بلکہ اس کا تعلق جسم مثالی سے ہو گیا تو آپ کے عقیدہ کے مطابق بعد وفات محمد تو رسول نہ رہے بلکہ جس جسم مثالی سے روح کا تعلق بنا وہ رسول ہوا۔ پھر آپ کا لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا کیا معنی اور آپ کی توحید کا کیا بنا؟

یوں ایک بات سمجھ لیجئے کہ جو لوگ نبوت رسالت اور ایمان کو روح کی صفت بیان کرتے ہیں ان کا عقیدہ

ہے کہ روح کا تعلق برزخ میں بھی جسم خاکی عنصری سے ہوتا ہے۔ مگر آپ تو روح کا تعلق جسم عنصری سے توڑ چکے ہیں۔ لہٰذا آپ کے کفری عقیدہ کے مطابق بدن محمد ﷺ اب نبوت ورسالت سے خالی ہو گیا۔

مستقر میت

نیلوی صاحب مستقر میت کی بحث کرتے ہوئے پہلے دو متضاد دعویٰ کئے (ندائے حق ص ۷۷) پر فرمایا کہ میت کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے اور (ص ۷۹) فرماتے ہیں کہ روح پر موت وارد نہیں ہوتی نہ فنا ہوتا ہے۔

"ویعرج الی السماء ولا یموت ولا یفنی لیس لہ اول و لیس لہ آخر "

سوال یہ ہے کہ جب روح پر موت وارد نہیں ہوتی تو اس پر میت کا اطلاق کیونکر ہوتا ہے۔ مگر جدید تحقیق کا خاصہ یہ ہے کہ محقق کسی ایک بات پر ٹھہر نہ سکے۔ بہرحال مستقر میت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کچھ فرمایا ہے "ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین قال فیہا تحیون وفیہا تموتون ومنہا تخرجون" (الاعراف: ۲۴)

اس کی تفسیر ان حضرات کی زبانی سنئے جو آپ کے پائے کے محقق خواہ نہ ہوں۔ بہرحال مسلمہ مفسر قرآن ہیں۔

"المستقر: مستقر القبور و مستقر فوق الارض وتحتہا رواھما ابن ابی حاتم قال فیہا تحیون وفیہا نعیدکم ومنہا نخرکم تارۃ اخری انہ یخبر تعالی انہ جعل الارض دار بنی آدم مدۃ حیاۃ الدنیا فیہا محیاھم ومماتھم وقبورھم ومنہا نشورھم یوم القیامۃ الذی یجمع اللہ فیہ الاولین والآخرین"

مستقر قبریں ہیں، مستقر زمین کے اوپر بھی ہے اور زمین کے اندر بھی۔ ابن ابی حاتم نے بیان کیا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں تم زندہ رہو گے بعد موت اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور قیامت کے دن اسی زمین سے تمہیں نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ زمین کو بنی آدم کا گھر بنایا ہے حیات دنیوی تک اسی زمین میں زندہ رہنا ہے اسی میں موت ہے اور اسی میں ان کی قبریں ہیں اور اسی زمین سے قیامت کے دن اٹھنا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔

آیت (۳) "الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتا" (مرسلات: ۲۶،۲۵) کی شرح تفسیر قرطبی (ج ۱۹ ص ۱۶۱) "الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتا فالارض تضم الاحیاء الی منازلھم والاموات فی قبورھم قال المجاھد والاخفش وابو عبیدہ الاحیاء والاموات ترجع الی الارض" زمین زندوں کو ان کے گھروں میں اور مردوں کو ان کی قبروں میں جمع کر لیتی ہے۔ مجاہد اخفش وابوعبیدہ کا قول ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں زمین میں جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی اصل قیام گاہ جنت ہے یا جہنم۔ دنیا میں انسان کی قرارگاہ ایک مدت مقررہ تک ہے۔

اور (ابن کثیر ج ۴ ص ۴۶۰) "قال الشعبی بطونہا لامواتکم وظہرھا لاحیاتکم" شعبی فرماتے ہیں کہ زمین کی پشت زندہ انسان کے لئے اور اس کا پیٹ مردوں کے لئے ہے۔

اور فتح القدیر علامہ شوکانی (ص ۳۵۷) "معنی الکفت فی اللغۃ الضم والجمع قال الم نجعل الارض الخ ضامۃ الاحیاء علی ظہرھا والاموات فی بطنہا" کفت کا لغوی معنی جمع کر کے اکٹھا کرنا ہے۔ زمین زندہ کو اپنی پیٹھ پر اور مردوں کو اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے۔

اور تفسیر خازن میں ہے "الم نجعل الارض کفاتا یعنی تکفتھم احیاء علی ظہرھا فی دورھم ومنازلھم وتکفتھم امواتا فی بطنہا فی قبورھم ولذلک تسمی الارض اما لانہا تضم الناس کالام تضم ولدھا" زمین

زندوں کو اپنی پشت پر سمیٹ رکھتی ہے ان کے گھروں اور مکانوں اور مردوں کو اپنے پیٹ میں ان کی قبروں میں سمیٹ رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے زمین کو ماں کہا جاتا ہے کہ یہ آدمیوں کو جمع کر رکھتی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو چھاتی سے لگاتی ہے۔

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''فان قبر المسلم له من الحرمة ما جاءت به السنة اذ هو بيت المسلم الميت فلا يترک عليه شئی من النجاسات بالاتفاق و لا يوطا و لا يتكاء عليه عندنا و عند جمهور العلماء'' مسلمان کی قبر کی عزت اسی طرح کی جائے جیسے حدیث میں آیا ہے کیونکہ قبر میت کا سکونتی گھر ہے اس لئے اس پر نجاست نہ پھینکی جائے اسے پاؤں سے روندا نہ جائے نہ اس پر تکیہ لگایا جائے۔ ہمارا اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ (اقتضائے صراط مستقیم ص ۱۵۶)

لیجئے آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ مستقر میت زمین ہے حدیث یہی بتاتی ہے۔ مفسرین فقہاء زمین کو ہی مستقر میت بتاتے ہیں۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن نیلوی صاحب بھلا اس راستے پر کیوں چلیں جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور جس پر امت کے بہترین افراد چلتے رہے۔ میت کے لفظ کا اطلاق آپ جس پر چاہیں۔ بہرحال مستقر میت تو زمین ہی ہے ہاں جسے اللہ اور رسول کی مخالفت ہی کرنا ہو وہ جو چاہے کہتا پھرے۔ مگر اسے بھی اس مستقر سے مفر نہیں۔

رہی یہ بات کہ مستقر ارواح علیین اور سجین بھی بعض حضرات کہتے ہیں تو اس میں کوئی الجھن نہیں علیین اور سجین کی حدود اسی قبر سے شروع ہوتی ہیں انتہا جہاں جائے چلی جائے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب وعذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نہ کہ قبر۔ برزخ زمانہ کا نام ہے تو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت زمانہ بھی ہے اور جہاں بھی ہے۔ اب کوئی کہے کہ زید لاہور میں رہتا ہے دوسرا کہے کہ زید دنیا میں رہتا ہے تو اس میں الجھن کونسی ہے۔ لاہور کا شہر دنیا ہی میں تو ہے یا مثلاً کوئی مجرم جیل میں سزا پا رہا ہے کوئی کہے کہ دنیا میں عذاب اٹھا رہا ہے تو اس میں کون سا پیچ پڑ گیا ہے جیل آخر اسی دنیا میں تو ہے اسی طرح قبر عالم برزخ میں ہے عالم برزخ کا نام لے کر عذاب وثواب قبر کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح علیین اور سجین کا نام لے کر قبر کے مستقر ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی اور نیلوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی پادر ہوا ہو گیا کہ عالم برزخ میں ایک مثالی زمین ہے، مثالی آسمان ہوتا ہے، مثالی قبر ہوتی ہے، کیوں کہ دعویٰ مثالی کا ہے اور دلیل خاکی زمین کی پیش کی ہے۔

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور علم فقہ میں قبر بمعنی برزخ کہیں نہیں آیا اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے (مسالک العلماء ص ۲۶) پر یہ تسلیم کیا ہے اور خود نیلوی صاحب (ندائے حق ص ۷۵) پر مان گئے ہیں کہ قبر بمعنی برزخ قرآن میں نہیں آیا اور برزخ بمعنی قبر بھی نہیں آیا اور یہ بھی مان لیا ہے کہ قبر بمعنی برزخ لینا بعد والوں کی ایجاد ہے تو نیلوی صاحب سے کوئی پوچھے کہ قرآن کو چھوڑ کر بلکہ اس کی مخالفت کر کے ایجاد بندہ قسم کا عقیدہ اور دین آپ نے کیوں اپنا لیا اور یہ اگر یہ اختراعی عقیدہ اپنانا ہی تھا تو اسے اپنی ذات شریف تک محدود رکھا ہوتا۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھا کر اس گناہ بے لذت کو دوآتشہ کرنے کا شوق کیوں چرایا۔ اس موقع پر آیت ''ولقد كتبنا في الزبور الخ'' کی تفصیل دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لفظ ارض مطلق ہے اس میں تین قول ہیں۔ اوّل ارض سے شام کی زمین مراد ہے۔ دوم ایران وروم کی زمین مراد ہے۔ سوم جنت مراد ہے۔ مگر قول سوم بلا دلیل ہے۔ مطلق ارض جہاں آئے اس سے جنت ہرگز مراد نہیں لی جا سکتی بلکہ خاکی زمین مراد ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء مقصد اوّل (ص ۲۰۱) پر فرماتے ہیں:

''فقیر گوید در معنی آیت جمعے زمین جنت مراد داشتہ اند و ہیچ جا شاہداں نحو اہی یافت کہ در قرآن یا سنت لفظ ارض گفتہ باشد و جنت عدن ارادہ کردہ۔'' فقیر کہتا ہے بعض لوگوں نے اس آیت میں جنت کی زمین مراد لی ہے۔ مگر

قرآن وسنت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ زمین بول کر مراد جنت لی جائے۔

اور علامہ سیوطی نے (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۴۳) پر فرماتے ہیں: "اختصاصہ بذکر اصحابہ فی الکتب السابقۃ وعدھم بوراثۃ الارض قال تعالٰی ولقد کتبنا فی الزبور" حضور ﷺ کی خصوصیات سے ہے کہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کتب سابقہ میں موجود ہے اور ان سے وراثت زمین کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے ولقد کتبنا۔

"اخرج ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن ابن عباس فی الایۃ قال اخبر اللہ فی التوراۃ والزبور وسابق علمہ ان تکون السموات والارض ان یورث امت محمد الارض" ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے توریت اور زبور میں اپنے سابقہ علم کے مطابق جو پیدائش آسمان وزمین سے پہلے کے متعلق ہے خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کو زمین کا وارث بناؤں گا۔

اور اسی طرح ابن ابی حاتم سے ہے: "عن ابی الدرداء انہ قرأ قولہ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون فقال نحن الصالحون" ابودرداء سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آیت "ولقد کتبنا الصالحون" پڑھی اور فرمایا ہم صالحین ہیں۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا جس میں ۱۵۰ سورتیں تھیں چوتھی سورت میں لکھا تھا، "یاداؤد اسمع ما اقول مر سلیمان فیعقل للناس من بعدک ان الارض لی اورثھا محمدا وامتہ" اے داؤد سنو جو میں کہتا ہوں اور سلیمان کو ہدایت کر کہ آنے والے لوگوں سے کہے کہ زمین میری ہے میں اس کا وارث محمد اور ان کی امت کو بناؤں گا۔

جسم مثالی کے لئے ثبوت

(اقامۃ البرہان ص ۱۷۷) ارواح شہداء کو دوسرے ابدان مثالیہ سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسی کے (ص ۱۹) پر جسد سے جسد مثالی مراد ہے جو طیوری قالبوں کی شکلوں میں ان کو دیا گیا ہے۔ پھر اسی کے (ص ۱۲۲، ۲۳، ۲۵۰) پر جسد سے جسد مثالی طیوری قالب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جسم مثالی جو برزخ میں ملتا ہے وہ پرندہ ہوتا ہے اور پرندہ کی شکل پر ہوتا ہے۔ اوّل تو ان کا یہ جسم مثالی تمام کے لئے نہیں جیسا کہ (کتاب الروح ص ۳۹) "ویکون ھذا الطائر مرکبا للروح لھا ویکون لبعض المؤمنین والشھداء" یہ پرندہ روح کے لئے سواری ہے وہ بھی بعض اہل ایمان اور شہداء کے لئے ہے سب کے لئے نہیں۔

اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱...... صاحب اقامۃ البرہان کے مذہب کے مطابق پرندہ ہی جسم مثالی ہو۔

۲...... پرندہ کی طرح روح تیز اڑتا ہو نہ کہ پرندہ ہی روح کا جسم مثالی ہو۔

۳...... پرندہ روح کی سواری ہو۔ جیسے ہوائی جہاز پر لوگ سفر کرتے ہیں مگر ہوائی جہاز کو انسان کے روح کا جسم مثالی کوئی نہیں کہتا۔

پہلا قول تو غلط محض ہے، اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ جسم عنصری کا جسم مثالی وہ ہونا چاہئے جو اسی جسم عنصری کی شکل کا ہے۔ انسان کو جسم مثالی دیا بھی تو حیوان کی شکل کا۔ جب تک زندہ تھا۔ اشرف المخلوقات کہلاتا تھا۔ مرنے کے بعد حیوان بنا

دیا۔ آخر کیوں؟ کیا شہادت کا صلہ یہی ہے۔ قول دوم کہ روح کی اڑان مثل پرندہ کے تیز ہو۔ یہ ممکن ہے مگر قول مرجوح ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۱) "ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیه هذا الابدان الفضة الطرية بسرعة حرکتها وذهابها حیث شاءت بالطیر الخضر" ممکن ہے ان طیر کی حدیثوں سے مراد ان تروتازہ بدنوں کو جلدی حرکت کرنے اور حسب منشاء ادھر ادھر جانے کی وجہ سے سبز پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہو۔

قول سوم راجح ہے جیسا تفسیر (جمل ج ۱ ص ۱۲۳) "ان الطیور للارواح کالهوادج للمجالس" پرندوں کے قالب ارواح کے لئے مثل پالکی کے ہوں۔

اور (عقیدہ السفارینی ج ۲ ص ۴۸) پر ہے: "یحتمل ان یکون هذا الطائر مرکبا للروح" ہوسکتا ہے کہ یہ پرندہ روح کی سواری ہو یعنی روح اس میں سوار ہو۔

مولانا تھانوی نے (اشرف الجواب ج ۳ ص ۲۱۳) پر گویا حدیث طیر کی شرح ہی کر دی۔ فرمایا: "جنت میں وہ جسم طیر شہداء کے لئے مرکب ہوگا۔ پس ارواح شہداء کا حواصل طیور میں ہونا ایسا ہے جیسا دنیا میں ہم بہلی بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے۔ ہمارا جسم اسے نظر نہ آئے گا مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری روح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہداء کے لئے پرندوں کا جسم بمنزلہ سواری کے ہے اور بمنزلہ پالکی کے ہوگا۔

بات تو صاف ہے مگر آدمی ضد پر آجائے تو کب کسی کی مانتا ہے۔ جسد عنصری کا انکار اور سوال و جواب اور عذاب وثواب کے لئے جسم مثالی کے عقیدہ کی ایجاد دراصل حدیث، تفسیر اور تواتر کا انکار ہے۔ ویسے نیلوی صاحب نے (ندائے حق ص ۱۵۹) پر تواتر کا صاف انکار کر دیا ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر تواتر نظری ہو تو منکر تواتر فاسق و فاجر ہے اور اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہوگا۔ اس لئے اس خاص مسئلہ میں ان علماء کا فیصلہ سنا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو یہ لوگ اپنا مقتدا مانتے ہیں۔

۱...... شرح حدیث النزول علامہ ابن تیمیہ (ص ۸۲) "ان سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلة البدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره الجمهور وکذالک السؤال للروح بلا بدن قالا ابن میسرہ وابن حزم ولو کان کذالک لم یکن للقبر بالروح اختصاص وزعم ابن حزم ان العود لم یروه الا زاذان عن البراء وضعفه" تمام صحیح متواتر احادیث بدن کی طرف روح لوٹانے پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے۔ مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح روح بلا بدن سے سوال یہ ابن میسرہ اور ابن حزم کا قول ہے۔ اگر صرف روح سے سوال ہوتا تو قبر کی قید کی ضرورت نہ تھی اور سوال و جواب قبر سے خاص ہیں۔ ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ زاذان کی حدیث صرف حضرت براء سے مروی ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

۲...... التکبیب فی شرح اثبات التثبیت نواب صدیق حسن خان (۲۳) "احادیث متواتر برآنکہ عود میکند روح بسوئے بدن وقت سوال ایں تعلق ہمیشہ می ماند۔ اگرچہ جسد جان دریدہ و متفرق و منقسم گردد وسوال بدن بلا روح قول طائفہ است وجمہور انکار کردہ اند و دیگر دبرابر ایشاں گویند سوال روح بلا بدن است وایں غلط فحش است۔"

امام ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان نے جسد عنصری کی طرف عود روح کے متعلق احادیث کو متواتر تسلیم کیا ہے اور نیلوی صاحب اس تواتر کا انکار کرتے ہیں۔

۳...... (کتاب الروح ابن قیم ص ۶۲) "قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال"

۴...... (شرح الصدور علامہ سیوطی ص ۶۰) "قال ابن تیمیه الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال ان الاحادیث مصرحة باعادة الروح الی البدن عند السؤال"

۵...... (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) "وقد ثبت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور"

جمہور علمائے اسلام متفق ہیں سوال کے وقت روح کا اس بدن عنصری کی طرف لوٹنا جو قبر میں مدفون ہے۔ متواترت سے ہے۔ مگر نیلوی صاحب نے ندائے حق کے (ص ۱۶۰) پر اس تواتر کو جعلی کہا ہے۔ واقعی جعلی کیوں نہ ہو۔ ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان کا بیان، ابن قیم اور علامہ سیوطی کی شہادت کافی نہیں۔ کیوں کہ نیلوی صاحب جیسا محقق عالم جب تک مہر تصدیق ثبت نہ کرے اسے اصلی کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ تواتر جعلی نہیں آپ کا مذہب جعلی ہے۔ جسے آپ خود ایجاد کر کے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ چلئے آپ ابن تیمیہ، نواب صدیق حسن خان، ابن قیم، شوکانی وغیرہ سے جو متشدد دین ہیں۔ ایک صحیح حدیث پیش کریں کہ عدم عود روح پر دلالت کرتی ہو۔ متواتر اور کثیر تعداد کا مطالبہ نہیں کرتے۔ بس ایک ہی صحیح حدیث لائیں اور اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو اسلاف پر بہتان تراشی کر کے اور عوام کو گمراہ کر کے اپنی عاقبت تو خراب نہ کریں۔ آپ کہیں گے ہم نے شرح الصدور سے ابن حزم، ابن زاعونی، حکایت ابن جریر اور ابن عقیل کا قول پیش کر دیا۔ مگر اس میں بھی فنکاری دکھا گئے۔

اصلی عبارت یوں ہے: "وسوال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن زاعونی وحکی عن ابن جریر۔ انکره الجمهور وقابلهم اخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم واخرون منهم ابن عقیل وابن جوزی وهو غلط"

قول تو موجود ہے مگر وھو غلط کو آپ صفحہ قرطاس سے کیوں کر چاٹ لیں گے جب ان حضرات نے اس قول کو خود مردود قرار دیا تو آپ نے اسی مردود قول کو اپنے مذہب کی تائید میں پیش کر دیا۔ یعنی مردود مذہب کی تائید کے لئے مردود قول ہی موزوں ہے۔

ابن قیم نے (کتاب الروح ص ۵۲) پر عدم اعادہ روح کے قول کو مردود قرار دیا ہے "وقد دل النص علیه (ای اعادة الروح الی البدن وقت السؤال) الصحیح الصریح وهو قوله ﷺ فتعاد روحه فی جسده"

امام ابن تیمیہ عود روح کا عقیدہ بدلائل پیش کر رہے ہیں۔ ابن قیم، سیوطی اور نواب صدیق حسن خان ان کی تائید کر رہے ہیں۔ عدم اعادۂ روح کے عقیدہ کو مردود قرار دے رہے ہیں۔ عود روح کے عقیدہ کے لئے تواتر ثابت کر رہے ہیں۔ مگر نیلوی صاحب حدیث تفسیر اور تواتر کا برابر انکار کئے جا رہے ہیں۔

دوسرے گروہ کا جو قول پیش کیا تو عود روح کا انکار نہیں بلکہ اختلاف یہ ہے کہ سوال بدن سے ہوتا ہے دوسرا کہتا ہے روح سے ہوتا ہے۔ اعادہ روح پر تواتر تو بہر حال موجود ہے۔ البتہ نیلوی صاحب اس تواتر کے خلاف

اپنے مذہب کے لئے کرامیہ سے عقائد مستعار لیتے ہیں۔ جس کی تصریح علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمادی۔ جو گزشتہ اوراق میں بیان کردی گئی ہے۔

ندائے حق، شفاء الصدور، رد منکرات، اربعین، اقوال مرضیہ اور اقامۃ البرہان کے مطالعہ سے جو نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے۔

۱...... حدیث رسول کو غیر صحیح کہہ کر اس سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھادیا جائے۔ تاکہ حیات رسول اور حیات صحابہ نظروں سے اوجھل ہو جائے جس صحابی کے متعلق جو جی چاہے کہہ دیا جائے۔ (شفاء)

۲...... دین کے لئے قوی ترین دلیل تواتر ہے، نبوت تواتر سے، قرآن تواتر سے پہنچا۔ حدیث تواتر سے ملی پورا دین تواتر سے ملا۔ تواتر کا انکار کردیا تاکہ دین سے جان چھوٹ جائے۔ (شفاء، ندا)

۳...... صحابہ کی سیرت کو مجروح کیا گیا تاکہ ان ناقلین دین سے اعتماد اٹھ جائے اور دین بھی ناقابل اعتماد ٹھہرے۔ (ندا)

۴...... اجماع کا انکار کیا تاکہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ امت محمدیہ غلطی پر جھوٹ پر متفق ہوگئی۔ تاکہ دین پر سے ہی اعتماد اٹھ جائے۔ (ندا)

۵...... علمائے امت اسلامیہ جو شریعت اسلامیہ کی حفاظت اور اشاعت میں عمریں کھپا گئے ان پر طعنہ زنی کی گئی تاکہ ان کی سیرت داغدار کردی جائے اور دین بھی داغدار ثابت ہو۔

۶...... ضروریات دین میں تاویلیں کیں، تحریف کی اور انکار بھی کیا۔

۷...... جو مسلمان ان لوگوں کے فاسد عقائد کی تائید نہ کریں۔ انہیں مشرک کہا تاکہ امت میں افتراق پیدا ہو اور حق و باطل میں تمیز اٹھ جائے۔ تاکہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے کہ سلف صالحین سے ایسے غلط عقائد چلے آرہے ہیں۔

۸...... اپنے فاسد عقائد علماء ربانی سے منسوب کئے اور کوئی حوالہ نہیں دیا۔

۹...... مفسرین، محدثین، فقہاء میں کسی کا قول پیش کیا جائے تو ان کی طرف سے ایک جواب ہوتا ہے۔ ھم رجال و نحن رجال یعنی ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ اپنی بات کیوں نہ مانیں مگر انہیں کیا خبر کہ:

گر بہ صورت آدمی انسان بدے   احمد و بوجہل خود یکساں بدے

کتب حوالہ

تفاسیر: روح المعانی، کبیر، ابن کثیر، خازن، معالم التنزیل، اتقان، مظہری، عزیزی، مفردات راغب۔

حدیث: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند امام احمد، مسند امام اعظم، مشکوۃ، الترغیب والترہیب۔

شروح: فتح الباری، بغوی، فتح الملہم، فیض الباری، کوکب دری، مرقاۃ، اشعۃ اللمعات، بستان المحدثین، اربعین رازی۔

متفرق: المنھد، صراح، میزان الاعتدال، الاقتصاد فی الاعتقاد، الیواقیت والجواہر، اقتضاء الصراط المستقیم، السعی المشکور، نسیم الریاض، کتاب الاذکار، التنبیہ بمراقبۃ المیت، المہند، اربعین، مسامرہ، خیالی، ارشاد الفحول، فتح القدیر، جذب القلوب، قول البدیع۔